



توضیح البیان

علامہ غلام رسول سعیدی

تخلیفاً

حامد انبیا کبیری، مدنیہ منزل ۳۸، اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	توضیح البیان لخرائن العرفان
نام مصنف	مولانا غلام رسول سعیدی
صحیح	محمد منشا، نالین قسوری
مطبع	جنرل پرنٹر ٹیکنی رٹولہ پور
قیمت	= / ۱۰۰ روپے
تاریخ اشاعت	جنوری ۱۹۶۹ء

تعارف

اس کتاب میں سرفراز صاحب گکھڑوی کی تفسیر متین کا مکمل اور راہ سنت و باب جنت کا اجمالی جائزہ لیا گیا ہے؛ اس کے علاوہ بتدین دیوبند کی دوسری بیٹھا کتابوں پر بے لاگ تبصرہ کیا گیا ہے اور تمام دیوبندی بدعات کا قلع قمع کر کے مسدک اہلسنت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ شرک بدعت کی تعریفوں میں بتدین دیوبند کی غلط فہمیوں کا ازالہ کر کے ان کے خانہ ساز قواعد پر ان گنت اشکال قائم کیے گئے ہیں اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ترجمہ اور صدر الافاضل حمید اللہ کی تفسیر کے ان مقامات سے حجابات اٹھا دیے گئے ہیں جنہیں بتدین نے تعصب اور جہالت کی عینک سے دیکھا تھا۔

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۷۵	استمداد کا ثبوت احادیث سے	۲۷	استعانت
۸۱	استمداد کا ثبوت اعلام امت سے۔	۲۸	اختصاص استعانت کا مدار
۸۹	استمداد کا انکار بدعت ہے	۵۰	دیوبند کی شہادت
۹۱	دیوبند کے مسلم اکابر سے استعانت کا ثبوت۔	۵۱	ما فوق الاسباب امور میں رسول اللہ سے استعانت۔
۱۰۱	سرفراز صاحب کا وجوہ فاسدہ سے استدلال اور ان کے جوابات۔	۵۲	مخلوق اور کسب
۱۰۲	قرآن فی الذکر وجوہ فاسدہ سے۔	۵۶	مبحث شرک میں پہلی غلطی
۱۰۵	مظہر افعال و صفات استعانت کی تفسیر صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز سے۔	۶۱	ما فوق الاسباب اور قرآن
۱۰۸	استعانت کی بحث میں حرف آخر	۶۱	ما فوق الاسباب امور اور علامہ ترمذی دوسری غلطی
۱۱۰	ضاد کا مخرج	۶۳	صاحب مالابدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی
۱۱۳	مجموع حوالے کا جواب	۶۹	دیوبندی بدعت معتزلہ اور خوارج کی فرع ہے۔
۱۱۳	منیۃ المصلیٰ کی عبارت میں خیانت۔	۷۱	حیات انبیاء و نبیوں اور جسمانی حیات اولیاء
۱۱۵	عبارات فقہاء کی توضیح	۷۲	ہے۔
۱۱۶		۷۵	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
	یوم پر تصریح۔		دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی
۱۵۶	پیٹ کا منتظم کون ہے	۱۱۸	تحریف۔
	ضابطہ سنت بیان کرنے میں	۱۱۹	عموم بلوچی کا جواب
۱۵۹	سرفراز صاحب کی فاش غلطی۔	۱۲۲	ضاد کو عمداً ظاہر پڑھنا کفر ہے
۱۶۰	نشاطی کی عبارت کی وضاحت	۱۲۲	حرف ضاد کی تخصیص کا جواب
	کیا غنیۃ الطالبتین عورت اعظم	۱۲۳	امامت کی تخصیص کا جواب
۱۶۱	کی تصنیف ہے۔		
۱۶۲	طعام پر فاتحہ پڑھنا	۱۲۵	مروجہ ایصالِ ثواب
۱۶۸	عہد رسالت میں ایصالِ ثواب	۱۲۵	تقرب لغیر اللہ کی بحث
۱۷۰	بدعت سیئہ کا غلط ضابطہ	۱۳۳	اشرف علی تھانوی کی گپ
۱۷۲	بدعت حسنہ کا استنباط	۱۳۶	عمود حسن کی گپ
۱۷۶	نور و بشر	۱۳۷	گیارہویں حرام ہونے کے
	عقیدہ بشریت		دلائل کا تجزیہ۔
۱۷۷	بشریت محضہ اور بشریت	۱۳۳	ایصالِ ثواب دلائل شرعیہ کی
۱۸۳	بیشیت نبوت میں فرق۔		روشنی میں۔
۱۸۷	نبی علیہ السلام کی نورانیت	۱۳۶	ایصالِ ثواب میں تعیین کی
	حضور کی نورانیت پر اعتراض		توضیح۔
۱۹۱	کا جواب۔	۱۳۷	گیارہویں کو حرام کہنا بدعت
	حضور کی نورانیت پر ایک اور		ہے۔
۱۹۲	اعتراض۔	۱۳۸	تعیین عرفی
	حضور کی نورانیت کا برویوبند	۱۳۹	تعیین عرفی کی ترجیح
۱۹۶		۱۵۲	شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعیین

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۲۰	حیات		کی نظریں۔
۲۲۲	لوازم حیات		حضور کی نورانیت پر قرآن سے
۲۲۲	آن واحد میں امکان متعددہ پر حاضر	۱۹۷	مزید دلائل۔
۲۲۲	ہونے کا امکان۔		قد جاءکم من اللہ نور میں حضور کی
۲۲۷	تھانوی صاحب اور عقیدہ حاضر	۲۰۰	نورانیت کی نفی کرنے والے
۲۲۷	ناظر۔		کون تھے۔
۲۵۰	مذرونیاز	۲۰۵	اولیت اضافی کا جواب
۲۵۱	سرفراز صاحب کا پہلا شبہ	۲۱۲	نورانیت محمدی کی تابناک شعاعیں
۲۵۲	ذبیح حرام ہونے کی صورتیں	۲۱۶	سائے کی نفی
۲۵۳	شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے	۲۲۵	کیا سایہ نہ ہونے کا عقیدہ شیعہ
۲۵۳	جانور۔		کا ہے۔
۲۶۱	تنقیحات	۲۲۶	اثبات ظل کے دلائل اور ان کے
۲۶۳	وقت ذبح کی قید	۲۲۸	جوابات۔
۲۶۵	سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ۔	۲۳۱	بادل کا سایہ نکلنا ہونا
۲۶۶	لغیر اللہ اور بغیر اللہ کا فرق اور		حاضر ناظر
۲۶۶	سرفراز صاحب کا تیسرا شبہ۔	۲۳۲	اعلیٰ حضرت کی جلالت علمی
۲۶۷	سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ		صدر الاقائل کی تفسیر اور اس
۲۷۰	سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ	۲۳۳	پر حاشیہ۔
۲۷۲	سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ		علم رسالت پر طعن طریقہ معنائین
۲۷۵	عید میلاد النبی	۲۳۷	ہے۔
		۲۴۰	حاضر ناظر کا ثبوت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۰۹	امتناع کذب	۲۷۸	دینی اور دنیاوی امر کا فرق
		۲۷۸	بدعت کی تعریف
		۲۷۹	جشن میلاد
۳۱۰	امکان کذب میں مکذبین کی عیارتوں کا تضاد۔		سرفراز صاحب اور ان کے
	امتناع کذب جمہور معترضہ اور	۲۸۳	حکیم الامت کی جواز میلاد پر
۳۱۲	اہلسنت کا متفق علیہ مسئلہ ہے۔		شہادت۔
			حضرت ابن عباس کی حدیث
۳۱۳	امام رازی اور امتناع کذب	۲۸۴	اور عید میلاد۔
۳۱۵	امتناع کذب پر دلائل		یوم میلاد کے عید ہونے کی
۳۲۰	محال عقلی یا محال مادی	۲۸۶	شہادت۔
۳۲۳	عموم قدرت سے دیابنہ کو دسو کہ	۲۸۷	سرفراز صاحب کے شبہات
۳۲۴	نطف و عید میں اہل دیوبند کا منگالہ	۲۹۰	نئی کروٹ
۳۲۶	مکذبین باری سے پہلی گزارش	۲۹۳	تفویض احکام
۳۲۷	نطف و عید پر محققین کا رد		
۳۲۷	مکذبین سے دوسری گزارش	۲۹۳	مقام نبوت
	کیا اشاعرہ امکان کذب کے	۲۹۵	نبی علیہ السلام کے اختیارات
۳۳۰	تنازل میں۔	۲۹۷	تفویض کا ثبوت
۳۳۰	مکذبین سے تیسری گزارش	۲۹۹	سرفراز صاحب کی جسارت
۳۳۷	مکذبین سے چوتھی گزارش		احادیث میں سرفراز صاحب کا
۳۳۸	سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ	۳۰۱	شبہ۔
۳۴۰	سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ	۳۰۲	علماء امت اور تفویض احکام
۳۴۳	سرفراز صاحب کا تیسرا مغالطہ	۳۰۷	افسوسناک خیانت

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۳۶۲	صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اس کی توضیح۔	۳۶۷	سرفراز صاحب کا چوتھا مغالطہ
۳۹۵	تیسرے جواب کی توضیح	۳۶۹	سرفراز صاحب کا پانچواں اور چھٹا مغالطہ۔
۳۹۵	سرفراز صاحب کی تنقید	"	سرفراز صاحب کا آٹھواں اور نواں مغالطہ۔
۳۹۵	علم کا	۳۵۲	سرفراز صاحب کا دسواں مغالطہ
۴۰۳	علم الہی اور علم رسول میں فرق	۳۵۳	حسن و قبح اور محل نزاع۔
۴۰۵	سرفراز صاحب کے شہادت		شرح موافقہ کی عبارت
	انبیاء سابقین کے متعلقہ حضور	۳۵۸	فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی
۴۰۶	کا علم۔	۳۶۵	سرفراز صاحب کا آیا زہواں، شبہ
۴۰۸	تواضع کی تحقیق	۳۶۶	باز زہواں اور زیر ہواں مغالطہ
	متعلقہ حضور	۳۶۷	مجموعہ اس کے کلام پر تنقید
۴۱۲	کا علم۔	۳۶۷	علم غیب
	صدر الافاضل کے جواب کی توضیح۔	۳۷۱	علم غیب کے دلائل
۴۱۵	دوسرے جواب کی توضیح	۳۷۲	نفی علم غیب کا محمل
۴۱۶	نسخ کا اقتراء اور اس کا جواب	۳۷۶	علم عطائی کی نفی پر مفسد
۴۱۸	اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب۔	۳۷۷	نضائی صاحب کی جمالت
۴۲۳	اباحت اصلیہ	۳۸۰	سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن
۴۲۹	اباحت اصلیہ اور مفسرین	۳۸۲	علم شعر کی تحقیق
۴۳۰		۳۸۵	شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر نو اشکال۔
		۳۸۶	

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۲۵۳	مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب۔	۲۳۲	درمختار اور تفسیر احمدی کے حوالے۔
۲۵۵	کائنات میں تصرف	۲۳۶	ورود شرع سے قبل کی تحقیق
۲۵۸	قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلیل	۲۴۰	ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل۔
۲۶۰	سرفراز کے شبہات	۲۴۹	سرفراز صاحب کی خیانت
۲۶۳	اسناد مجازی		اباحت اصل پر عثمینی و مملوکوں سے
۲۶۸	حرف آخر	۲۵۱	اور ان کے جوابات۔



الاهتداء

میں اس ناچیز تصنیف کو مجدد ملت محسن اہل سنت
اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ العزیز اور حضرت
صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی
رحمہ اللہ کی بارگاہِ عظمت پناہ میں پیش کرنے کی سعادت
حاصل کرتا ہوں۔ جن کی روحانی امداد و اعانت سے مجھ
جیسے پیح مداں کو اس کتاب کی تصنیف کی توفیق حاصل
ہوئی۔

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

علامہ رسول سعیدی عفرلہ

استاذ العلماء مولانا الحاج عطا محمد صاحب خشکی دامت برکاتہم

کے فرمودات و تاثرات

الحمد لله الرحمن الذي خلق الانسان الكامل حبيبه
وعمله ما يكون وما كان والصلوة والسلام الاتمان الاكلان
على سيد نبى عدنان الماحى اثار الكفر والطغيان. الامى
العالم بالبطون والظهور الكاشف لظلمات الظلم والشور.
اما بعد -

یہ بات، اظہر من الشمس ہے کہ ایمان کامل کے دو اجزاء ہیں عقائد جن کا تعلق
دل سے ہے اور اعمال جن کا صدور ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے۔ لیکن جزو اعلیٰ
اور اصل عقیدہ ہے۔ اور اعمال فروع کا درجہ رکھتے ہیں۔ عقیدہ صحیحہ سے دل کی طہارت
ہوتی ہے۔ اس لئے بغیر درستی عقیدہ کے کوئی عمل مقبول نہیں ہے۔ اور اختلاف
مذہب کی مدار اختلاف عقائد پر ہے نہ کہ اختلاف عمل پر۔ اسی لئے مذاہب اربعہ
باوجود اختلاف اعمال کے وحدت عقیدہ کی وجہ سے اہل سنت والجماعت کہلاتے
ہیں۔ اور توہیب، تشیع، اعتزال و خروج اختلاف عقائد کی مختلف تعبیرات ہیں۔

اہل سنت والجماعت نے صحت اعمال کی اہمیت کو ملحوظ رکھنے کے باوجود

صحت عقائد پر بڑا زور دیا ہے۔ اور عقائد میں توحید اور رسالت کا عقیدہ اہل سنت
کے نزدیک بہت اہم ہے۔ اس تمہید میں میں یہ واضح کرنے کی کوشش کروں گا کہ
اہل سنت کے نزدیک توحید و رسالت کا مفہوم کیا ہے۔ اور اہل بدعت نے
اس عقیدہ میں کیا کیا مٹوکریں کھائی ہیں۔

ملت اسلامیہ کی اساس توحید و رسالت کے عقیدہ پر ہے۔ اور ان ہر دو امر کی

صحت ہی صحت ایمان ہے۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ توحید جس پر قرآن کریم

دلالت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ عالم جو کہ جمع موجودات ماسوا اللہ سے عبارت ہے۔ یہ سب موجودات توحید باری پر دلائل ہیں۔ اور ان دلائل کے علم سے توحید خداوندی کا علم حاصل ہوتا ہے۔ جتنا زیادہ دلائل کا علم ہوگا۔ اتنا ہی توحید کا علم بھی کامل ہوگا۔ اور دلائل کی کمی توحید کے علم میں کمی کو مستلزم ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔ وکن ذک

نُرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من الساقنين ۝

ملا علی قاری نے اس آیت مبارکہ کا جو معنی بیان فرمایا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے جیسا کہ آپ کو زمین و آسمان کے عجائب دکھائے ہیں۔ اسی طرح ہم نے ابراہیم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کو آسمان و زمین کے علوم دیئے تھے۔ تاکہ وہ اپنے رب عظیم پر استدلال قائم کریں۔ ان امور سے واضح ہو گیا کہ آسمان و زمین اور جو کچھ ان میں ہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ کی توحید کے دلائل ہیں۔ اور ان علوم سے توحید مکمل ہوتی ہے اور پھر یہ بات تو معمولی طالب علم بھی جانتا ہے کہ عالم کی وجہ تسمیہ ہی یہ ہے کہ اس سے صانع پر دیں دی جاتی ہے۔ یہاں ملا علی قاری اور دیگر شراح حدیث نے ایک نکتہ بیان کیا ہے۔ اس کو بھی ذرا سن لیجئے۔ وہ یہ کہ آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور مشاہدہ کو مشبہ بہ اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کے علم و مشاہدہ کو مشبہ سے تعبیر فرمایا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ مشبہ بہ وجہ میں مشبہ سے اقویٰ ہوتا ہے۔ تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم و مشاہدہ جناب خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ سے کس طرح اقویٰ ہے شراح حدیث نے اس کا جواب دیا کہ آیت مذکورہ بالا میں خلیل صلوٰۃ اللہ تعالیٰ کو پہلے مشاہدہ ہوا اور بعد میں ایقان اور جس حدیث شریف میں حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ذکر ہے۔ اس میں مشاہدہ باری عز اسمہ متقدم اور علم جمع مافی السموات والارض مؤخر ہے۔ تو حاصل کلام یہ ہوا کہ حبیب صلوٰۃ اللہ مؤثر اور نہایت سے اثر اور مخلوق کی طرف منتقل ہوئے اور خلیل صلوٰۃ اللہ علیہ کا معنی بالعکس ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

و بینہما بون بائن۔ یعنی ان دونوں مرتبوں میں بڑا عظیم فرق ہے۔ قرآن و سنت سے جو عقیدہ توحید ثابت ہوتا ہے اس کا ذکر اوپر بیان ہو چکا اور اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر کسی بھی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اس کو فلاں چیز کا علم نہیں ہے۔ تو یہ عقیدہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نبی کا علم توحید مکمل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ افضل الانبیاء صلوٰۃ اللہ علیہ کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ آپ کو فلاں چیز کا علم نہیں تھا۔ تو بتائیے جب آپ کا علم توحید مکمل نہیں ہے۔ تو پھر دنیا میں کس کا علم توحید مکمل ہو سکتا ہے۔ اور بعض اہل بدعت نے عقیدہ توحید کو الٹا جامہ پہنا دیا کہ اگر کسی نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو عالم کی ہر ایک چیز کا علم عطا فرمایا ہے۔ تو یہ عقیدہ شرک ہے یعنی عقیدہ توحید کو جو دلائل سے ثابت ہے اس کو تو شرک قرار دیا۔ اور ان اہل بدعت نے عقیدہ توحید یہ اختراع کیا کہ کمال موصد وہ ہے۔ جس کو دیوار کے پیچھے کا علم بھی نہ ہو۔ اور پھر طرفہ یہ کہ ان اہل بدعت کے نزدیک شیطان لعین کی وسعت علمی تو نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور افضل الانبیاء کے علم پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہوا کہ شیطان کا علم توحید انبیاء علیہم السلام کے علم توحید سے اکمل ہے۔ نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔ ع

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا نام خرد

یہاں تک میں نے یہ واضح کیا ہے کہ ملت اسلامیہ کی اساس اول توحید کو اہل بدعت نے کتنا غلط رنگ دیا ہے۔ اب آئیے آپ کو دین متین کی بنیاد ثانی یعنی رسالت سے روشناس کرائیں۔ اور پھر اہل بدعت نے اس بنیاد میں جو قہر سامانیاں کی ہیں ان سے پر وہ اٹھائیں۔ اولاً آپ سے یہ بیان کرتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک عقیدہ رسالت کیا چیز ہے۔ قرآن پاک میں ہے۔ اتی جاعل فی الارض خلیفۃ۔ اس آیت مبارکہ پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ خلیفہ اس وقت مقرر کیا جاتا ہے جب اصل حاکم کام انجام نہ دے سکے۔ اللہ تعالیٰ

تو ہر قسم کے عجز سے پاک ہے پھر اس نے اپنا خلیفہ کیوں مقرر فرمایا۔
اس اشکال کا جواب علامہ بیضاوی نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے؛

استخلفهم اللہ فی عبارة الارض و سیاسیة الناس و تکمیل نفوسهم
و تنفیذ امرہ فیہم لاجابة بہ تعالیٰ الی من نیو بہ بل لقصوراً لمستخلف
علیہ عن قبول فیضہ و تلقی امرہ بغير وسط۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا جتنی مخلوق ہے اس میں
اتنی استعداد نہیں ہے کہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ سے فیض حاصل کر سکے۔ اس حکمت
کی وجہ سے خلیفہ کی تخلیق ہوئی۔ علامہ فاضل سیالکوٹی نے اپنے حاشیہ میں اس
بات کی وضاحت کی ہے کہ مخلوق میں کیوں استعداد فیضان نہ تھی ملاحظہ ہو؛

لما انہ فی غایة الكدورة والظلمة الجسمانية وذاتہ تعالیٰ فی غایة
التقدس والمناسبة شرط فی قبول الفيض علی ما جرت بہ العادة الالهية
فلا بد من متوسط ذا جهتی التجرؤ التعلق لیستفیض من جهة ویفیض باخری
اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے سوا تمام ارضی مخلوق میں
کدورت یعنی میل اپن اور سیاہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کدورت اور سیاہی سے
بالکل پاک و منزہ ہے۔ بلکہ کدورت اور ظلمت اللہ تعالیٰ میں محال ہے۔ اور
مفیض اور مستفیض میں مناسبت شرط ہے۔ اور یہ شرط عادی ہے ورنہ اللہ تعالیٰ
ہر چیز پر قادر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان ایک واسطہ
پیدا کیا ہے جو کہ تجرد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے مناسبت رکھتا ہے اور اس
مناسبت سے باری عز اسماء سے استفادہ کرتا ہے۔ اور تعلق بدنی کے لحاظ سے
مخلوق کے مناسب ہے۔ اور اس مناسبت کی وجہ سے مخلوق اس سے استفادہ
کرتی ہے۔ علامہ بیضاوی نے حیوانی بدن میں اس کی مثال دی ہے کہ مثلاً ہڈیاں گوشت
سے خوراک حاصل کرتی ہیں۔ اور ان دونوں کے درمیان مناسبت نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ
نے عادی طور پر نرم ہڈی کو پیدا کیا۔ جو کہ ظاہری رنگ کے لحاظ سے ہڈی ہے اور

نرمی کے لحاظ سے گوشت سے مناسب ہے۔ اور ہڈیاں اسی نرم ہڈی کے واسطے
 خوراک حاصل کرتی ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان واسطہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ
 والسلام ہیں۔ جو کہ ذوق جہنمیں ہیں۔ ان میں شجر و اور نورانیت بھی ہے اور تعلق بشریت
 بھی۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ انبیاء و رسل صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین نہ تو خدا ہیں اور
 نہ ہی محض بشر تھے کہ انکی حقیقت محض حقیقت بشری ہو۔ اہل بدعت کو ہمارا یہ حلیج ہے
 کہ علامہ بیضاوی نے جس اعتراض و اشکال کی طرف اشارہ فرمایا ہے وہ تمام مل کر بیان
 مذکور کے بغیر اس کا جواب دیں۔ اہل بدعت کا یہ مذہب ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ
 والسلام کی حقیقت صرف حقیقت بشری ہے۔ فرق صرف نزول وحی کا ہے۔ تو
 اس پر سابقہ اشکال لوٹ آئے گا کہ پھر انبیاء علیہم السلام بھی عدم مناسبت کی وجہ سے
 استفادہ از باری عز اسمہ نہیں کر سکتے۔ حقیقت میں مشرکین کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی کی حقیقت
 صرف اور صرف بشر ہے۔ اور اسی وجہ سے ان کا یہ اعتراض تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ
 حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ کسی اور پر کیوں نازل نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے
 قرآن پاک میں فرمایا۔ اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ یعنی اللہ تعالیٰ مقام رسالت
 کو خوب جانتا ہے۔ جس کا مطلب واضح ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی حقیقت ایسی ہے
 کہ اس میں استعداد رسالت ہے۔ اور مشرکین جن کا نام تم لیتے ہو۔ ان کی حقیقت
 میں یہ استعداد نہیں ہے۔ اب اگر رسالت کے متعلق اہل بدعت کا مذہب مان
 لیا جائے کہ حقیقت انبیاء علیہم السلام صرف بشر محض ہے۔ تو پھر کفار کے اعتراض
 کا جواب آیت مذکورہ بالا سے کس طرح بیان کیا جائے گا۔ حیرت اس امر پر ہے
 کہ بانی دین و بند اور اہل بدعت کے پیر معان محمد قاسم صاحب نا تو تو ہی بھی آیت مذکورہ بالا
 کی یہی تفسیر کرتے ہیں۔ جس کو میں نے اوپر بیان کیا ہے بلکہ موصوف نے تو یہاں
 تک کہہ دیا ہے کہ زمین کا وہ حصہ مبارک کہ جس پر کعبہ مکہ ہے۔ اس کی حقیقت دوسرے
 اجزاء ارض سے مختلف ہے۔ ورنہ تزیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ مذکورہ بالا بحث تو
 تمام انبیاء علیہم السلام سے متعلق ہے۔ اور پھر افضل الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے حق

میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

قوله تعالى يكاد زيتها يضيء ولو لم تمسسه نار - علامہ فاضل عبدالحکیم
سیالکوٹی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

لانها تكاد تعلق ولو لم يتصل بملك الوحي والالهام الذي مثل
النار من ان العقول يشتعل عنها وفيه اشارة الى ما سيحدث من ان قوله تعالى
الله نور السموات والارض تمثيل للقوة العقلية في مراتبها -

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نور السموات میں انبیاء علیہم السلام کی عقول کا
بیان اور ان کی استعداد کی تمثیل ہے کہ اگر ان پر وحی والہام نہ بھی ہوتا تب بھی ان میں
استفادہ کی استعداد موجود تھی۔ اسی لئے محققین اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے۔
کہ اگر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بالفرض وحی نازل نہ بھی ہوتی تب بھی آپ تمام
مخلوقات سے افضل ہوتے۔ آپ کو جو منصب نبوت اور رسالت عطا فرمایا گیا ہے۔
یہ نور علی نور ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

قوله تعالى - نوراً على نور يهدى الله لنوره من يشاء - یعنی
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اللہ تعالیٰ نے مرتبہ رسالت عطا فرمایا تو یہ نہ سمجھو کہ
صرف اسی سے آپ کو نورانیت حاصل ہوئی۔ بلکہ اس رتبہ عالیہ سے قبل بھی وہ
نور تھے۔ اور اعطائے رسالت نور علی نور ہے۔ چونکہ اس سے یہ وہم ہوتا تھا
کہ پھر اس ذات ستودہ صفات کی نورانیت تو بالکل ظاہر ہوگی۔ اور اس کا انکار ناممکن
ہوگا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا۔ يهدى الله لنوره من يشاء
یعنی اس نور علی نور کو غلاف بشریہ سے ڈھانک لیا جاوے گا۔ اور اس نور تک مخصوص
نفوس قدسیہ کی رسائی ہوگی۔ اور اذہان عالیہ اور نفوس قدسیہ کو ہی اللہ تعالیٰ اس
نور تک پہنچائے گا۔ باقی رہے اذہان قاصرہ سافلہ تو وہ صرف غلاف بشریت پر
رک کر اسفل السافلین میں گر جائیں گے۔

یہاں تک میں نے عقیدہ توحید و رسالت میں اہل سنت اور اہل بدعت کا فرق

بیان کیا ہے۔ اور یہ ذکر اجمالی ہے۔ اب روزِ اول سے اہل حق اور اہل باطل یا یوں کہہ لیجئے کہ ابتداء سے اولیاء الرحمن اور عباد الشیطان ستیزہ کار ہیں ع

ستیزہ کار ہے ازل سے تا امروز

پہرچہ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ ذیل احادیث میں اشارہ بھی فرمایا ہے جس کو بیہقی نے روایت کیا۔

قوله علیہ السلام - یحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ینفون

عند تحریف الغالین انتحال المبطلین و تاویل الجاہلین۔

(رواہ البیہقی فی کتاب المدخل بحوالہ مشکوٰۃ)

قوله علیہ السلام ان الله عز وجل یبعث لہذا الامۃ علی رأس کل

مائۃ سنۃ من یجد لہا دینہا۔

(رواہ ابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ)

ان دونوں حدیثوں کا مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایسے عادل علماء اور مجدد پیدا ہوں گے جو اہل بدعت کے شبہات کا ابطال اور ان کی تحریفات و تاویلات کا قلع قمع کرتے رہیں گے۔ اس امت میں سب سے مقدم یہ ستیزہ کاری سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مقدس میں ہوئی کہ جب آپ نے دعویٰ فرمایا کہ مجھ پر تمام اشیاء پیش کی گئی ہیں۔ اور میں مومن و کافر ہر ایک کو جانتا ہوں تو منافقوں نے کہا کہ (نحن معہ ما یعرفنا) یعنی اگر سب کو جانتے ہوتے تو ہم کو بھی جانتے اور ہمارے نفاق پر مطلع ہوتے اور پھر ہم کو اپنے دربار میں حاضر کی اجازت نہ دیتے۔ جب آپ کو منافقین کے اس قول کا علم ہوا تو آپ نے لوگوں کو جمع فرما کر اعلان کیا کہ ما بالاقوام طعنوا فی علی فاسئلونی۔ (حدیث) آپ نے منافقین کے قول کو طعنہ سے تعبیر فرمایا۔ اور اعلان فرمایا کہ مجھ سے جو پوچھنا ہے پوچھو۔ آپ نے اپنی اس تقریر میں عصہ کا اتنا اظہار فرمایا کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ گھٹنوں کے بل کھڑے ہو گئے اور

عرض کیا۔ (رضینا باللہ ربنا وبالاسلام دینا و محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبینا
 فاعف عنا) (الحديث)۔ ہم اللہ کو رب، اسلام کو دین، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 کو نبی ماننے پر راضی ہیں ہم کو معاف کر دیجئے۔ اس کے بعد یہ فتنہ منافقین بالکل دب
 گیا۔ اور کبھی ان کو سر اٹھانے کی جرأت نہ ہوئی۔ تا آنکہ سات سو پانچ ہجری میں بن تیمیہ
 نے مذکورہ بالا فتنہ اور کئی دوسرے فتنوں کو جنم دیا۔ اہل بدعت کا یہ محدث حضرت
 عثمان رضی اللہ عنہ کے متعلق کہا کرتا تھا کہ وہ مال کے ساتھ محبت کرتے تھے اور نیز
 اہل بدعت کا یہ علامہ حضرت مولیٰ علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے متعلق کہتا تھا کہ چونکہ وہ یمن
 میں مسلمان ہوئے تھے اس لئے ان کا ایمان مقبول نہیں ہے۔ اس وقت کے علماء
 کرام نے اس شخص کو لکارا اور زین الدین مالکی نے اس کو مبہوت کر دیا۔ چنانچہ اس کو
 قید کر دیا گیا اور پھر وہ تائب ہو گیا۔ تو قید و بند سے رہائی پائی لیکن پھر اپنے عہد کو توڑ
 دیا۔ اور یہ فتنہ فرادب گیا۔ اسی کے متعلق علامہ ابن حجر نے فتاویٰ حدیثیہ میں فرمایا:
 (راضلہ اللہ علی علم) اور علامہ شامی نے ردالمحتار میں فرمایا: (ابتدع ابن تیمیہ)
 یعنی باوجود علم اس شخص کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا۔ اور یہ کہ وہ اہل بدعت سے تھا
 اور پھر تیرہویں صدی ہجری میں محمد بن عبدالوہاب نجدی نے طاقت کے گھمنڈ پر
 اس فتنہ کو ہوادی اور نجد سے نکل کر حرمین پر قبضہ کر لیا اور اہل سنت کو مشرک قرار
 دے کر قتل کیا۔ تو سلطان روم نے اپنا لشکر بھیج کر اس فتنہ کا استیصال کر دیا۔ اب
 اس فتنہ نے عرب سے نکل کر ہندوستان کا رخ کیا اور ہند میں جا۔ ٹے پناہ ڈھونڈ
 شروع کی۔ چونکہ دہلی میں ولی اللہی خاندان کے اکابرین دارالآخرت کو تشریف لے
 گئے تھے۔ اور ان کی سجادگی اسمعیل دہلوی کو حاصل تھی۔ اسمعیل دہلوی نے اس کو اپنی
 آغوش عاطفت میں جگہ دی اور سابقہ فتنوں کے ساتھ کئی اور فتنوں نے جنم لیا۔ اور
 اس شخص نے امکان کذب باری کا فتنہ پیدا کیا۔ تو استاذ الکل فی الکل حضرت امام
 فاضل کامل حضرت مولانا فضل حق خیر آبادی رحمہ اللہ نے اس کا رد بلوغ فرمایا کہ باید و
 شاید اور پھر مولانا محمد حسن المعروف حافظ دراز پشاور کی سعی مشکور سے سرحد کے

غیور محب النبی صلی اللہ علیہ وسلم پٹھانوں نے بانی فتنہ اسمعیل دہلوی کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا۔ اور یہ فتنہ ایک دفعہ پھر سے بے یار و مددگار ہو گیا۔ چونکہ قتل و شہیدانی حرب السلطنت کے جانشین دیوبندیوں میں جمع ہو چکے تھے۔ اور اس جانشینی پر نازاں و فرحاں تھے۔ اس لئے اس فتنہ نے صننادید دیوبند کو معمولی سی بحث کے بعد رام کہ لیا کہ یا تو سجادگی سے دست بردار ہو جاؤ اور یا اپنے پیرو دہلوی کا مسلک اپناؤ پس اکابرین دیوبند نے دوسری صورت کو ترجیح دی۔ چونکہ اس فتنہ کا اظہار عامۃ المسلمین میں بدظنی کا باعث تھا۔ اس لئے ان صننادید دیوبند میں سے بعض نے تو تقیہ کیا اور بعض نے اپنے بانی الصغیر کا پورا پورا اظہار کیا۔ لہذا اس وقت کے مجدد اعظم اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہ العزیز نے یک وقت اس گروہ کا اس قدر ردِ بلیغ فرمایا کہ اس کی تفصیل کے لئے مجلدات بھی ناکافی ہیں۔

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے علمی دبدر اور رعب کا یہ حال تھا کہ باوجود کوشش بسیار کے ذریت اسمعیل کے کسی فرزند کو مناظرہ کی توفیق نہ ہوئی اور تاریخ و مقام مناظرہ متعین ہونے کے باوجود اعلیٰ حضرت نے وقت اور جگہ کی پوری پابندی کی۔ سجادگان قتل و شہید یا وہاں نہ گئے۔ اور باجا کر راہ فرار اختیار کی۔ حالانکہ اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد بیسیوں مناظرے معرض وجود میں آئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پس ماندگان قتل کے پھیپڑے اس شیر نر سے کاپتے تھے۔ اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے تقریباً ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ارقام فرمائیں اور جس مسئلہ پر قلم اٹھایا اس کو الم نشرح کر کے چھوڑا۔ ان تمام تصانیف کا سرتاج اردو ترجمہ قرآن پاک ہے۔ جس کی نظیر نہیں ہے۔ اور اس ترجمہ کا مرتبہ اسی کو معلوم ہو سکتا ہے جس کو اعلیٰ درجہ کی تفاسیر بریلوی نظر ہو۔ اس ترجمہ مبارک میں محققین مفسرین کا اتباع کیا گیا ہے۔ اور جن اشکالات اور ان کے حل کو مفسرین نے صفحات میں جا کر بمشکل بیان فرمایا ہے۔ اس محسن اہلسنت نے اس کو ترجمہ کے چند الفاظ میں بیان کر دیا میں ضروری سمجھتا ہوں کہ چند مثالیں یہاں پیش کروں۔ مثال اول قرآن پاک میں ہے

لا ریب فیہ عربی محاورہ کے مطابق یہاں جنس ریب کی نفی ہے۔ اور لفظ (فی) کا مدخول ظرف ہوتا ہے۔ کبھی زبان اور کبھی مکان۔ تو اب معنی یہ ہوگا کہ قرآن پاک جنس ریب کا محل نہیں بنا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن میں کسی نے شک نہیں کیا۔ حالانکہ دوسری آیت میں ہے۔ وان کنتم فی ریب مما نزلنا اس آیت مبارکہ سے پتہ چلا کہ قرآن کریم محل ریب بنا اور لوگوں نے اس میں شک کیا ہے تو اس اشکال کو دور کرنے کے لئے علامہ تفتازانی نے مطول میں اور علامہ بیضاوی نے اپنی تفسیر شہیر انوار التنزیل میں ایڑی چوٹی کا زور لگا کر طویل ترین عبارات سپرد قلم کی ہیں۔ لیکن اس بحر زخار نے صرف چند الفاظ میں اس کو دور کر دیا۔ آپ بھی سنئے (قرآن کریم) کوئی شک کی جگہ نہیں۔ اس مختصر عبارت کی بلاغت وہی جانتا ہے جس کو علوم و فنون سے مس ہو۔ اور اگر میں اس کی تشریح کروں تو مضمون طویل ہو جائے گا۔

مثال دوم؛ قوله تعالى: يا ايها الناس اعبدوا ربكم الذي خلقكم والذين من قبلكم لعلكم تتقون۔ میں مترجمین اس طرف گئے ہیں کہ لفظ لعل بمعنی بلکہ ہے۔ یعنی تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ لیکن علامہ بیضاوی نے اس کے متعلق فرمایا (لعل یشبہ فی اللغۃ مثله) پھر علامہ مذکور نے فرمایا کہ یہ حال ہے۔ ضمیر عبدوا سے تو معنی یہ ہوا کہ (اعبدوا راجعین ان ینخرطوا فی سلك المتقين اعلیٰ حضرت نے اس ترجمہ کو اختیار کیا اور دریا کو کوزہ میں بند کر دیا۔ اور پھر اس حضرت مولانا صدق الافاضل حافظ محمد نعیم الدین صاحب مراد آبادی نے ایسی تفسیر لکھی کہ پڑھنے والا حیرت میں پڑ جاتا ہے کہ ترجمہ احسن ہے یا کہ تفسیر اور حقیقت یہ ہے کہ دونوں ہی احسن ہیں تفسیر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اگر تمام تفسیر کو ترجمہ میں اپنی اپنی جگہ رکھ دیا جائے تو مزج کے طور پر ایک آدمی کی عبارت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک مسلسل اور مربوط عبارت ہے۔ بہر حال میں بہت دور چلا گیا

آدم بر سر مطلب

گفتگو اس میں ہو رہی تھی کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے اپنے وقت کے

اہل بدعت، اسمعیل دہلوی کے پیروکاروں کو لکارا۔ اور ہندوستان میں اہل سنت کا
سکہ بٹھایا۔ اعلیٰ حضرت کے بعد ان کے جانشینوں نے پھر اعلیٰ حضرت کے مشن
کو حتی المقدور پورا کیا۔ اب ہم ذرا پیچھے ہٹ کر آپ کو بتلاتے ہیں کہ اسمعیل دہلوی
کے زمانہ تک سابق پنجاب و سرحد جو آج کل مغربی پاکستان سے موسوم ہے۔ اس
زہریلے اثر سے محفوظ تھا۔ بد قسمتی سے کہ اس دوران میں واں بھچراں ضلع میانوالی کا
ایک طالب علم گنگوہ پہنچا اور رشید احمد گنگوہی نے اس طالب کو ایسا انجکشن دیا۔
جس کی ایجاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں نفاق کی کیمسٹ فیکٹری میں
ہوئی تھی اور ابن تیمیہ اور محمد بن عبدالوہاب نجدی وغیرہا نے اس کے تیر بہدف علاج
کی تشہیر کی۔ پھر کیا ہوا غربی پاکستان میں فتنہ نجدیت، کاکہرام حج گیا اور اس فتنہ کے
مفاسد دیکھ کر عوام انگشت بندھا رہ گئے۔ آخر حضرت السید السند قطب الوقت
عالم علم لدنی الشیخ الرئیس حضرت سیدنا و مولانا و مرشدنا سید پیر مہر علی شاہ وارث
علوم نعوش اقطین قدس سرہ العزیز نے واں بھچراں کو اپنے قدم مہمنت لزوم
سے سرفراز فرمایا اور تلمیذ گنگوہی پر صرف ایک سوال کیا۔ جس کا جواب واں بھچروی
اور ان کے تمام معاون اور مددگار نہ دے سکے۔ اور یہ مولوی صاحب حضرت
گولڑوی کے روبرو ایسے مبہوت ہوئے کہ ایک مشہور روایت کے مطابق ان کا
پیشاب بھی خطا ہو گیا۔ اور واں بھچراں میں یہ فتنہ وقتی طور پر دفن ہو گیا۔ اگرچہ
اس فرقہ واں بھچراں کے عقائد وہی تھے۔ جو کہ صناید دیوبند کو اسمعیل دہلوی سے
وراثت میں ملے تھے۔ لیکن اکابر دیوبند عوام الناس میں شیعہ شنیعہ کی طرح ذرا تقیہ
سے کام لیتے تھے۔ لیکن اس شخص نے تقیہ سے انکار کر کیا۔ اور مع اپنی اصلی شکل
کے ساتھ لوگوں کے سامنے عرباں ہو گئے۔ اس لئے دیوبندی حضرات ذرا
اس فرقہ واں بھچراں سے خفا ہو گئے۔ تو ان کو ایک اور سہارے کی ضرورت پڑی
اور سعی و بسیار کے بعد ان کا مقصد گلکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں حل ہو گیا۔ چنانچہ سرفراز
صاحب نے اہل سنت و الجماعت کے حق میں ہرزہ سرانی شروع کی۔ ابتداء میں

تو اہل سنت نے اس زہر افشانی کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اور اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ کارواں تو چلتا ہی رہتا ہے۔ جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ ہر دو مقصد فوت ہو رہے ہیں۔ اور میں صرف ایک ہاتھ سے تالی پیٹنے کی ناکام سعی کر رہا ہوں۔ اور میرے ولی نعمت ممکن ہے کہ مجھ سے بدظن ہو جائیں کہ اس کی طرف تو التفات نہیں کیا جا رہا۔ تو اس نے اپنی لن ترانیوں میں ایک اور قدم آگے بڑھایا۔ جب علماء اہل سنت نے دیکھا کہ سرفراز صاحب حد سے بڑھ رہے ہیں۔ تو بعض نے معمولی تنبیہ پر اکتفا کی۔ اب جب سرفراز صاحب نے دیکھا کہ میری طرف التفات ہونے لگا ہے۔ تو انہوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی اور صدر الافاضل کے ترجمہ اور تفسیر پر تیرہ جگہ اعتراض شائع کئے اور رسالہ کا نام تنقید متین رکھا۔ پھر اہل سنت نے یہ محسوس کیا کہ یہ معمولی تنبیہ انہیں کافی نہیں ہوئی۔ بلکہ ان کی اصلاح کے لئے مفصل اور مکمل رد کی ضرورت ہے۔ اس بنا پر میرے عزیز القدر الفاضل العلامہ وحید الزمان صاحب العلم والبیان مولانا غلام رسول سعیدی نے اپنے نہایت مصروف وقت سے کچھ فرصت کے لمحات نکال کر تنقید متین کا ردِ بلغ کیا اور محاربتہ عن اللہ جل شانہ ورسولہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فریضہ جلیلہ ادا کرنے کی سعی مشکور فرمائی اور کتاب کا نام ”توضیح البیان لخزائن العرفان“ رکھا۔ اس فقیر سراپا تقصیر نے تمام کتاب مولانا سعیدی سے من اولہ الی آخرہ نہایت غور و خوض سے سنی۔ اور اس دوران سعیدی صاحب کو اپنے مشورے بھی دیئے۔ اگر یہ فقیر اس کتاب کی تمام خصوصیات بیان کرے تو شاید پہلے کے برابر اور لکھنا پڑے۔ جس کی وقت اور مقام اجازت نہیں دیتا لیکن بفحوائے مالایدرک کلام لایترک کلام کے مطابق اجمالی طور پر تبصرہ ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور کتاب کی چند خصوصیات سپرد قلم کی جاتی ہیں۔

اول: ایمان کامل کے دو اجزاء ہیں۔ عقیدہ اور عمل۔ اور عقیدہ عمل کی بنیاد ہے۔ بغیر عقیدہ عمل بیکار اور پھر عقائد کا سرتاج عقیدہ توحید و رسالت ہے اور تقریباً تمام اہل بدعت نے توحید و رسالت میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ زیر تبصرہ کتاب میں توحید و

رسالت کا وہ مفہوم بیان کیا گیا ہے جس پر کتاب و سنت اور اقوال سلف صالحین دلائل کرتے ہیں۔ اور اس عقیدہ کے پرچار کے لئے انبیاء عظام کی بعثت ہوئی۔ لہذا اسی عقیدہ کا مفہوم بیان کرنا اسوۂ حسنہ کا اتباع ہے نہ کہ من گھڑت بے سرو پا اختراعات اسوۂ حسنہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ جیسا کہ مقررین صفا کی رائے ہے۔

دوم۔ عموماً قاعدہ یہ ہے کہ اگر کسی کارڈ کرنا ہو تو صرف اتنی عبارت پر اکتفاء کی جاتی ہے جو رد کے لئے کافی ہو۔ لیکن علامہ سعیدی کے جو ان علم نے اس قاعدہ پر عمل کو پہلوان کے ہاتھ میں چھڑی تھما دینے کے مترادف قرار دیا۔ کیونکہ الباطل المحامی تو گزر گراں کا مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے مولانا نے جہاں جہاں سرفراز صاحب کا رد فرمایا ہے۔ تو پہلے اس مسئلہ کی پوری تحقیق کی ہے اور اس مسئلہ کے تمام نشیب و فراز پر بحث کی ہے۔ اور اس کے ہر گوشہ کو کھنگال کے رکھ دیا ہے۔ اور تمام دلائل کو حتی المقدور ایک جگہ پر جمع کر دیا ہے۔ جو کہ متونیوں کی طرح قرطاس کتب پر بکھرے پڑے تھے۔ تاکہ قارئین مسئلہ کی تہ تک پہنچ سکیں۔ اور رو بلیغ کے ساتھ ساتھ پورے مسئلہ پر گفتگو کر سکیں۔

سوم :- چونکہ یہ امر مسلم ہے کہ (العلوم تزداد یوما فیوما) تو متاخر کے سامنے کتب کا ذخیرہ چونکہ زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بسا اوقات متاخر ایسے دلائل بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ دلائل کی تقریر ایسے اچھوتے انداز میں کرتا ہے کہ کتب متقدمین اس سے مجموعی طور پر بخالی ہیں۔ بنا بریں کتاب زیر تبصرہ میں قارئین کو ایسے دلائل میں گے اور ان کا طرز استدلال ایسا نوکھا ہو گا کہ کتب سابقہ اس سے خالی ہیں، اور اس سے متقدمین کی گستاخی مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ متاخر کے لئے کتب متقدمین اس کا کام دیتی ہیں۔ قدامت نے بنیاد مستحکم کی اور متاخرین نے اس پر محل تعمیر کیا۔ یہ بات لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ کہ بعض لوگ تعصب کے طور پر جھٹ گستاخی کا فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ دیکھئے شیخ محمد عبدالحق قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین مطہرین کی شرافت و طہارت اور اسلام کا مسئلہ
متاخرین پر منکشف ہوا ہے۔

چہارم :- چونکہ کلام پاک ایک جامع کتاب اور مختلف الانواع مسائل کا گنجینہ ہے۔ تو
اس کلام پاک کا ترجمہ اور تفسیر انہیں مسائل کی حامل ہوگی اور چونکہ صاحب تنقید متین نے
اہل سنت کے ہر مسلک اور عقیدہ پر تعصب کے طور پر حملہ کیا ہے۔ اور علامہ سعیدی
نے ہر جگہ اس کا تعاقب فرمایا ہے۔ اور ہر مسئلہ کو شرح اور بسط سے بیان کر دیا ہے
تو تقریباً تمام متنازع فیہ مسائل مع دلائل قاہرہ کتاب زیر تبصرہ میں آگئے ہیں۔ تو اب
یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہیں ہے۔ کہ ایسی جامع مختلف الانواع کتاب آج تک منصف شہود
پر جلوہ گر نہیں ہوئی۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

چوتھم :- کتاب زیر تبصرہ میں استدلال اور رد کا یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ کتاب و سنت
اقوال صحابہ، تابعین تبع تابعین اور ائمہ مجتہدین خصوصاً علماء احناف کثر ہم اللہ تعالیٰ
سے استدلال کیا گیا ہے۔ اور سرفراز صاحب کے اکابر کے اقوال اور خود بھی اس
تنقید سے محفوظ نہیں ہیں۔

پنجم :- سرفراز صاحب نے کئی مقامات پر صرف دعویٰ پر اکتفا کیا ہے۔ اور اس پر
کوئی دلیل قائم نہیں کی۔ اور اپنے دعویٰ کو بالکل تشنہ پھوڑ دیا ہے۔ اس لئے علامہ
سعیدی صاحب نے ان کو وہاں اڑے ہاتھوں لیا ہے۔ اور ثابت کیا ہے کہ یہ
باتیں تو ایک مبتدی ہی کر سکتا ہے۔ برعکس علامہ سعیدی کے کہ انہوں نے صرف
لائم پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ ہر دعویٰ کے دلائل سے ثابت کیا ہے۔

ہفتم :- طرز تحریر اور انداز بیان نہایت برجستہ اور فصاحت الفاظ اور جلاوت عبارت
ایسی ہے کہ بار بار سننے اور پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اردو
کا بہت بڑا ادیب اپنا شاہکار پیش کر رہا ہے۔ ہذا سب سنا بل فی کل سنبلۃ
مائتۃ حبة واللہ یضاعف لمن یشکر۔ الالتماس فی حضرت رب العالمین جل شانہ
سبحانک اللہم اے ہمارے رب ہر دور میں معاندین نے تیری تمزیہ پر حملے کئے۔ اور

قبائح کو نیری ذات مقدسہ مطہرہ کی طرف منسوب کیا اور اسی طرح اہل بدعت نے تیرے
 جیب بلیب معظم مکرم کی توہین کا ارتکاب والتمزام کیا ہے لیکن ہر زمانہ میں تو نے ہم اہل سنت
 والجماعت کو یہ توفیق سعید عطا فرمائی کہ تیرے اور تیرے جیب صلوات اللہ علیہ کی طرف سے
 جہاد اور محاربتہ کریں۔ فالحمد للہ علی ذلک والشکر اور اگر ہمارا ہر بال
 کوڑوں زبانوں کی شکل اختیار کرے اور ہم تیرا شکر ادا کرتے رہیں۔ تو ہم ادا شکر سے
 قاصر ہیں۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمے کنی
 منت از دستناس کہ خدمت گذاشتت

حرره الفقیر الی اللہ الصمد

حافظ عطا محمد ہشتی۔ گولڑوی عفی عنہ



تقریظ از مفتی پاکستان استاذ العلماء علامہ

محمد حسین صاحب نعیمی دامت فیوضہم العالیہ

بانی و مہتمم جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہ ہولہ ہور

ابوالزاہد محمد سرفراز صاحب گکھڑوی جو دیوبندی مکتبہ فکر کا خصوصی ناقد اور ایک بیباک ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ جس نے چند سال سے علماء اہل سنت کی تصانیف پر بے سرو پا اعتراضات کا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔ اور مسلک حق اہل سنت کے خلاف جارحانہ روش اختیار کر رکھی ہے۔ گکھڑوی موصوف کا انداز کلام اور طرز بیان سوتیانہ اور تحریر و سخا طب کا طریقہ گستاخانہ ہے جس کی نمایاں مثال تنقید متین کتاب کا انداز تحریر ہے۔ اس میں امام اہل سنت اعلیٰ حضرت احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے ترجمہ اور صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب فاضل مراد آبادی قدس سرہ العزیز کی تفسیر پر تنقید اور تردید و تغلیط کی ناکام کوشش کرتے ہوئے اہل سنت کی شخصیات پر رکیک حملے کئے ہیں اور بزرگان دین کی شان میں توہین آمیز جملوں سے اپنی بے باکی اور دنائت مزاجی کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔

علاوہ ازیں سرفراز صاحب گکھڑوی نے اپنی اس تصنیف میں تیرہ مسائل پر تبصرہ کیا ہے۔ اور ان مسائل کو بیان کرتے ہوئے کہیں تحریف سے کام لیا ہے اور کہیں تجاہل سے۔ اور کہیں غلط مباحث سے اپنا کام نکالا ہے۔ اور کہیں دوران کار یا وہ گوئی سے اور کہیں اہل سنت کے ذمہ ایک مسئلہ کو اپنی طرف سے فرض کر کے تعلق اور مبارزت کے ڈونگرے برسائے ہیں اور جگہ جگہ اس کتاب میں نہایت بے باکی اور غلط بیانی و کوتاہ نظری کا شرمناک مظاہرہ کیا ہے۔ میرے عزیز مولانا ابوالوفا غلام رسول صاحب سعیدی زاد اللہ اقبال

نے تنقید متین کے جواب دینے کا ارادہ کیا۔ اپنی تدریسی اور تعلیمی خدمات انجام دہی کے دوران کچھ وقت نکال کر توضیح البیان لجزائرن العرفان: بجواب تنقید متین تحریر فرمائی۔ اس کے جواب میں ہرزیر بحث مسئلہ کو پوری تحقیق اور مستند حوالہ جات کے ساتھ تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ نیز سرفراز صاحب کی طرف سے طنز و تشنیع اور جھیل و تعلق کا کما تدرین تدان کے مطابق پوری طرح تحلیل و تجزیہ بھی کر دیا ہے۔ ادب کی لطافت اور آرزو زبان کی چاشنی کو بھی قائم رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ مولانا ابوالوفا غلام رسول صاحب سعیدی اجاب اللہ سعیدہ کو دارین کی سعادت عطا فرمائے۔ اور مسلک حق اہل سنت کی ترویج و تبلیغ میں توفیق رفیق نصیب فرمائے۔

آمین



معروضات

(طبع اول)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب فاضل بریلوی کے علمی کارنامے یوں تو ان گنت اور بے شمار ہیں۔ لیکن جو خصوصیت آپ کے ترجمہ قرآن کو حاصل ہے۔ وہ اسی کا حصہ ہے۔ یہ ترجمہ تمام معتبر تفاسیر کا خلاصہ ہے۔ آسان اور سادہ عبارت کی صورت میں حقائق و معارف کے خزینے سمو کر رکھ دیئے ہیں۔ قرآن کریم کی آیات پر جو بظاہر اعتراضات ہوتے ہیں۔ ترجمہ کی خوبی سے وہ دور ہو جاتے ہیں۔ اس ترجمہ میں رازی کی موثکافیات ہیں۔ غزالی کا تصوف ہے۔ جامی کی وارفتگی ہے۔ نعمان کا تفسیر ہے۔ آلوسی کی ترفیہ ہے۔ میں نے اعلیٰ حضرت کا زمانہ نہیں پایا۔ لیکن جب میں اعلیٰ حضرت کی تصانیف کو دیکھتا ہوں تو میرے ذہن میں ایک ایسی شبیہ ابھرتی ہے جس کی آنکھوں میں فاروقی جلال، لبوں پر ملکوتی بسم۔ چہرہ ایسا جیسے کھلا ہوا قرآن۔ گفاری میں علی مرتضیٰ کی حلاوت۔ کردار میں ابو ذر کا استغناء۔ نفس میں گرجی عہدیت۔ انداز میں بلال کی تب و تاب۔ الغرض اعلیٰ حضرت کی شخصیت عشاق مصطفیٰ کا ایک جامع عنوان معلوم ہوتی ہے۔

آئیے اب آپ کے سامنے ترجمہ اعلیٰ حضرت کی خصوصیات سے ایک جھلک پیش کریں۔ جسے دیکھ کر قاری بے اختیار کہہ اٹھتا ہے کہ جس طرح اصل منزل من اللہ ہے۔ اسی طرح اس کا ترجمہ ہم من الباری ہے۔ دیکھئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ فان یشاء اللہ ینتہم علی قلبک مبتدعین دیوبند کے حکیم علی الاعلاق اشرف علی تھانوی متوفی ۱۲۶۲ھ اس آیت کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:

”سو خدا اگر چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے“

آپ نے غور فرمایا کہ تھانوی صاحب کے دل پر تو علم و عرفان کے دروازے

کھلے ہوئے ہیں۔ اور نبی علیہ السلام کے دل پر بند لگایا جا رہا ہے۔ خواہ امکان کے مرتبہ میں ہی سہی۔ اس کے مقابل اعلیٰ حضرتؒ، عظیم البرکت، رضی اللہ عنہ۔ اس آیت کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:

”اور اللہ چاہے تو تمہارے اوپر اپنی رحمت اور حفاظت کی مہر فرادے“ جس کی رگوں میں محبت، رسول لہو بن کر موجزن ہو۔ جس کے دل کی ہر قطر کن سینہ پر عشق رسول کی ضرب لگاتی ہو۔ اسے قرآن کریم کی ہر آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف ملتی ہے۔ اور جس کے مقدر میں بعض رسالت کی رسوائیاں ہوں۔ وہ یوں ہی کہا کرتا ہے۔ کبھی علم رسالت کے تقدس کو جانوروں اور پانگلوں کی تشبیہ سے داغدار کرنے کی سعی کرتا ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر شریعت سے غافل ہونے کا افترا باندھتا ہے۔

مبتدعین دیوبند کے یہی حکیم الامت اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:

”دریافت طلب یہ امر ہے۔ کہ اس غیب سے مراد بعض غیب ہے یا کل غیب۔ اگر بعض علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو زید و عمر بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لئے بھی حاصل ہے“ (حفظ الایمان ص ۵)

میں کہتا ہوں کہ کیا یہ بات یوں نہیں کہی جاسکتی تھی کہ اگر علوم غیبیہ مراد ہیں۔ تو اس میں حضور علیہ السلام ہی کی کیا تخصیص ہے۔ ایسا علم غیب تو جبریل و عزرائیل، حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم کے لئے بھی حاصل ہے۔ اگر مقصد تخصیص پر اثناسکاں تھا۔ تو وہ اس طریقہ سے بھی حاصل ہو سکتا تھا۔ لیکن دل میں جو عداوت رسول کا لدا ابل رہا تھا۔ وہ کس طرح پھٹتا۔ خوب یاد رکھئے جس کو کسی سے محبت ہوتی ہے جس کے دل میں کسی کے لئے عزت اور احترام ہوتا ہے وہ ہمیشہ اس کی اعلیٰ اور ارفع اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے اور جو کسی کو حقیر و ذلیل سمجھتا ہے۔ وہ اس کو ازل اور اسفل اشیاء سے تشبیہ دیتا ہے۔

علامہ بیضاوی متوفی ۶۸۵ھ فرماتے ہیں:

والشرط نیه وهو ان یکون
على وفق المثل له من الجهة
التي تعلق بها التمثيل في العظم
الصغير والخشخاش والشرف -
مثال دینے میں شرط یہ ہے کہ وہ مثال عظمت و
حقارت اور ذلت و شرف میں مثل لہ کے
موافق ہو۔
(انوار التنزیل ج ۱ ص ۳۷ طبع مصر)

پس جس کے نزدیک علم رسالت میں عظمت ہے وہ فرماتا ہے:

انا اوحینا الیک کما اوحینا
الی نوح والنبیین من بعدہ -
ہم نے آپ کی طرف ایسی وحی کی ہے جیسے
حضرت نوح اور ان کے بعد والے انبیاء کی
طرف وحی کی تھی۔

یعنی آپ کو بدریغہ وحی ایسا علم عطا فرمایا ہے جیسے بدریغہ وحی انبیاء سابقین کو علم
عطا فرمایا تھا۔ نیز نبی علیہ السلام کے علم کے بارے فرمایا:

علمک ما لو تکن تعلم وکان
فضل اللہ علیک عظیماً -
جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ سب ہم
نے آپ کو بتلادیا اور یہ آپ پر اللہ تعالیٰ کا
فضل عظیم ہے۔

اور جو شخص بعض رسالت میں اندھا ہو چکا ہو۔ وہ علم رسالت کے بارے
میں یوں کہتا ہے:

« ایسا علم غیب تو زید عمرو بلکہ ہر صبی و مجنون بلکہ جمع حیوانات و بہائم

کے لئے بھی حاصل ہے » قالی اللہ المشتکی!

دو جگہ ضلّاً فہدیٰ کے ترجمہ میں کشتی دبو بند کے ناخدا اور مریضان

وہابیت کے حکیم الامت یوں زہر آفرینی کرتے ہیں:

« اللہ تعالیٰ نے آپ کو شریعت سے بے خبر پایا۔ سو آپ کو

شریعت کا راستہ بتلایا۔ »

اللہ اللہ! حضور شریعت سے بے خبر ہیں۔ اور شریعت کے حکیم مطلق آپ

ہیں۔ آپ کو کیا خبر کہ آپ کی اس تلخ نوائی نے کتنے دلوں کو گھائل کیا ہے۔ کتنی روئیں مجروح ہو گئیں۔ عرش پر قدسیوں کا جگر پارہ پارہ ہو گیا۔ فرش والوں کے دل سیلاب ہو گئے۔ ان بے قرار اور زخمی دلوں پر اعلیٰ حسرت نے تسکین کا پھایہ رکھا اور فرمایا:

”تمہیں اپنی محبت میں وارفتہ پایا۔ تو اپنی طرف راہ دی۔“

صدرالافتا مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی تڑپ کر اس کی تفسیر میں یوں گویا ہوئے:

”اور غیب کے اسرار آپ پر کھول دیئے اور علوم ماکان وما یکون عطا کئے۔ اپنی ذات و صفات کی معرفت میں سب سے بلند مرتبہ عطا کیا۔ مفسرین نے ایک معنی اس آیت کے یہ بھی بیان کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسا وارفتہ پایا کہ آپ اپنے نفس اور اپنے مراتب کی بھی خبر نہیں رکھتے تھے۔ تو آپ کی ذات و صفات اور مراتب و درجات کی معرفت عطا فرمائی۔“

مسئلہ: ابدیاء علیہم السلام سب معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے قبل بھی اور نبوت کے بعد بھی اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی صفات کے ہمیشہ سے عارف ہوتے ہیں۔“

اللہ اکبر! نبی علیہ السلام کے عرفان شریعت کا کیا عالم ہوگا۔ جب کہ ان کے خدام کا یہ حال ہے کہ پیدا ہوتے ہی فرماتے ہیں:

اتى عبد الله اتانى الكتاب
جعلنى نبيا وجعلنى مباركا
ابن ما كنت واوصانى بالصلاة
والزكاة مادمت حيا۔

میں اللہ کا بندہ ہوں جس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا اور مجھے نماز اور زکوٰۃ کی تاحیات وصیت فرمائی۔

غور فرمائیے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو پیدائش کے وقت سے عارفِ شریعت ہوں۔ اور جن کے ایک ایک انداز میں لاکھوں عیسوی اطوار ہوں جو تمام انبیاء کے کمالات کے جامع ہیں۔ سید ولد آدم ہیں۔ فہدِ اہم اقتدہ کے مصداقِ اتم ہیں۔ اکرم الاولین والآخرین ہیں۔ وہ شریعت سے غافل اور بے خبر ہوں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کے ضمن میں اعلیٰ حضرت کے ترجمہ اور صدر الافاضل کی تفسیر کی کچھ اور وضاحت کریں تاکہ قارئین کرام کو معلوم ہو جائے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل کے ترجمہ و تفسیر کے امتزاج نے کتنا حسین معنی پیش کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔ اعلیٰ حضرت نے کہا کہ:

”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے رسول اکرم ہم نے آپ کو اپنی محبت

میں وارفتہ پایا“

اور صدر الافاضل کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ محبت، کمال یہ ہے کہ محب محبوب کے جلووں میں اس طرح کھو جائے کہ محبوب کی ذات کے سوا ہر چیز کو فراموش کر دے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی ذات کا بھی احساس نہ رہے۔ اور سارے عالم کو بلکہ خود اپنی ذات کو بھی بھول جائے۔ اور خود فراموشی اور وارفتگی کے عالم میں سوا ذات محبوب کے اور کوئی شے پیش نظر نہ ہو۔ اور نبی کریم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ سے کامل محبت تھی اور حسن الوہیت کے جمال میں آپ ایسے محو تھے کہ آپ کو اپنی ذات کا بھی احساس نہ تھا۔ بھلا کائنات کی طرف کیا توجہ ہوتی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ہم بیکسوں پر کرم فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ذات اور ہماری طرف متوجہ کیا تاکہ خلق کو گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر ہدایت کی روشنیوں کے حوالے کریں۔ بے سہارا کا سہارا بنیں۔ گم کردہ راہ لوگوں کو ہدایت کا مینار بنائیں۔ تحت الثریٰ میں گرنے والوں کو پستی سے نکال کر اوج ثریا تک پہنچادیں۔

اعلیٰ حضرت اور صدر الافاضل رحمہما اللہ کے ترجمہ و تفسیر کا یہ ایک نمونہ آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔ ورنہ قرآن کریم کی ہر سطر میں انہوں نے نعت رسالت

کے گلدستے سجادیتے ہیں۔ رسول اللہ کا سچا شیدائی اور آپ کا صادق اُمتی جب اس ترجمہ و تفسیر کو پڑھتا ہے تو نعت رسالت کی شمیم سے دماغ مہک اُٹھتا ہے۔ پیمانہ دل محبت رسالت سے لبریز ہو جاتا ہے۔ روح جھوم جاتی ہے۔ اور رگ و پے میں عشق رسول خون بن کر دوڑنے لگتا ہے۔ لیکن جو لوگ سرتاپا دار ابن ابی کالمونہ ہیں۔ جو علم اس لئے پڑھتے ہیں کہ انہیں حضور کی بے علمی کا علم ہو جائے۔ جن کی تمام تبلیغی کاوشوں کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو فلاں فلاں چیز کا علم نہ تھا۔ حضور نور نہیں حضور کسی کے کام نہیں آسکتے۔ جن کا ایمان یہ ہے کہ ابلیس کے لئے روئے زمین کا علم نص قطعی سے ثابت ہے۔ اور حضور کے لئے اس علم کو ثابت کرنا شرک سے کم نہیں جو علم رسالت کو جانوروں اور پانگلوں کے ادراک کی مثل گردانتے ہیں۔ یہ ترجمہ و تفسیر نہ ان کی طبیعت کے موافق تھا نہ ان کے مزاج کے۔ چنانچہ وہ لوگ اس ترجمہ سے نعت رسول سے کل بھی برہم تھے۔ آج بھی برہم ہیں۔ جوں جوں اس کی اشاعت ہوتی رہی ان کے خرمین ایمان پر۔ بجلیاں گرتی رہیں۔ بالآخر جب تاج کپنی نے اس ترجمہ و تفسیر کو شاندار اور وسیع پیمانہ پر طبع کیا۔ تو معاندین رسالت کا پیمانہ صبر چھلک اُٹھا۔ چنانچہ پہلے تو معاندین نبوت نے تاج کپنی کے عملہ میں شامل ہو کر ترجمہ و تفسیر میں تحریف کی۔ عبارتیں بدلیں۔ مفہوم بدلے۔ بتوں کی جگہ مقربین الوہیت کے نام لکھ دیئے اور اسرائیلی ذہنوں کے جگہ جگہ مظاہرے کئے۔ اس پر بھی تسکین نہ ہو سکی۔ تو سرفراز صاحب لکھڑی نے تنقید متین نام کی ایک کتاب تصنیف کی۔ جس میں علحضرت اور صدر الافاضل پر جگہ جگہ اخلاق سوز پھبتیاں کیں اور خیانت اور تحریف کا ایک طویل جال بچھا دیا۔

مئی ۱۹۶۸ء میں پہلی مرتبہ میرے سامنے یہ کتاب آئی۔ جس میں خاص طور پر صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر

تفسیر خزائن العرفان کو ہدفِ طعن بنایا ہے۔ ان کی عبارات کے صاف اور صریح مطالب سے دیدہ و نستہ اعراض کر کے انہیں بدعت کا لباس پہنایا ہے۔ پھر شدید افسوس اس بات پر ہے کہ قرآن کی آیات اور احادیثِ طیبہ سے جو مطلب اخذ کر کے اس تحریف پر بطور استدلال پیش کیا ہے۔ وہ خود تحریفِ بالائے تحریف ہے۔ خروج اور اعتزال کے مدفون مردوں کے اجیاد کی ایک مذموم کوشش ہے۔ تنقیدِ متین کے تقریباً ہر صفحہ پر مغالطہ عامۃ الورد و دلہریں لے رہا ہے۔ پھر اس مغالطہ آفرینی پر جگہ جگہ تعنی اور مبارزت کا اظہار کیا گیا ہے اور انداز ایسا ہی ہے جو کسی شریف اور متین مصنف کو زیب نہیں دیتا۔ کہیں عیض و غضب میں آکر سب و شتم کو اپنایا۔ اور کہیں بے بسی سے عورتوں کی طرح کوسنا شروع کر دیا۔ جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کے علمی تبحر اور اسلامی خدمات کے پیش نظر کوئی بھی مصنف مزاج اس کتاب کو پڑھنے کے بعد اپنے صبر و سکون کو قائم نہیں رہ سکتا۔ جس طریقہ سے اس کتاب میں حضرت صدر الافاضل پر تبرا کیا گیا ہے وہ ہر اسلامی ذہن کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہے۔ اور راقم الحروف چونکہ صدر الافاضل کے مسلک سے وابستہ ہے۔ اور نعیمی سلسلہ سے متفیض ہے۔ لہذا اس سلسلہ کے ایک ادنیٰ خادم ہونے کی حیثیت سے میری بھی ذمہ داری تھی کہ میں اس کتاب کے جواب میں قلم اٹھاؤں۔ چنانچہ میں نے حضرت الافاضل کی معنوی امداد سے اس کتاب کا جواب شروع کیا۔ اور انہیں کی روحانی اعانت سے یہ کتاب پایہ تکمیل تک پہنچی۔

تکمیل کے بعد میں نے چاہا کہ اس کتاب کو حضرت سیدی و سندی اتنا ذی المعظم مولانا الحاج عطا محمد صاحب متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہم الی یوم القیامتہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ اور آپ کو سنا کر اس پر تائید و توثیق حاصل کی جائے۔ چنانچہ میں اس کتاب کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے میری درخواست

پر پوری توجہ اور کمال غور و خوض کے ساتھ اس کو سنا اور اپنے مشوروں سے بھی ممنون فرمایا۔

نقیب ملت مفتی پاکستان حضرت استاذی المکرم حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی مدظلہ العالی درس افتاد اور ملی و جماعتی سرگرمیوں میں بے حد مصروف رہتے ہیں اور ان سے کسی کام کے لئے وقت حاصل کرنا بڑی بھان جو کھوں کا کام ہے۔ اس کے باوجود میری خواہش تھی کہ اگر وہ بھی اس کتاب کو سن لیں تو اس کو مزید استحکام حاصل ہو جائے گا۔ بہر حال حضرت نے میری درخواست کو شرف قبول بخشا اور مجھ سے اس کتاب کے سننے کا وعدہ فرمایا۔ اور بے حساب مشغولیات کے باوجود حضرت نے اس کتاب کو مکمل طور پر سنا اور اپنے گراں بہا مشوروں سے بھی مستفیض فرمایا۔

کچھ اس کتاب کے بارے میں

مصنف تنقید متین نے شواہد پیش کرتے وقت بعض ایسے حوالے اور عبارتیں پیش کی ہیں جن کا محل نزاع سے کوئی تعلق نہیں۔ اور ان عبارتوں کو پیش کر کے مصنف نے مغالطہ آفرینی سے انہیں محل نزاع بنانے کی مذموم سعی کی ہے۔ مثلاً حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمہ اللہ کا ایک حوالہ پیش کیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کو اس بات کا اختیار نہیں کہ جو چاہیں کر ڈالیں۔ حالانکہ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اپنے ہر چاہے ہوئے کو کہ لینا قدرت ذاتیہ سے ہی متصور ہے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کسی وصف کو ذاتی اور مستقل نہیں مانتے۔ اس کی پوری بحث علم غیب اور کائنات میں تصرف کے باب میں آرہی ہے۔ اسی طرح انہوں نے متعدد علماء کے حوالے اس باب میں پیش کئے ہیں کہ حضور علیہ السلام میں بشریت متحقق ہے۔ حالانکہ گفتگو اس میں نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں بشریت

متحقق ہے یا نہیں۔ بلکہ اختلاف اس بات میں ہے کہ کیا حضور ہم جیسے بشر ہیں۔ جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے سمجھا ہے اور اس بنیاد پر وہ آپ کی تنقیص میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کرتے یا آپ کی بشریت کدورتوں اور کثافتوں سے منترہ اور اوصاف و کمالات کے لحاظ سے متمتع النظیر ہے۔ جیسا کہ علماء اہل سنت کا مسلک ہے۔ اس کی پوری تفصیل و تحقیق نو رو بشر کے باب میں آرہی ہے۔ ہم نے اس قسم کی عبارتوں پر کہیں تنبیہ کی ہے اور کہیں طوالت کی وجہ سے انہیں نظر انداز کر دیا ہے۔

ثانیاً جن عبارتوں کو مصنف تنقید متین نے محل نزاع میں استشہاداً پیش کیا ہے۔ ان میں سرفراز صاحب کی غلط فہمی دُور کر دی گئی ہے۔ اور ان عبارتوں کا صحیح محل بیان کر دیا گیا ہے۔

ثالثاً سرفراز صاحب کے مفروضات اور خانہ ساز قواعد اور دلائل سے رد کر دیا گیا ہے۔

رابعاً اس کتاب میں تنقید متین کے مکمل اور بالاستیعاب رد کے علاوہ سرفراز صاحب کی راہ سنت اور باب جنت کی اہم بحثوں کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ خاصاً اہل دیوبند کے جغوری قسم کے علماء کی بعض تصانیف کی غلطیوں اور غلط کاریوں کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ یعنی یہ صرف تنقید متین کا رد ہی نہیں بلکہ مبتدعین دیوبند کے چھوٹے بڑوں کی بہت سی کتابوں کی ایک جامع تردید ہے اس لئے اس کتاب کا جواب لکھنے والے کو یہ خیال رکھنا پڑے گا کہ وہ ان تمام باتوں کا جواب دے گا۔ جنہیں توضیح البیان میں پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ جن کتابوں پر اعتراضات کا جواب نہ دیا گیا۔ ہم سمجھیں گے کہ مبتدعین دیوبند یا تو ان سے بیزار ہیں۔ یا ان کے جواب سے عاجز ہیں۔

سرفراز صاحب نے راہ سنت اور تنقید متین میں جواب کا یہ طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ کہیں مسئلہ ذکر کر کے اس کا انکار کر دیا۔ لیکن اس کے ثبوت کی

دلیل کو نقل تک نہ کیا۔ حالانکہ وہ بھی وہاں مرقوم تھی اور کہیں مسئلہ کے ساتھ استشہادِ حوالہ بھی ذکر کر دیا۔ لیکن اعتراض صرف مسئلہ پر کیا۔ حوالہ پر کوئی گفتگو نہیں کی۔ چنانچہ اس کی ایک نظیر ہم کائنات میں تصرف کے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ یہ تحقیق و دیانت کی دنیا میں انتہائی مذموم اور انسانیّت سے گرا ہوا طریقہ ہے۔ ہم نے اس کتاب میں سرفراز صاحب کی دلیل اور ان کے پیش کردہ حوالوں کو کہیں اجمالاً اور کہیں تفصیلاً پوری دیانت سے پیش کیا ہے۔ اور تمام ابحاث میں سرفراز صاحب کے متعالطوں کا ازالہ کر کے ان کے پیش کردہ حوالوں کا صحیح مقام بتلا دیا ہے۔ اس لئے اس کتاب کا جواب دینے والے کو اس بات کا بھی ذمہ لینا ہوگا کہ وہ ہمارے پیش کردہ تمام حوالوں کا محل بیان کرے۔ اور مفید عین دیوبند کی جن عبارتوں سے استشہاد کیا گیا ہے، ان کا جواب دے اور مزعومات دیوبند پر ہم نے جس قدر سوالات قائم کئے ہیں۔ ان کے جوابات کے ذمہ سے عہدہ برآ ہو۔

سرفراز صاحب تنقید متین کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

”یا ایہا النبی کے یہ معنی ہیں، اے نعیم بتانے والے نبی، خان صاحب یہ معنی کر کے یہ باور کرانے کے درپے ہیں۔ کہ نبی کہتے ہی اسے ہیں جو غیب بتائے۔ اور بتانا فرع ہے جاننے کی۔ تو مطلب یہ ہوا کہ نبی غیب جانتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پا کر احکام خداوندی بتاتے ہیں۔ اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں۔ لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خان صاحب ہیں اس کا علم اور اس کا بتانا کسی طرح نبی کے معنی، مفہوم اور ان کے منصب میں داخل نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک بتن حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی اور سورۃ قلم کی ابتدائی پانچ آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جاننے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو مابقی یا آئندہ

کے متعلق ہوں اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں مرحمت نہیں ہوئیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ سخا صاحب کے اس ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (تنقید متین ص ۲۳)

سرفراز صاحب کی یہ تمام ناراضگی محض اس لئے ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے اور چونکہ دیوبند کے اس دشمن رسول کو نبی علیہ السلام کا غیب جاننا کسی طور پر تسلیم نہیں۔ اس لئے اس نے اس نفیس ترجمہ پر کئی وجوہ سے حملہ کر کے اپنے دل کا بخار نکالا ہے۔ اور ہم بھی بعون اللہ العزیز قارئین پر واضح کئے دیتے ہیں کہ اس کے یہ تمام حملے خود اس کی ذات کو گھائل کر رہے ہیں۔ کیونکہ عزت و ناموس رسالت پر دھبہ لگانے کا جو شخص ارادہ کرتا ہے۔ ابدی رو سیاہیاں اس کی تقدیر مبرم بن جاتی ہیں۔ پس گذارش ہے کہ اعلیٰ حضرت نے لفظ نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ اور بتانا فرع ہے۔ جاننے کی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ لفظ نبی کے معنی میں غیب جاننے کا مفہوم داخل ہے یا نہیں پس اولاً ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ قاضی عیاض متوفی ۵۴۴ھ نبی کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمعنى ان الله تعالى اطلع على	نبی اسے کہتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ غیب
غيبه واعلمه انه نبيه فيكون	پر مطلع کر دے اور اسے یہ بتلا دے کہ
نبى منبئاً فعيل بمعنى مفعول او	وہ نبی ہے اور وہ اس وقت نبی فعیل بمعنی
يكون مخبراً عما بعثه الله تعالى	مفعول کے ہو گا یا نبی کا معنی ہے جو ان
به ومنبأ بما اطلع عليه	(امور غیبیہ) کی خبر دے۔ جنہیں اللہ تعالیٰ
ففعيل -	نے اسے دے کر بھیجا ہے اور اس وقت
	فعیل بمعنی فاعل ہو گا۔

قاضی عیاض کی عبارت سے ثابت ہوا کہ نبیؐ کا معنی غیب جاننا بھی ہے اور
غیب بتلانا بھی۔ اگر بمعنی مفعول ہو تو غیب جاننا معنی ہے۔ اور اگر بمعنی فاعل ہو تو
غیب بتلانا اس کا معنی ہے۔ نیز قاضی عیاض رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

النبوة التي هي الاطلاع على الغيب نبوت غيب پر مطلع ہونے کا نام ہے۔

(شفاء جلد ۱ ص ۱۶۱)

ثانیا علامہ شیخ قاسم..... متوفی ۸۷۹ھ نبی کے معنی بیان کرتے ہوئے
فرماتے ہیں:

فعل بمعنى مفعول لان الله تعالى
نبأه بوحیه اسرار غیبہ۔
لفظ نبی فعل بمعنى مفعول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ
نے آپ کو وحی سے اسرار غیبیہ کی خبریں دی ہیں

(شرح مسائره مع السامره ص ۲۱۰)

ثالثا اس علماء دیوبند نے مل کر المنجد کا ترجمہ کیا اور اسے ترتیب دی اور اس
میں نبی اور نبوت کا معنی بیان کرتے ہوئے ذکر کیا ہے:

«النبوة والنبوة - خدا تعالیٰ کی طرف سے الہام پاکر غیب کی بات
بنانا۔ النبى والنبي - اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی بنا پر غیب کی باتیں
بتانے والا (لغات المنجد عربی اردو ص ۱۲۲۲)

سرفراز صاحب۔ ملاحظہ کیا آپ نے۔ یہ دیوبند کی فیل پنخ کا متفقہ فیصلہ ہے
کہ نبی غیب بتانے والے کو کہتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے نبی کا یہ معنی کیا تو آپ
سرخ پا ہو گئے۔ اب اپنے ان جنادری مولویوں کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا۔

رابعاً زیر بحث عبارت میں آپ نے لکھا ہے کہ:

«یہ ٹھیک ہے کہ نبی اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر احکام خداوندی بتاتے

ہیں اور غیب کی خبریں بھی بتاتے ہیں»

دیکھئے اس عبارت میں آپ نے نبی علیہ السلام کے لئے عطائی علم غیب مان

لیا۔ حالانکہ تنقید متین میں آپ نے لکھا ہے:

”خان صاحب کا یہ بے بنیاد دعوے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی طور پر نہیں عطائی طور پر علم غیب حاصل تھا“

(تنقید متین ص ۱۹۳)

اب بتلائیے۔ آپ کے کلام اور ایک مجنون کی بڑ میں کیا فرق رہ گیا۔ آپ جس شخصے کو ایک جگہ بے بنیاد اور شرک قرار دیتے ہیں۔ دوسری جگہ اسی کا اقرار و اعتراف کرتے ہیں۔

خامسا۔ اس عبارت کے ضمن میں آپ نے تحریر کیا ہے۔
”لیکن جس مطلق اور کلی غیب کے اثبات کے درپے خالصاً
ہیں اس کا علم اور بتانا کسی طرح نبی کے معنے و مفہوم اور ان کے منصب
میں داخل نہیں ہے“

اعلیٰ حضرت کے جس ترجمہ پر آپ تبصرہ کر رہے ہیں۔ اس میں اعلیٰ حضرت نے فرمایا ہے۔ ”یا ایہا النبی اے غیب بتانے والے نبی“ بتلائیے سرفراز صاحب اعلیٰ حضرت نے یہاں کونسا لفظ ذکر کیا ہے۔ جس کا مطلب آپ نے کلی غیب لیا ہے۔ جب اعلیٰ حضرت نے کلی غیب کا ذکر نہیں کیا۔ تو پھر کلی غیب پر عنایت و غضب اور اعلیٰ حضرت کے صاف اور صحیح ترجمہ پر آپ کی اس تمام آئیں بائیں کا کیا جواز رہ گیا۔ سرفراز صاحب آپ اپنے فرقہ میں عالم دین سمجھے جاتے ہیں اس طرح سفید جھوٹ نہ بولا کیجئے۔ یہ علماء کا شیوہ نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں غیب کے ساتھ کلی کا پیوند لگا کر آپ نے جس اسرائیلی ذہن کا مظاہرہ کیا ہے۔ وہ ایک شرمناک حرکت ہے جو سنجیدہ اور متین علماء کو قطعاً زیب نہیں دیتی ہے۔

سادسا اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے یہاں غیب کلی کا اگرچہ ذکر نہیں کیا۔ لیکن ان کا عقیدہ یہ ہے کہ نبی اس کو کہتے ہیں جو کلی غیب جانتا ہو۔ اس لئے یہ عبارت بھی اسی پر محمول ہے۔ تو جواب یہ ہے کہ عقیدہ یہ ہے کہ عقیدہ

تو امورِ غیبیہ سے ہے۔ جب آپ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی علمِ غیب منتفی ہے۔ تو آپ پر یہ غیب کیسے منکشف ہو گیا۔

سابقاً اگر مطلب یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کی تحریر سے یہ عقیدہ ثابت ہے تو چشم مارو شن دل ماشاد۔ اعلیٰ حضرت کی وہ نص پیش کیجئے۔ جس سے یہ ثابت ہو کہ نبی وہ ہوتا ہے جو کلی غیب کو جانے۔ میں آپ کو تمام مبتدعین دیوبند سمیت چیلنج کرتا ہوں کہ اعلیٰ حضرت کی کسی عبارت سے یہ عقیدہ ثابت کریں۔ اور اگر نہ ثابت کر سکے اور انشاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیں گے تو اپنے اس جھوٹ اور افتراء سے رجوع کر لیں۔

ثامنا۔ ہم یہ پوچھتے ہیں۔ کہ کلی سے مراد کیا ہے۔ جمع معلومات الہیہ یا جمع ماکان و مایکون پہلی صورت میں یہ اعلیٰ حضرت پر قطعاً افتراء ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جمع معلومات الہیہ ثابت کریں۔ اعلیٰ حضرت نے تصریح فرمائی ہے کہ حضور کے علم کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر کے ساتھ ہوتی ہے۔ دیکھئے الملقوظ (ج ۱ ص ۲۶)

اگر جمع ماکان و مایکون مراد ہے تو اس کا حصول تدریجی طور پر نبی علیہ السلام کے لئے دلائل قاہرہ سے ثابت ہے۔ لیکن اس سے یہ کیسے لازم آ گیا کہ نبی کے مفہوم میں کلی غیب کا جاننا داخل ہے۔ اس کی پوری بحث اس کتاب کے باب علم غیب میں آ رہی ہے۔

تاسعاً۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے کہا ہے کہ حضور کے لئے مطلق غیب نہ ثابت ہے نہ منصب نبوت کے لائق ہے۔ کاش آپ نے شرح تہذیب ہی کسی بریلی کے طالب علم سے پڑھی ہوتی۔ تو وہ آپ کو سمجھا دیتا کہ مطلق الشیء بتحقیق بتحقق فرداً سرفراز صاحب مطلق غیب کا ثبوت تو غیب کے ایک فرد کے ثبوت سے بھی ثابت ہو جائے گا۔ یاد دیوبند کے عشاق رسول کے نزدیک رسول اللہ کے لئے علم غیب کا ایک فرد بھی ثابت نہیں۔

عاشراً۔ یہ چند سطریں پہلے آپ نے کہا کہ یہ ٹھیک ہے کہ نبی غیب کی خبریں بتاتے ہیں۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ مطلق غیب نبی کے لئے ثابت نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مطلق غیب بعض امور غیبیہ کے منافی ہے۔ اگر آپ کو مطلق غیب اور بعض امور غیبیہ کے مطلب کی سمجھ نہیں تو کسی سے سمجھ کر تصنیف شروع کی ہوتی۔ اگر سمجھ تھی تو پھر کیا نشہ میں ڈوب کر لکھ رہے تھے۔ جو چند سطروں میں بھی لہنی عبارت کا توازن قائم نہ رکھ سکے۔ عادی عشر اس بحث کے اخیر میں سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غار حرا میں نبوت عطا ہوئی تھی۔ اور سورۃ قلم کی پانچ ابتدائی آیتیں ہی اس وقت آپ پر نازل ہوئیں تھیں۔ کلی غیب کا تو قصہ ہی جانے دیجئے۔ غیب کی کچھ خبریں بھی جو سابق یا آئندہ کے متعلق ہوں۔ اس موقع پر کسی صحیح دلیل سے ثابت نہیں۔ کہ آپ کو بتائی گئی ہوں۔ مگر نبی آپ اُس وقت بھی تھے۔ تو کیا معاذ اللہ جس وقت تک آپ کو غیب کی خبریں نہیں ہوئی تھیں۔ اس وقت تک کے لئے آپ نبی نہ تھے۔ خان صاحب کے ترجمہ سے تو معاذ اللہ ایسا ہی ثابت ہوتا ہے“

اس طویل عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ اعلیٰ حضرت نے نبی کا معنی غیب بتانے والا کیا ہے۔ جو فرع ہے غیب جاننے کی۔ اور ابتدائی دور میں جب آپ پر سورۃ قلم کی صرف پانچ آیتیں نازل ہوئی تھیں۔ اس وقت تک آپ کو غیب کا علم نہ تھا۔ پس لازم آیا کہ آپ معاذ اللہ نبی بھی نہ ہوں۔ کیونکہ نبی غیب جاننے والے کو کہتے ہیں۔

سرفراز صاحب کا یہ اعتراض انتہائی خام اور طفلانہ ذہنیت کا حامل ہے۔ سنئے سرفراز صاحب۔ اس وقت بھی نبی علیہ السلام کو بے شمار علوم غیبیہ کا علم تھا۔

ازاں جملہ یہ ہے۔

۱۔ وحی قرآن کو جبرائیل لے کر آئے ثابت ہوا کہ حضور کو جبرائیل کا علم تھا اور جبرائیل علیہ السلام عالم غیب سے ہیں۔

۲۔ حضور کو وحی الہی کا علم تھا۔ اور وحی عالم غیب سے ہے۔

۳۔ حضور کو ذات حق کا علم تھا۔ اور ذات حق نجیب الغیوب ہے۔

۴۔ اقرأ باسم ربك سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا علم ثابت ہوا اور صفت ربوبیت عالم غیب سے ہے۔

۵۔ الذی خلق سے صفت خالقیت کا علم ثابت ہوا۔ اور یہ عالم الغیب سے ہے۔

۶۔ علواً لسان ما لو بعدو میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ بتلایا کہ حضرت آدم کو جمیع اسماء کا علم عطا فرمایا اور اس کا غیب ہونا واضح ہے۔ دیکھیے تفسیر خازن ص ۳۶۳ ج ۴ ایضاً تفسیر ابن کثیر ص ۵۲۸ ج ۴۔

اور اس کی تفسیر میں مفسرین نے یہ بھی ذکر فرمایا ہے کہ الانسان سے مراد حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ یعنی پہلی وحی کے موقع پر ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ بتلادیا۔ جس کو آپ نہیں جانتے تھے۔ اور یہ سرفراز صاحب اور جمیع ذریت دیوبند پر بھاری عذاب ہے۔ (خازن ص ۳۹۳ ج ۴)

اور علامہ آلوسی اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں والاشعار بانہ تعالیٰ یعلمہ علیہ الصلوٰۃ

والسلام من العلوم ما لا یحیط بہ العقول اللہ تعالیٰ اس آیت سے یہ بتلارہا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر علم دے گا جس کا انسانی عقولیں احاطہ بھی نہیں کر سکتیں۔

(روح المعانی ص ۱۸۰ ج ۳)

ثانی عشر اس بحث میں سرفراز صاحب نے لکھا ہے کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماضی اور مستقبل سے متعلق غیب کی خبریں نہیں دیں۔ سوال یہ ہے کہ اس تصدیق کی کیا ضرورت ہے۔ اگر اعلیٰ حضرت نے اس طرح فرمایا ہوتا

کہ نبی وہ ہوتا ہے جو آئندہ یا گزرے ہوئے زمانے کی خبریں دے۔ تب تو اس تعقید کا کوئی منشا ہوتا۔ لیکن اعلیٰ حضرت نے تو فرمایا ہے کہ نبی غیب والے کو کہتے ہیں۔ پس اعلیٰ حضرت نے نبوت کے مفہوم میں مطلق غیب بنا جانے کا ذکر کیا ہے۔ لہذا اس کا رد جب ہو گا۔ جب آپ یہ ثابت کر دیں کہ پہلی وحی کے موقع پر حضور کو مطلقاً غیب کا علم نہ تھا۔ اور ہم سطور بالا میں ذکر کر چکے ہیں کہ حضور کے لئے اس موقع پر غیب کا علم ثابت تھا بلکہ ماضی اور مستقبل کا غیب بھی حاصل تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات ماضی مستقبل اور حال تینوں زمانوں کو شامل بلکہ اس سے ماوراء ہے۔ علاوہ انہیں اس بحث میں امام غزالی کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمائیے التبی عبارت عن شخص کو شف بحقائق الامور نبی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر تمام حقائق امور منکشف کر دیئے جائیں۔

(احیاء العلوم ص ۳۲ ج ۳)

بیاتھا التبی کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی اور عناد نبوت سے جو اعتراض کیا تھا۔ بحمد اللہ عزیز بارہ وجود سے ہم نے اس کا حساب بلیاق کر دیا۔ اس کے علاوہ مصنف تنقید متین نے پیش لفظ میں اور بھی کچھ اعتراضات پیش کئے ہیں۔ لیکن ان کا ذکر چونکہ خود اصل کتاب میں آ گیا ہے۔ اس لئے ہم نے یہاں ان سے تعرض نہیں کیا۔ لہذا ان کے جوابات کے لئے قارئین ”توضیح البیان“ کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ کریں۔ وہاں تفصیل سے سرفراز صاحب کے بنائے ہوئے تار عنکیوت کے ایک ایک تار کو توڑ دیا گیا گیا ہے۔

انہیں میں ہم خدا سے تم یزل کا شکر ادا کرتے ہیں۔ کہ جس نے ہمیں اپنے دین متین کی اس خدمت کے لئے جن لیا۔ اسے بار اللہ ہمارا رواں رواں گناہوں سے جکڑا ہوا ہے۔ ہمارے شب و روز پر مسلسل معصیت کی دھند چھائی رہتی ہے۔ ہماری اہلیت کسی انعام کی مقتضی نہ تھی۔ لیکن تو نے اپنے

۱۱
بے پایاں فضل سے ہمیں حظ وافر عطا کیا کہ ناموس الوہیت کی طرف بڑھنے والے
ہاتھوں اور بارگاہ نبوت میں گستاخ زبانوں کو قلم کرنے کے لئے ہمیں منتخب فرما
لیا۔ ہمیں حضرت حسان کے علاموں کی صف میں جگہ دی اور حمد باری اور نعت
رسول میں ہمیں محو کر دیا۔

وَالْخَيْرُ كَيْفَ عَوَّانًا إِنَّ الْبِحْبَاءَ لِلَّهِ سَائِلُ الْعَالَمِينَ

علام رسول سعیدی غفرلہ



معروضہ طبع ثانی

۱۹۶۹ء میں سرفراز صاحب کی تنقید متین کے جواب میں تو ضیح البیان کا پہلا ایڈیشن شائع ہوا۔ اب ۱۹۷۹ء گزر رہا ہے دس سال کے اس طویل عرصہ میں سرفراز صاحب کی طرف سے مکمل سکوت رہا۔ کئی بار ان کو اس کے جواب کی طرف متوجہ کیا گیا۔ لیکن ان کی خاموشی میں کوئی فرق نہ آیا۔ چونکہ سرفراز صاحب کی عادت یہ تھی کہ جس نے بھی ان کے خلاف قلم اٹھایا انہوں نے فوراً جواب میں کوئی کتاب لکھ کر پیش کر دی۔ اس لئے میرا خیال تھا کہ سرفراز صاحب اس کے جواب میں اگر کچھ لکھ سکتے ہیں تو لکھ دیں تاکہ دوسرے ایڈیشن میں ان کے شبہات کا جواب دے دیا جائے۔ بہر حال اب کافی انتظار کا عرصہ گزارنے کے بعد اس کا دوسرا ایڈیشن پیش کیا جا رہا ہے۔

مخدوم و محترم علامہ عبدالحکیم صاحب شرف کی بہت عرصہ سے فرمائش تھی کہ میں تو ضیح البیان پر نظر ثانی کروں اور اس میں ضروری ترمیم و اضافہ کے بعد ان کو طبع ثانی کے لئے پیش کروں۔ لیکن مختلف عوارض کی وجہ سے میں یہ امر مؤخر کرتا رہا تا آنکہ اس سال میں نے اس کام کی طرف توجہ کی اور اس میں کچھ ترمیم اور اضافہ کر دیا۔

اس کتاب کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ اس کی زبان بہت مشکل ہے اور علمی اصطلاحات اور عربی الفاظ کا بکثرت استعمال ہے۔ اس سبب سے یہ کتاب علماء کے حلقہ میں تو بہت مقبول ہوئی۔ لیکن عوام کی اکثریت اس کتاب سے استفادہ کرنے سے قاصر رہی۔ میں نے اس مرتبہ کافی محنت کر کے یہ تسکانت ڈور کر دی ہے۔ اور اس کی زبان و بیان کو بہت آسان کر دیا ہے امید ہے کہ اب عوام اس کتاب سے باسانی استفادہ کر سکیں گے۔

نیز میں اسے کرم بالائے کرم سمجھتا ہوں کہ اب یہ کتاب اہل سنت و جماعت کے ممتاز اثناعشری ادارے (حامد اینڈ کمپنی لاہور) کی طرف سے بڑے بڑے شکوہ اور دلکش انداز میں شائع ہو رہی ہے۔ حامد اینڈ کمپنی لاہور نے نہایت ہی مختصر مدت میں علامہ اہلسنت کی گرانقدر تصانیف کو شائع کر کے اپنا مقام بنا لیا ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے ملفوظات اور حیاۃ الموات (روحوں کی دنیا) کے علاوہ سنی ہستی زیورہ سیرت رسول عربیؐ مذکرۃ المحشین وغیرہ ایسی علمی کتب مارکیٹ میں لانا اس کمپنی کا عظیم کارنامہ ہے۔ میں حامد اینڈ کمپنی کے جواں بہمت ناظم کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتا ہوں جن کی کاوش سے اہل سنت و جماعت کو نہایت اعلیٰ اور با مقصد لٹریچر حاصل ہو رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ ناظم مکتبہ قادریہ لاہور، سید حامد لطیف، صاحب زید مجدہ اور ان کے معاونین کے تبلیغی جذبہ میں مزید اضافہ فرمائے۔ اور ان کی خدمات کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔ نیز اس کتاب کو بھٹکے ہوئے لوگوں کی ہدایت اور اس گنہگار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کا حصول اور مغفرت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

علامہ رسول سعیدی غفرلہ

امین بجاہ سید المرسلین

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین

۲۱/۹۹ — ۲۲/۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

استعانت

حضرت صدر الافاضل مولانا سید نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ نے قرآن کریم کی آیت کریمہ ایتاک نعیدوا یتاک نستعین کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔

ایتاک نستعین۔ میں یہ تعلیم فرمائی کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ۔ ہر طرح اللہ کے ساتھ خاص ہے۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات خدام و اجباب وغیرہ سب عون الہی کے مظہر ہیں۔ بندے کو چاہیے کہ اس پر نظر رکھے۔ اور ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیا و انبیاء سے مدد چاہنا شرک ہے۔ عقیدہ باطلہ ہے۔ کیونکہ مقربان حق کی امداد الہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ اگر اس آیت کے وہ معنی ہوتے جو وہابیہ نے سمجھے۔ تو قرآن پاک میں اعینتونی بقوۃ اور استعینوا بالصبر والصلوۃ کیوں وارد ہوتا۔ اور احادیث میں اہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

اس تفسیر پر سرفراز صاحب نے یہ ثنائیہ تبصرہ کیا:

”کہ جناب مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ بالا کی تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی جان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے، وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے۔“

معمولی گرامر سے واقف اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی یہ جانتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں نستعین کا مفعول و معمول ایاک ضمیر منفصل کی صورت میں محض اس لئے

مقدم کیا گیا ہے کہ حصر کا فائدہ دے۔ اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی کے ساتھ مختص ہو جائے۔ اور ابتدائی جملوں میں خود مولوی صاحب نے اس کا کافی حد تک اقرار بھی کیا ہے۔ لیکن جب سمجھے کہ اس اقرار سے تو بریلویت و بدعت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ایک بڑے عقیدہ پر ضرب کاری لگتی ہے۔ اور وہابیوں کو اس سے بڑی تقویت حاصل ہوتی ہے تو پینتر ابدل کر یہ لکھا کہ اس سے یہ سمجھنا کہ اولیاء اور انبیاء سے مدد مانگنا شرک ہے، عقیدہ باطلہ ہے۔ اور اس طرح تخریف کا چور دروازہ اپنے لئے کھول لیا ہے۔ اس لئے ہم بھی اس پر قدرے وضاحت سے کلام کرتے ہیں کہ مولوی صاحب نے آیت مذکورہ کی تفسیر میں جو کچھ لکھا ہے وہ کئی وجوہ سے مردود اور باطل ہے۔ اولاً بزم خود جو تفسیر اور احتمال آیا کہ نستعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ وہ آیا کہ نعبد میں جسی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا نماز روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ بیان کرتا ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ادا کر رہا ہوں۔ ہاں مگر ان حضرات کو صرف تقرب الہی کا مظہر سمجھتا ہوں تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نادرست ٹھہری؟ اور کس دلیل سے! اور اگر یہ غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا! اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرا۔

ثانیاً استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو اس کو ماتحت الاسباب میں ظاہری استعانت کہا جاتا ہے اور اس کے جواز میں کوئی کلام نہیں۔ (تنقید متین ص ۲۸)

اختصاص استعانت کا مدار | مفسرین کرام نے اس آیت کریمہ کی جو تفسیر ارتقام فرمائی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔

کہ ہر باب میں استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی مختص ہے۔ خواہ مافوق الاسباب
امور میں استعانت ہو یا ماتحت الاسباب امور میں تفسیر مدارک التفسیر میں اس
آیت کے تحت ہے:

واطلقت الاستعانة للتناول كل مستعان فيه -
استعانت کو مطلقاً ذکر کرنے میں یہ حکمت
ہے کہ ہر مستعان کو شامل ہو۔

تفسیر نوازن میں ہے:

ای منك نطلب المعونة علی عبادتك وعلی جمیع امودنا۔
تیری عبادت اور باقی امور کی انجام دہی پر
تجہ سے ہی طاقت طلب کرتے ہیں۔

تفسیر جمل میں ہے:

دعموم المهمة استفاد عن حذف مفعول نستعين -
حذف مفعول سے استعانت کے تمام امور
کو شامل ہونے کا فائدہ حاصل ہوا۔

غور فرمائیے مفسرین کرام تو ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص
فرما رہے ہیں۔ اور سرفراز صاحب نے صرف مافوق الاسباب امور میں استعانت
کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کر کے قرآن کریم کی خالص تخریف کی ہے
پہنا پنچہ لکھتے ہیں:

«استعانت کی ایک قسم کا نصوص شرعیہ سے جواز ثابت ہے۔
وہ یہ کہ کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز طلب
کرے۔ جو عادتاً اس کے بس میں اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت
الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے» (تنقید متین ص ۲۷)

۱۷ مدد طلب کرنا

۱۸ وہ کام جو عام لوگوں کی قدرت میں نہیں ہوتے ۱۲ منہ

۱۹ جو کام عام لوگوں کی قدرت میں ہوتے ہیں ۱۲ منہ

اور اس طرح سرفراز صاحب نے مجوسیوں کی طرح تقسیم کار کر لی ہے۔ کچھ کام خدا کے ساتھ خاص کر دیئے۔ اور کچھ بندوں کے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ استعانت خواہ بواسطہ ہو یا بے واسطہ ہر طرح اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔ بندوں کے ہاتھ پر امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جو کچھ بھی ظاہر ہوتے ہیں ان کا خالق اور ایجاد اللہ تعالیٰ ہی کا تواسمہ ہے۔ اور بندوں کے ہاتھ سے جس قسم کے بھی امور ظاہر ہوں وہ صرف بلحاظ کسب بندوں سے صادر ہوتے ہیں۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استعانت کے اختصاص اور عدم اختصاص کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر ہے۔ نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب جیسا کہ سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے مائیگی کی وجہ سے یقین کر لیا ہے۔

دیوبند کی شہادت | آئیے اب ہم آپ کے سامنے سرفراز صاحب کے شیخ الہند کی تفسیر سے شہادت پیش کرتے ہیں، جس سے یہ امر ظاہر ہو جائے گا کہ غیر اللہ سے استعانت کے جواز اور عدم جواز کا مدار استقلال اور عدم استقلال پر ہے نہ کہ امور مافوق الاسباب اور ماتحت الاسباب۔

دیکھئے مولوی محمود حسن صاحب ایماک نستعین کی تفسیر میں لکھتے ہیں: ”اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ہاں اگر مقبول بند کو محض واسطہ رحمت الہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کی جائے۔ تو یہ جائز ہے، کہ یہ استعانت درحقیقت اللہ تعالیٰ سے ہی استعانت ہے۔“

سرفراز صاحب غیر اللہ سے جواز استعانت کا مدار امور ماتحت الاسباب کو قرار دیتے ہیں اور ان کے شیخ صدر الافاضل رحمہ اللہ کی طرح مستعان کو غیر مستقل

سمجھنا اس کا مبنی ٹھہراتے ہیں۔ اب فرمائیے کس کا بیان کردہ مبنی صحیح ہے، اور کس کا غلط۔ اب اگر آپ صدر الافاضل صاحب رحمہ اللہ کے بیان کردہ مبنی کو غلط تحریر اور شرک کا پورا دروازہ قرار دیتے ہیں۔ پھر تو اپنے شیخ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھئے اور ان پر بھی شرک کا فتویٰ لگائیے۔ اور اگر آپ کے شیخ کا بیان کردہ مبنی صحیح ہے تو پھر صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر کو صحیح مان کر اپنی غلطی سے رجوع اور بد عقیدگی سے توبہ کیجئے۔

من نہ گوئم کہ این نہ کن ان کن مصلحت میں و کار آساں کن

ما فوق الا سباب امور میں رسول اللہ سے استعانت

سرفراز صاحب کا امور عادیہ میں ظاہری استعانت کو جائز قرار دینا اور غیر عادیہ میں ناجائز۔ دلائل عقلیہ و نقلیہ دونوں سے باطل اور مردود ہے۔ احادیث صحیحہ سے امور غیر عادیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد اور صحابہ کرام کی آپ سے استمداد ثابت ہے۔

عن یزید بن ابی عبید قال رأیت ارضیة فی ساق سلمة بن الاکوع فقلت یا ابا مسلم ما هذه الضریة قال ضریة اصابتنی یوم خیبر فقال الناس اصاب سلمة فایت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فنفت فیہ ثلث نفثات نما اشتکیتہا حتی الساعة۔

یزید بن ابی عبید سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے سلمہ بن اکوع کی پنڈلی پر چوٹ کا نشان دیکھا میں نے ان سے پوچھا کہ اسے ابو مسلم یہ کیسی چوٹ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یوم خیبر کو مجھے شدید چوٹ لگی، یہاں تک کہ لوگوں نے کہا کہ سلمہ شہید ہو گئے۔ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا، آپ نے تین دفعہ دم فرمایا اور اس دم کی برکت سے مجھے آج تک

تکلیف نہیں پہنچی۔

(مشکوٰۃ ص ۵۳۳)

دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں؛

عثمان بن عبد اللہ بن مویہب سے مروی

عن عثمان بن عبد اللہ بن مویہب

ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ مجھے میرے گھر والوں نے حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں پانی کا ایک پیالہ دے کر بھیجا اور لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی شخص کی آنکھ میں یا کسی اور جگہ زخم پہنچتا تو آپ کے پاس تفرار دے کر بھیجتے۔ پس ام المومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موٹے مبارک نکالیتیں جنہیں وہ گھنٹی کی شکل کی ایک چاندی کی نلکی میں رکھا کرتی تھیں پس وہ اس نلکی کو پانی میں ڈال کر نکالیتیں۔ پس وہ شخص اس پانی کو پیتا۔

اسماء بنت ابی بکر سے مروی ہے کہ انہوں نے ایک طیالیسی کسروانی جیہ نکالا جس کا ریشمی گریبان تھا اور اس کی دونوں جانبیں بھی ریشمی تھیں۔ اور فرمانے لگیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جبہ ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ پس جب ان کی وفات ہو گئی تو میں نے اسے حاصل کر لیا جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے تھے۔ پس ہم بیماروں کے لئے اسے دھوتے ہیں اور اسی جیہ کے توسل سے ان کے لئے شفا طلب کرتے ہیں۔

ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ نبی علیہ السلام کے پہنے ہوئے کپڑوں، آپ کے بالوں اور آپ کی پھونک سے لوگ شفا حاصل کرتے تھے۔ اب غور طلب امر

قال ارسلني اهلي الى امرسلة بقدح من ماء وكان اذا اصاب الانسان عين او شي بعث اليها مخضبه فاخرجت من شعرا رسول الله صلى الله عليه وسلم وكانت تمسك في جلد من فضة فمخضضته له تشرب.

منہ الحدیث

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۹۰)

تیسری روایت ملاحظہ کیجئے:

عن اسماء بنت ابی بکر انما اخرجت جیة طیالسیة کسروانیة لها لينة دیباج و فرجیہا مکفوفین بالدیباج وقالت هذه جیة رسول الله صلى الله عليه وسلم كانت عند عائشة فلما قضيت قبضتها وكان النبي صلى الله عليه وسلم يلبسها فتحن نفسها للمرضى نستشفى بها.

(مشکوٰۃ ص ۳۷۲)

یہ ہے کہ لباس بال اور پھونک حصول شفا کے لئے سبب عادی ہیں یا غیر عادی ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عادتاً لباس بال اور پھونک کو حصول شفا کے لئے پیدا نہیں فرمایا اور اگر عادتاً ان کی خلقت حصول شفا کے لئے ہوتی۔ تو چاہیے تھا کہ ہر ایک کے لباس اور بال اور پھونک سے شفا حاصل کی جاتی۔ جس طرح عادتاً بڑی بوٹیوں اور دواؤں کی خلقت حصول شفا کے لئے ہے۔ اور وہ شفا کے لئے سبب عادی ہیں۔ اسی طرح لباس وغیرہ حصول شفا کے لئے ہرگز سبب عادی نہیں ہیں۔ اور اس میں رقی برابر بھی شبہ نہیں ہے۔ پس آپ کے لباس وغیرہ سے صحابہ کرام کا شفا حاصل کرنا اور اپنی بیماریوں اور تکلیفوں میں نبی علیہ السلام کی طرف مراجعت کرنا اور آپ سے مدد چاہنا فوق الا سباب امور میں استعانت ہے۔

اگر سرفراز صاحب کا قاعدہ مان لیا جائے۔ تو سلمہ بن اکوع کو چاہیے تھا کہ پنڈلی ٹوٹ جانے کے بعد وہ کسی جراح کے پاس جاتے۔ کیونکہ علاج کے لئے طبیب اور جراح وغیرہ سبب عادی ہیں۔ اور اگر انہوں نے سرفراز صاحب کا مزعوم شرک کر ہی لیا تھا تو نبی علیہ السلام کو چاہیے تھا کہ آپ فرماتے میرے پاس ٹوٹی ہوئی ٹانگ لے کر کیوں آئے ہو۔ میں تو کسی کو نفع و ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ اور نہ اس کا سبب عادی ہوں۔ تم نے علاج معالجہ کے لئے مافوق الا سباب طریقہ کو اختیار کر کے شرک کیوں کیا؟ اچھی طرح جان لو کہ میرا کام تو فقط تم تک احکام شرعیہ پہنچا دینا ہے اور بس!

سرفراز صاحب آنکھیں کھول کر اور ہوش میں آ کر جواب دیجئے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق یہ صحابہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ اور اگر آپ را فضیوں کی طرح صحابہ پر بھی ہاتھ صاف کر دیں۔ تو پھر بتلائیے کہ آپ کی تحقیق کے مطابق رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا حکم عائد ہوگا۔ جنہوں نے آپ کے اس مذموم شرک کی مذمت نہیں کی۔ اور اگر آپ عناد فطری کی وجہ سے رسول اللہ پر بھی جرات کریں۔ تو اللہ تعالیٰ پر کیا حکم لگائیں گے۔ جس نے رسول اللہ کو شرک کی مذمت نہ کرنے پر تہنید نہ

کی۔ بلکہ رسول اللہ کے دم میں شفا کا اثر رکھ کر اظہار اس شرک کی تائید کی ہے

ساتی کا احترام تو لازم تھا اسے صبا

ہر ہر قدم پہ لغزش بے جا نہ کیجئے

اس مقام پر یہ حضرات کہہ دیتے ہیں کہ یہ تو نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے۔ اور معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے۔ یہ محض دھوکہ دہی کے

خالق اور کسب

سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ نبی کا معجزہ ہو یا ولی کی کرامت یا عام لوگوں کے افعال سب کا حقیقتہً

خالق اور قائل اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ بندوں کی طرف ان تمام افعال کی نسبت

نواہ عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ محض ظاہری اور صوری طور پر ہوتی ہے۔ لہذا افعال

عادیہ اور غیر عادیہ میں خالق یا کسب کے لحاظ سے تفریق کرنا بجا بہتہً باطل ہے۔

افعال عادیہ میں بندوں کی طرف نسبت تو سرفراز صاحب کو بھی تسلیم ہے۔ اب

ہم وہ آیات پیش کرتے ہیں۔ جن میں افعال غیر عادیہ کی نسبت بندوں کی طرف

کی گئی ہے۔

جس کے پاس کتاب کا علم تھا۔ اس (علم

والے) نے (اس جن سے) کہا کہ اس کو

تیرے سامنے تیری آنکھ جھپکنے سے پہلے

لا کر کھڑا کر سکتا ہوں۔

۱۔ قال الذی عندہ علم من الکتب

انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک

طرفک۔

(نمل)

(ترجمہ اشرف علی تھانوی:۔ ملخصاً)

فرشتے نے کہا کہ میں تمہارے رب کا بھیجا

ہوا (فرشتہ) ہوں تاکہ تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں

میں تم لوگوں کے لئے گارے سے ایسی شکل

بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے۔ پھر

اس کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے

وہ جاندار پرندہ بن جاتا ہے۔ خدا کے حکم

۲۔ قال انہا ناربول ربک

لاھب لک غلاماً زکیاً (مریم)

۳۔ انی اخلق لکم من الطین

کہیثۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون

طیراً بماذن اللہ ورا بری الاکبہ

والا برص واری الموقی

سے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے
کو اور برص (جذام) کے بیمار کو زندہ کر دیتا
ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے۔

بآذن اللہ -
(ال عمران)

مذکورہ بالا آیات میں افعال غیر عادیہ کا اسناد مخلوق کی طرف کیا گیا ہے اور ان
تمام آیات کا ترجمہ اشرف علی صاحب تھانوی کے ترجمہ سے نقل کیا گیا ہے تاکہ مخالفین
کے لئے انکار کی گنجائش باقی نہ رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عام افعال کی طرح
معجزات اور کرامات کے ساتھ بھی دو قدریں متعلق ہوتی ہیں۔ ایک ابدیاری کی اور
اولیاری کی قدرت بلحاظ کسب کے اور ایک اللہ تعالیٰ کی قدرت یحییٰ میں نخلق
اور ایجاد کے۔ پس نبی علیہ السلام کا دم کرنا۔ انگلی سے اشارہ کرنا، دعا کے لئے
ہاتھ اٹھانا یہ کسب ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا تکلیف دور کر دینا۔ چاند شفق کر
دینا۔ سورج پلٹ دینا یہ نخلق ہے۔ اور ان افعال کا اسناد نبی علیہ السلام
کی طرف بلحاظ کسب ہے۔ اور اللہ عز مجہ کی طرف بلحاظ نخلق ہے۔ اور جس
طرح عوام بشر کی قدرت اختیار میں افعال عادیہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح خواص
بشر اولیاء اللہ کی قدرت میں افعال غیر عادیہ ہوتے ہیں۔ سرفراز صاحب کا صرف
مور عادیہ میں بندوں سے استعانت جہاں تر کھتا۔ علمی بے مائیگی اور بصیرت سے
خرومی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

امام عزالی متوفی ۵۰۵ھ فرماتے ہیں:

ان له في نفسه صفة بهما فتح الافعال المخارقة للسعادات كما ان
واصفة بهما فتح المحركات المقروفة بارادتنا وباختيارنا وهي لقدرة وان كانت القدادة و
قدر جميعا من فعل الله تعالى - (احياء العلوم ج ۲ ص ۱۹۰)

متکلمین نے بیان فرمایا ہے کہ بندہ کا ارادہ کرنا کسب، اور اس ارادہ کے مطابق اللہ تعالیٰ
کا فعل پیدا فرمانا نخلق کہلاتا ہے۔ یہاں جو مثالیں دی گئی ہیں وہ عوام کو سمجھانے کے

سے ہیں ۱۲

نبی کو ایک ایسی صفت حاصل ہوتی ہے جس کے سبب وہ ایسے کام کرتا ہے جو خلاف عادت ہوتے ہیں جیسے ہم کو ایسی صفت حاصل ہے جس سے ہم اپنے ارادہ کے مطابق کام کرتے ہیں اسی کا نام قدرت ہے اور یہ قدرت اور کام دونوں حقیقتہً اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ نے بھی فتح الباری ج ۱۶ ص ۲۰ پر امام غزالی کی اس عبارت کو نقل کر کے اس کی تائید فرمائی ہے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

یہاں غلطی | کوئی شخص کسی زندہ اور پاس ہی موجود شخص سے ایسی چیز

طلب کرے جو عادتاً اس کے بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو ماتحت

الاسباب یا ظاہری استعانت کہا جاتا ہے۔ اس کے بوازیں کوئی

کلام نہیں۔ (تنقید متین ص ۲۸)

ہم پوچھتے ہیں کہ یہاں بس اور اختیار سے مراد کیا ہے۔ بطور خلق یا بطور کسب یہی صورت میں یہ خود شرک ہے۔ اور دوسری صورت میں عادتاً کی قید لگانا باطل ہے۔ کیونکہ امور غیر عادیہ بھی بحیثیت کسب بس اور اختیار میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ امام غزالی کی تصریح اور ابن حجر کی تائید سے ظاہر ہو گیا۔ پھر اس میں استعانت کیونکر ناجائز ہوگی جب کہ ان امور غیر عادیہ میں بھی استعانت دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔

سورۃ نمل میں اللہ تعالیٰ سلیمان علیہ السلام

کے قول کی حکایت کرتے ہوئے

ما فوق الاسباب امور اور قرآن

فرماتا ہے۔

حضرت سلیمان علی بنینا و علیہ السلام نے فرمایا

لے اہل دربار تم میں سے کون ہے جو تخت بلقیس

کو میرے پاس پہنچا دے۔ اس سے پہلے کہ

قال یا زہا الملائکہ یا تینی بعرشہا

قبل ان یا تونی مسلمین قال عفريت

من الجن انا اتيك به قبل ان تقوم

من مقامك ورائي عليه لقوي
امين قال الذي عنده علم
من الكتب انا اتيك به قبل
ان يرتد اليك طرفك -

(سورہ نمل)

کہ وہ میرے پاس مطیع ہو کر آئیں۔ ایک قوی
ہیکل جن نے کہا آپ کے مجلس سے اٹھنے
سے پہلے میں اسے حاضر کر سکتا ہوں اور میں
اس کی طاقت رکھتا ہوں اور امانت دار بھی ہوں
اور جس کے پاس کتاب کا علم تھا اس نے کہا
کہ میں اسے آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے
حاضر کر سکتا ہوں۔

تخت کو آن واحد میں مسافت کثیرہ سے منتقل کر دینا ایک ایسا خلاف عادت
کام تھا کہ قوی ہیکل جن بھی باوجود بے پناہ طاقت کے اس پر قادر نہ تھا۔ اور
حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسی خلاف عادت کام کو اہل دربار سے طلب کیا۔
سرفراز صاحب کہتے ہیں کہ مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک
ہے۔ تو اب فرمائیے کہ آپ کے اس فتویٰ کی براہ راست زد حضرت سلیمان علی
بنینا علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑتی ہے یا نہیں۔ بتلائیے قرونِ ثلاثہ میں بھی کیا انبیاء
علیہ السلام کو معاذ اللہ مشرک قرار دیا جاتا تھا۔ یا یہ نہ خانہ ساز بدعت صرف دیوبند
کی اختراع ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ علماء حق کو ابناء بدعت کی دشنام پر صبر کر لینا
چاہیے۔ جو لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی (معاذ اللہ) مشرک بنانے سے
نہیں چوکتے۔ وہ اگر علماء حق کو مشرک وغیرہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

نوٹ: یہاں پر یہ شبہ نہ ہو کہ حضرت سلیمان علی بنینا و علیہ السلام کا خدام سے
اس امر کو طلب کرنا ان کی شان میں کمی کا موجب ہے۔ کیونکہ خدام سے کوئی
خدمت لینا انہیں خدمت کا موقع دینا اور انہیں شرف خدمت عطا کرنے کے
لئے ہوتا ہے۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہے کئی!
منت ازو شناس کہ نہ خدمت گذاشتت

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا من انصاری الی اللہ میرا مددگار کون ہے۔ ثانیاً اس میں یہ تہنید ہے کہ جن کے خدام کی طاقت اور وسعت اختیار کا یہ عالم ہے تو ان کے آقا کی شان کا کیا عالم ہوگا۔ ثالثاً اس میں یہ اشارہ ہے کہ امور مافوق الاسباب میں استعانت جائز ہے۔ ورنہ حضرت سلیمان علیہ السلام اہل دربار سے کیوں فرماتے کہ بلقیس کے پہنچنے سے پہلے تخت حاضر کر دو جب کہ پلک جھپکنے سے پہلے اتنے بڑے بھاری تخت کو مسافت بعیدہ سے لے آنا انسان کی عادت تو درکنار قوی ہیکل جن کے بس میں بھی نہ تھی۔ رابعاً۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مختص نہیں۔ بلکہ کرم الہی سے یہ تصرفات اولیاء اللہ کو بھی حاصل ہوتے ہیں :-

اب ہم آپ کے سامنے شرح عقائد نسفی سے علامہ نسفی اور علامہ تفتازانی کی عبارات پیش کرتے ہیں۔ جو اس مقصد پر واضح ثبوت ہے۔ کہ تخت بلقیس کو آن واحد میں لے آنا مافوق الاسباب امور سے ہے۔

وکرامات الاولیاء حق فیظہر	اولیاء اللہ کی کرامات حق ہیں پس ولی کی کرامت
الکرامۃ علی طریق نقض العادۃ	خلاف عادت (مافوق الاسباب طریقہ)
للولی من قطع المسافۃ البعیدۃ	سے ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مسافت بعیدہ کو
فی المدۃ القلیلۃ۔	مدت قلیلہ میں طے کر لے۔

اس کی شرح میں علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

کاتیان صاحب سلیمان علیہ السلام	مثلاً صاحب سلیمان علیہ السلام آصف بن
وهو آصف بن برخیا علی الاشعر	برخیا کا تخت بلقیس کو پلک جھپکنے سے پہلے
بعرش بلقیس قبل ارتداد الطرف	مسافت بعیدہ سے لے آنا۔ (قول مشہور
مع بعد المسافۃ۔	یہی ہے)

(شرح عقائد نسفی ص ۲۲۶)

بعید نہیں کہ دیوبندیوں کو یہ شبہ لاحق ہو کہ مافوق الاسباب امور میں تصرف مذکور تو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ کا واقعہ ہے۔ پس ہمارے لئے یہ کس طرح حجت ہوگا۔ جو اباً عرض ہے کہ شرائع سابقہ کے جن واقعات کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم، بغیر انکار کے بیان فرمائیں۔ وہ حقیقت میں ہماری ہی شریعت ہے۔ اور اس کے حجت ہونے میں رقی برابر بھی شبہ نہیں۔ دیکھئے مولانا عبدالمحلیم صاحب لکھنوی فرماتے ہیں:

ان هذه الشرائع انما تلزمنا
اذا قصها الله ورسوله من غير
انكار لقوله تعالى وكتبنا عليهم
اي على اليهود في التوراة ان النفس
بالنفس الخ -

شرائع سابقہ ہمیں اس وقت لازم ہو جاتی
ہیں۔ جب انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول
بغیر انکار کے بیان فرمائے۔ جن طرح و جو
قصص کا حکم قرآن کی آیت کریمہ ان النفس
بالنفس سے ثابت ہے جو کہ اللہ تعالیٰ نے

تورات میں نازل کیا تھا۔ اور پھر اس کا بیان
قرآن کریم میں فرمایا۔ پس یہ حکم ہم پر لازم ہو گیا۔

(آثار القمار علی ہاشم نور الانوار ص ۶)

اسی طرح امور مافوق الاسباب میں تصرف کا یہ واقعہ اگرچہ دور سلیمان علیہ السلام کا
ہے۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اس کا بغیر انکار کے قصہ بیان فرمایا۔
تو یہ شرعی حجت قرار پایا۔ اور علماء متکلمین نے اس آیت سے کرامات اولیاء پر
استدلال کیا۔ نیز جب اللہ تعالیٰ نے اسرائیلی اولیاء کو مافوق الاسباب امور پر
فدرت عطا کی ہے۔ تو اس امت کے اولیاء کو یہ اعزاز کیوں نہ حاصل ہوگا۔ جس
کے سر پر اللہ تعالیٰ نے کنتہ خیرامۃ کا تاج رکھا ہے۔ اور اسے جعلنا
مہ و وسطاً کی دستاویز عطا فرمائی ہے۔

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ جب مافوق الاسباب امور میں
متعنانت شرک ہے تو انبیاء کرام اس شرک کو کیوں کرتے رہے۔ اور اللہ تعالیٰ
نے بلا انکار اس کا ذکر کیوں کیا۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے اس شرک پر

مواخذہ کیوں نہیں ہوا۔ اور وہ قرآن جو الحمد سے لے کر والناس تک شرک کی تردید میں نازل ہوا۔ وہ اس شرک کی کیوں تائید کر رہا ہے۔ اور اب آپ خدا نے لم یزل پر کیا فتویٰ لکائیں گے۔ جو آپ کے نزدیک اس خالص شرک کی تائید کر رہا ہے۔

یہ تو مافوق الاسباب امور میں زندوں سے استمداد تھی۔ آئیے اب مافوق الاسباب امور میں ان سے استمداد پیش کریں۔ جنہیں سرفراز صاحب زندہ نہیں سمجھتے۔ مافوق الاسباب امور میں استعانت کا حدیث سے ثبوت۔

ملاحظہ کیجئے؛

حضرت ابو جواز بیان کرتے ہیں کہ مدینہ طیبہ (زادوا اللہ ثریفاً) میں سخت قحط پڑ گیا۔ لوگوں نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو دیکھ کر اس کے مقابل آسمان کی جانب سوراخ کر دو یہاں تک کہ قبر اظہر اور آسمان کے درمیان حجاب نہ رہے۔ پس انہوں نے ایسا ہی کیا۔ اور اس زور کی بارش ہوئی کہ خوب سبزہ پیدا ہوا اور اونٹ فریبہ ہو گئے اور ان کی چربی پھٹی جاتی تھی۔ اور اس سال کو لوگ خوشحالی کا سال کہنے لگے۔

وعن ابی الجوزاء قال قحط
اہل المدینة قحطاً شديداً
فشكروا الى عائشة رضي الله تعالى
عنها فقالت انظروا قبر النبي صلى
الله عليه وسلم فاجعلوا كوى الى
السماء حتى لا يكون بينه وبين
السماء ستم ففعلوا فمطرًا مطراً
حتى نبت العشب وسمت
الابل حتى تفقت من الشحم
نسهي عام الفتح۔

(مشکوٰۃ ص ۵۲۵)

اس حدیث کو دیوبندیوں کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے بھی نشر الطیب کے ص ۳۰۳ پر ذکر کیا ہے۔

غور طلب امر یہ ہے کہ ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس یہ

لوگ بارش کی شکایت لے کر کیوں گئے۔ براہِ راست خدا سے دُعا کیوں نہ مانگی۔ اور اگر انہوں نے یہ شرک کر ہی لیا تھا تو پھر ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو چاہیے تھا کہ انہیں نماز استسقاء پڑھنے کا حکم دیتیں۔ جو طریقہ نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق تھا۔ قبر انور کو آسمان کے بالمقابل کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کیا اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو یقین تھا کہ اگر قبر انور آسمان کے بالمقابل ہو جائے تو اس وقت بارش ہوگی۔ ورنہ نہیں ہوگی اور اگر ام المؤمنین نے دیوبندیوں کے اس خود ساختہ شرک کا حکم دے ہی دیا تھا تو جنہیں حکم دیا تھا تو وہ بھی صحابہ اور تابعین تھے۔ انہوں نے اس گمراہی پر ام المؤمنین کی (العیاذ باللہ) اصلاح کیوں نہ کی۔

ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس امر کو یہی یا امر فوق الاسباب میں نبی علیہ السلام کی قبر سے استعانت کی ہے۔ اور آپ امور تکوینیہ اور فوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہتے ہیں۔ پھر آپ کا ام المؤمنین کے بارے میں کیا حکم ہوگا۔ جنہوں نے بارش ہونے نہ ہونے کا مدار نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قبر مبارک کو اعتقاد کر لیا تھا۔

معلوم ہوا کہ خیر القرون میں فوق الاسباب امور میں استعانت کو جائز سمجھا جاتا تھا اور یہی انبیاء علیہم السلام اور صلحاء عظام کا طریقہ ہے۔

فوق الاسباب امور اور علامہ شامی علامہ شامی رحمہ اللہ مذہب ابی حنیفہ رحمہ اللہ کی عظمت بیان کرتے

ہوئے ان اولیاء اللہ کی مختصر سوانح نقل کرتے ہیں۔ جنہوں نے مذہب ابی حنیفہ اختیار کیا۔ چنانچہ حضرت معروف کرخی کے حالات بیان کرتے ہوئے فرماتے

حضرت معروف کرخی عظیم مشائخ میں سے تھے۔ مستجاب الدعوات تھے اور ان کی قبر

المشائخ الکبار حجاب الدعوة تسقى بقبره مات سنة ۲۰ھ۔

سے بارش طلب کی جاتی تھی اور انہوں نے دو
 صدی ہجری میں وفات پائی۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۵۲)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ علامہ شامی کے نزدیک مذہب حنفی کی عظمت و
 جلالت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس مذہب کے پیروکار مزاج خلالت تھے۔
 زندگی میں ان کی شخصیات تو الگ رہیں۔ وصال کے بعد بھی لوگ ان کی قبور سے
 مدد طلب کرتے تھے۔ اہلسنت کو قبر پرستی کا طعنہ دینے والے دیدہ عبرت
 سے اس عبارت کو پڑھیں اور غور کریں کہ قبر کے نزدیک دعائے مانگنے سے بارش کا
 حاصل ہو جانا سبب عادی ہے یا غیر عادی؟ اگر سبب عادی ہے تو ہر قبر کے پاس
 دعائے مانگنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور حضرت معروف کرخ کے پاس دعائے مانگنے
 سے بارش کے حصول میں ان کی کیا خصوصیت باقی رہی۔ اور علامہ شامی کا اسے ان
 کے فتاویٰ میں ذکر کرنا کس طرح صحیح ہوگا۔ جس طرح آگ حرارت کے لئے سبب
 عادی ہے۔ اور ہر آگ سے حرارت حاصل ہو جاتی ہے۔ اس طرح ہر قبر کے پاس
 دعا کرنے سے بارش کیوں نہیں ہوتی۔ اور اگر یہ سبب عادی نہیں تو پھر کا قاعدہ ٹوٹ
 گیا۔ اور ثابت ہوا کہ مافوق الاسباب امور میں بھی غیر اللہ سے استعانت جائز
 ہے۔ نیز اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اپنی حاجات اور مشکلات
 میں قبر پر جا کر دعائے مانگنا اور صاحب قبر کو وسیلہ بنانا یہ عہد صحابہ تابعین اور اتباع
 ابی حنیفہ کے معمولات ہیں۔ یا پھر وہیں صدی کی بدعت ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی چیز بدعت ہے تو وہ مافوق الاسباب اور
 ماتحت الاسباب امور میں جواز اور عدم جواز کے لحاظ سے فرق کرنا ہے۔ تصرفات
 اولیاء اللہ کا انکار بدعت ہے۔ کمالات انبیاء سے بغض بدعت ہے۔ اسباب
 شرک میں افراد، زمان اور مکان کا فرق کرنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب
 کا عقیدہ رکھنا بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل تنقیص دیوبندی اور اسمعیل دہلوی کے فرزندوں
 کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔

دوسری غلطی | سرفراز صاحب نے شرک کی تعریف میں زندہ اور پاس ہی موجود شخص کی دو قیدیں اور بھی لگائیں ہیں۔ اور ان قیود کا قائدہ وہ خود اپنے کلام میں ذکر کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ضاعینونی بقوۃ - کی تشریح میں لکھتے ہیں :

”یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شدیدائی حضرات انبیاء، اولیاء، شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت شرک ہے۔ جس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اور شریعت حقہ اس کے لئے وقف ہے۔ اس ظاہری استعانت سے مطلق استعانت یا ما فوق الاسباب استعانت کا جواز ثابت کرنا۔ اور عوام الناس کو مغالطہ دینا جیسا کہ مولوی نعیم الدین صاحب نے کیا ہے۔ اہل علم کی شان نہیں ہے“ (تنقید متین ص ۲۹)

سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے غلط ہے۔ اولاً یہ کہ اعلیٰ نونی سے جو خاص استعانت ثابت ہے۔ اس کے بارے میں کہنا کہ اس سے مطلق استعانت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کے علمی افلاس کا اظہار کر رہا ہے۔ اہل علم پر محضی نہیں کہ مطلق الشیء یتحقق بتحقق فرداً۔ پس مطلق استعانت کے ایک فرد کے تحقق سے مستحق ہو جائے گی۔

ثانیاً یہ کہ سرفراز صاحب نے زندہ اور قریب سے ماتحت الاسباب امور میں استعانت کو جائز قرار دیا اور میت، بعید اور ما فوق الاسباب امور میں استعانت کو شرک کہا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ امور ماتحت الاسباب میں استعانت مطلقاً جائز ہے یا اس حیثیت سے کہ جس سے مدد حاصل کرے اس کے غیر مستقل ہونے کا اعتقاد رکھے۔ پہلی صورت میں لازم آئے گا۔ کہ اگر کوئی شخص امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر اس سے استعانت کرتے تو یہ بھی جائز قرار

پائے۔ حالانکہ اس کے شرک ہونے میں کسی کو شبہ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسری صورت میں یعنی اگر امور ماتحت الاسباب میں مستعان کو غیر مستقل سمجھ کر مدح حاصل کرے۔ تو ثابت ہوا کہ جواز اور عدم جواز کا مدار مستعان کو مستقل بالذات سمجھنے پر ہے۔ نہ کہ محض امور ماتحت الاسباب پر۔ کیونکہ وہ تو پہلی صورت میں بھی موجود ہے۔ اور شرک سے اجتناب نہیں۔ پس محمد اللہ ثابت ہو گیا کہ شرک تب ہو گا کہ مستعان کو مستقل بالذات سمجھ کر استعانت کی جائے۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ۔ قریب ہو یا بعید اور ماتحت الاسباب امور میں استعانت ہو یا مافوق الاسباب امور میں۔ ورنہ سرفراز صاحب نے جو شرک اور عدم شرک کی بنیاد قائم کی ہے۔ کہ زندہ سے استعانت کی جائے تو جائز اور مردہ سے استمداد کی جائے تو شرک قریب سے کی جائے تو جائز بعید سے کی جائے تو شرک اس سے لازم آئے گا کہ زندہ کو سجدہ کرے تو جائز مردہ کو سجدہ کرے تو شرک۔ زندہ کے نام پر جانور ذبح کرے تو جائز مردہ کے نام پر ذبح کرے تو شرک۔ زندہ کو خدا کہے تو جائز، اور مردہ کو خدا کہے تو ناجائز۔ اور قریب کے نماز پڑھے تو جائز، بعید کے لئے پڑھے تو شرک (دلائل و لا قوۃ الا باللہ العلیٰ العظیم) ان نادانوں کو آج تک یہ معلوم نہ ہو سکا۔ کہ شرک کس کو کہتے ہیں۔ اور ان کی خود ساختہ توحید درحقیقت انہیں کس طرح شرک کی دلیل میں پھنسا دیتی ہے۔ کہ انہوں نے میت اور بعید سے استعانت کو شرک کہہ کر کروڑوں زندہ اور قریب افراد کو خدا کا شریک بنا دیا اور یہ تمام ٹھوکریں سرفراز صاحب کا مقدر اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے شرک کا خود ساختہ مبنی مقدر کیا۔ اور منتقدین کی تعریف کو اختیار نہ کیا۔ دیکھئے علامہ تفسارانی لکھتے ہیں:

اشراک مجوس کی طرح کسی کو الوہیت میں

بمعنی وجوب وجود کے شریک کرنا ہے

یعنی خدا کو کسی کے سوا اللہ اور واجب الوجود

الاشراک هو اثبات الشریک

فی الالوہیۃ، بمعنی وجوب

الوجود کمالہم جوس او بمعنی

استحقاق العبادۃ کما لعبدة
الاصنام۔
اعتقاد کیا جائے یا بت پرستوں کی طرح
کسی کو مستحق عبادت سمجھا جائے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۵۶)

حقیقت یہ ہے کہ جو امر شرک ہو اس میں زمان و مکان اور افراد وغیرہا کی
تخصیص نہیں ہوا کرتی۔ جو چیز شرک ہو وہ ہر شخص کے لئے شرک ہوگی، ہر جگہ شرک
ہوگی، ہر وقت شرک ہوگی۔ مثلاً سجدہ عبودیت شرک ہے۔ پس جس جگہ جس وقت
اور جس شخص کے لئے بھی سجدہ عبودیت کیا جائے وہ شرک ہوگا یہ نہیں کہ کوئی
پہلے زمانہ میں شرک نہ ہو۔ اور اب شرک ہو جائے۔ یا زید کو عبودیت کا سجدہ
کریں تو شرک ہو۔ اور عمر کو کریں تو نہ ہو۔ پس زندہ سے استعانت کا جائز ہوتا
اور مردہ سے استعانت کا شرک ہوتا ایک ایسی ایسی منطق ہے جس کو کوئی دیندار
اور ہوشمند شخص قبول نہیں کر سکتا۔

دراصل سرفراز صاحب نے یہ سبق اکابر دیوبند سے سیکھا ہے۔ پتہ انچہ
تحلیل احمد انیسٹروی لکھتے ہیں:

”علم محیط زمین کا فخر عالم کو خلاف نصوص قطعیہ کے بلا دلیل محض
قیاس فاسد سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے
شیطان و ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہے۔ فخر عالم
کی وسعت علم کی کونسی نص قطعی ہے۔ کہ جس سے تمام نصوص کو رد
کر کے ایک شرک ثابت کرنا ہے“ (برائین قاطعہ ص ۵۱)

سوال یہ ہے کہ جب علم محیط زمین غیر خدا کے لئے ثابت کرنا شرک ہے
و حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت کیا جائے۔ پھر بھی شرک ہے اور ابلیس
و ملک الموت کے لئے ثابت کیا جائے پھر بھی شرک ہے۔ یہ کونسا قاعدہ
ہے کہ جو چیز شرک ہو اس کا ابلیس کے لئے ثبوت جائز ہو اور حضور علیہ السلام
کے لئے ناجائز اور شرک۔ کیا ان کے زعم فاسد میں ابلیس کو خدا کا شریک ماننا جائز

ہے۔ اور حضور علیہ السلام کو جائز۔ اینٹھوی نے تو جہاں اپنا ٹھکانا بنانا تھا۔ بنا چکے۔ اب سرفراز صاحب ہی اس معنی کو حل کر دیں۔ بلکہ اینٹھوی کے تمام اذتاب اور سرفراز صاحب کے تمام اعوان و انصار مل کر ہی یہ پیرانا قرض چکا دیں۔ نصف صدی سے زیادہ بیت چکی۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمہ اللہ نے یہ اعتراض اینٹھوی پر قائم کیا تھا۔ اور آج تک ذریت دیوبند اس کا جواب نہ دے سکی۔

اب ہم شرک کی اس تعریف کو جو سرفراز صاحب کے معتمد علیہ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے الفوز الکبیر میں ذکر کی ہے۔ نقل کرتے ہیں۔ جس کو سرفراز صاحب نے بڑے زور سے اپنی کتاب میں پیش کیا ہے۔
شاہ صاحب فرماتے ہیں:

والشرك ان يثبت لغير الله
سبحانه وتعالى شيئا من صفاته
المختصة به۔ (الفوز الکبیر)
شکر یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کی صفات مختصہ
میں سے کوئی صفت اس کے غیر کے لئے
ثابت کی جائے۔

اور خاصہ کہتے ہیں کہ ما يوجد فيہ دلائل وجود فی غیرہ یعنی جو صفت جس کا خاصہ ہو اس میں پائی جائے۔ اور اس کے غیر میں نہ پائی جائے۔ اب غور فرمائیے۔ سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ مردہ سے استعانت شرک۔ بعید سے استعانت شرک۔ اور مردہ اور بعید سے استعانت شرک تب ہوگی۔ جب کہ یہ خدا کی صفت مختصہ ہو۔ پس سرفراز صاحب کے عقیدہ فاسدہ پر لازم آیا کہ نعوذ باللہ اللہ تعالیٰ مردہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ هو الحي القيوم اور معاذ اللہ۔ اللہ تعالیٰ بعید ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ونحن اقرب اليه من جبل الوميد شارح عقائد اور صاحب الفوز الکبیر کی عبارات سے بات ظاہر ہو گئی کہ شرک کا مدار تین باتوں پر ہے۔ خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود سمجھا جائے۔ یا اس کے مستحق عبادت ہونے کا اعتقاد رکھے۔ یا اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ مثلاً علم ذاتی ایجاد اور قدرت ذاتیہ میں سے کوئی صفت غیر کے لئے ثابت کرے۔ اور چونکہ یہ

اہم نکات سرفراز صاحب کی نگاہ سے او بھل رہے۔ اسی لئے انہوں نے اس باب میں بے سرو پابائیں کیں۔ مثلاً اسی بحث میں لکھتے ہیں کہ:

”جملہ مشرکین غیر اللہ سے استعانت کرتے تھے۔ مگر اس کو مستقل سمجھ کر استعانت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وہ ان کو عون الہی اور امداد الہی کا مظہر سمجھ کر استعانت کرتے تھے۔ اور یہی شرک کی حقیقت ہے۔ کیونکہ دنیا میں کسی مشرک نے غیر اللہ کو حقیقی مستعان کبھی نہیں سمجھا۔ بایں طور کہ اس کو واجب الوجود تسلیم کیا ہو۔ اور قدرت و طاقت بالاستقلال منبغ اس کو یقین کر لیا ہو۔ بلکہ مشرکین عطائی اختیارات کے تحت ہی ان سے استعانت کرتے تھے“ (تنقید متین ص ۳۲)

سرفراز صاحب کی یہ عبارت کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ سرفراز صاحب نے اپنی بے علمی سے یہ دعویٰ کیا کہ ان میں آج تک کسی نے خدا کے سوا کسی کو واجب الوجود نہیں مانا۔ حالانکہ ہم ابھی شرح عقائد سے نقل کر چکے ہیں:-

الاشراک ہواثبات الشریک فی الالوہیۃ بمعنی وجوب الوجود
 کمالہم جو س الخ اس عبارت کا صریح مطلب یہ ہے کہ مجوس دو واجب الوجود
 مانتے تھے۔ چنانچہ اس کی شرح میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی لکھتے ہیں:
 فانہم یعتقدون الہین یزدان
 خالق الخیر و اہر من خالق
 مجوسیوں کا اعتقاد تھا کہ دو خدا ہیں ایک یزدان
 جو خالق خیر ہے اور ایک اہرمن جو خالق شر
 ہے۔ (نبراس ص ۲۶۵)

ان کے علاوہ ستارہ پرستوں کی ایک جماعت بھی ستاروں کے واجب الوجود ہونے کا اعتقاد رکھتی تھی۔ دیکھئے تفسیر کبیر میں وجعلوا اللہ شرکاء الجن کی تفسیر میں امام رازی تحریر فرماتے ہیں:
 من المشرکین الذین یقولون
 بعض مشرکین میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں

مدبر هذا العالم هو الكواكب
دھولاء فریقان منہم یقولانھا
واجبة الوجود لذواتھا۔ الخ
کہ اس عالم کے مدبر کو اکب ہیں پھر ان کے
دو فرقتے ہیں۔ ان میں سے ایک وہ ہیں جو
کہتے ہیں یہ کو اکب واجب الوجود ہیں۔

ثانیاً اس لئے کہ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے عطائی اختیارات مان
کر استعانت کرنے کو بھی شرک قرار دیا ہے۔ اور چند سطر بعد الفوز البکیر سے شرک
کی تعریف اس طرح نقل کی۔ والشرك ان یثبت لغير الله سبحانه وتعالى
شیئاً من صفاته المختصة یعنی اللہ تعالیٰ کی صفات مختصہ میں سے کسی ایک
صفت کو بھی غیر کے لئے ثابت کرنا شرک ہے۔

پس اس تعریف کے مطابق عطائی اختیارات والے سے استعانت تب
شرک ہوگی۔ جب عطائی اختیارات ثابت ہوئے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ
کو اختیارات عطا کرنے والا کون ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے اہل دیوبند کی توحید
جسے ثابت کرنے کے لئے وہ تمام مسلمانوں کو مشرک بناتے پھرتے ہیں۔
ثالثاً یہ کہ مشرکین کی استعانت اس وجہ سے شرک نہیں تھی کہ وہ عطائی اختیارات
والوں سے استعانت کرتے تھے تھی کہ سرفراز صاحب کے ناپاک اعتقاد کی گنجائش
نکل سکے۔ بلکہ اس کی استعانت اس لئے شرک تھی۔ کہ وہ مستعان کو باوجود غیر مستقل
اور ممکن ماننے کے مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ جیسا کہ ابھی شرح عقائد سے گذرا۔
ادبعتی استعقات العبادۃ کما للعبدة الاصنام۔ اور مشرکین اپنے بتوں کو
مستحق عبادت سمجھتے تھے۔ دلیل یہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کے مشرکین کے قول
کی حکایت کرتے ہوئے فرماتا ہے:-

وما نعبدھو الا ليقربونا الی
اللہ زلفی۔ ہم ان بتوں کی عبادت نہیں کرتے مگر اس لئے
کہ یہ ہم کو اللہ کے قریب کر دیں۔

سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمہ اللہ پر تبرا کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

رسالتہ ہی ساتھ بعض عبارتوں میں مولوی صاحب کے ذہن

کی عدم صفات اور ناہمواری بھی آشکارا ہو جاتی ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نشہ میں سرشار کوئی لنگ ہے جو بے تکیاں ہانگ رہا ہے۔

(تنقید جتین ص ۹۳)

اس لئے ضروری ہے کہ سرفراز صاحب کو آئینہ دکھایا جائے تاکہ انہیں پتہ چل جائے کہ نشہ میں دھت ہو کر لکھنے کون بیٹھا ہے۔ ہم اگر بات کریں گے تو شکایت ہوگی

معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے واقعی نشہ کی حالت میں کتاب لکھی ہے۔ اس لئے ان کا آوارہ قلم اس باب میں بار بار برکاس ہے۔ پہلے تو امور مافوق الاسباب میں استعانت کو شرک قرار دیا۔ پھر مطلقاً عون الہی کے مظہر ہونے کو شرک کہا۔ آگے چل کر عطائی اختیارات سے استعانت کو بھی شرک بنا ڈالا۔ چلنے پھٹی ہوئی۔ اب مافوق الاسباب ہوں یا ماتحت الاسباب۔ مستعان زندہ ہوں یا مردہ۔ قریب ہوں یا بعید جن کے لئے بھی عطائی اختیارات مانے جائیں، شرک لازم آئے گا۔ اور ذاتی اختیارات مان کر غیر اللہ سے استعانت کی جائے۔ تو مولوی سرفراز صاحب کی تعریف کے مطابق شرک نہ ہوگا۔ خواہ مخلوق کی خالق پر برتری ثابت ہو جائے۔ غور فرمائیے صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب رحمہ اللہ کے علم و فضل پر طعن کرنے والے کس قدر علمی بے مائیگی کا شکار ہیں۔

صاحب بالابدمنہ کی عبارت سمجھنے میں سرفراز صاحب کی غلطی

شرک کی بحث میں سرفراز صاحب نے بالابدمنہ ص ۱۱ سے ایک عبارت نقل کی ہے۔ "الشرك هو اعتقاد ان لغير الله اثرًا فوق ما وهبه الله من الاسباب الظاهرة ان لشيء من الاشياء سلطانًا عما خرج عن قدرة المخلوقين۔"

اور اس عبارت کو ظاہری ترجمہ سے یہ تاثر دینے کی سعی مذموم کی ہے۔ کہ امور

ما فوق الاسباب میں استعانت شرک ہے۔ اول تو عبارت میں سرے سے کہیں استعانت کا ذکر نہیں۔ سرفراز صاحب نے بددیانتی سے کام لے کر محض اپنا عقیدہ باطلہ ثابت کرنے کے لئے اس عبارت میں استعانت کو زبردستی ٹھونسنے کی کوشش کی ہے۔

ثانیاً یہ کہ اس عبارت کا مطلب محض یہ ہے کہ مخلوق کے لئے قدرت بحیثیت کسب ثابت ہے۔ اور قدرت بحیثیت ثابت نہیں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے کسی فرد کو اسباب ظاہرہ یعنی اسباب اور آلات کسب سے زیادہ اثر نہیں دیا۔ اور کسب کے بعد اثر کا مرتبہ خلق ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ پس مخلوق کے کسی فرد کی قدرت کسب اور اس کے اسباب ظاہرہ سے متجاوز نہیں اور کسب کا تعلق امور عادیہ اور غیر عادیہ دونوں کے ساتھ ہے۔ عوام کے افعال میں کسب کا تعلق امور عادیہ سے اور انبیاء و اولیاء کے افعال میں کسب کا تعلق امور غیر عادیہ سے بھی ہوتا ہے۔

ثالثاً یہ کہ اگر اس عبارت میں اسباب ظاہرہ کا وہ مطلب لیا جائے جو سرفراز صاحب نے سمجھا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوق کو قدرت صرف امور عادیہ میں ہوتی ہے۔ تو معجزات اور کرامات کا انکار لازم آئے گا۔ حالانکہ معجزات کو معتزلہ بھی مانتے ہیں۔ اور ایسے بدترین عقیدہ کی نسبت صاحب مالا بد منہ کی طرف کرنا انصاف نہیں ہے۔

سرفراز صاحب کی زیر نظر عبارت میں تیسری بحث یہ ہے کہ انہوں نے کہا کہ یہ وہ امداد نہیں۔ جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب۔ اس عبارت میں سرفراز صاحب نے انبیاء و شہداء اور اولیاء کی حیات کا بلا کسی قید کے انکار کر دیا۔ چلئے قصہ ہی ختم ہوا۔

دیوبندی بدعت نوارج اور معتزلہ کی فروع ہے

ہماری تحقیق کے مطابق فقہ دیوبندیت حقیقت میں معتزلہ اور نوارج سے ماخوذ ہے۔ چنانچہ نوارج کے بارے میں علامہ شامی متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں:

یعنی نوارج کے مصداق کے لئے تکفیر صحابہ شرط نہیں ہے۔ بلکہ یہ قید بیان واقعہ کے لئے ہے کہ انہوں نے حضرت علی پر خروج

کیا اور ان کے نوارج ہونے کے لئے ان کا اس شخص کے بارے میں کفر کا اعتقاد کافی ہے

جس پر یہ خروج کریں جیسا کہ ہمارے زمانہ میں

اتباع محمد بن عبدالوہاب ہیں جو نجد سے نکل کر حرمین پر قابض ہو گئے۔ اپنے آپ کو جنبی بتاتے

ہیں لیکن ان کا اعتقاد ہے کہ وہی مسلمان ہیں

جو اعتقاد میں ان کا مخالف ہو وہ مشرک ہے۔

هذا غير شرط في مسهي الخوارج بل هو بيان لمن خرجوا على سيدنا علي رضي الله عنه والا

فيكفي فيهما اعتقادهم كفر من خرجوا عليه كما وقع في زماننا

في اتباع محمد بن عبد الوهاب

الذين خرجوا من نجد تغلبوا

على الحرمين وكانوا ينتحلون

مذهب الخنابلة لكنهم اعتقدوا انهم

المسلمون وان من خالفوا اعتقادهم

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۷)

مشرکون۔

آپ دیکھ لیں کہ وہابیہ کو علامہ شامی نے نوارج قرار دیا اور وہابیہ کی کم و بیش

تمام بدعات اہل دیوبند میں پائی جاتی ہیں۔

سوا اس کے کہ وہ اپنے آپ کو جنبی کہتے تھے اور یہ اپنے آپ کو جنبی

کہتے ہیں۔ دیکھئے دیوبندیوں کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی

کہتے ہیں:

”محمد بن عبدالوہاب کو لوگ وہابی کہتے ہیں وہ اچھا آدمی تھا۔ سنا

ہے کہ مذہب جنبی رکھتا تھا۔ اور عامل بالمحدث تھا“

(رد المحتار ج ۳ ص ۲۲۷)

نیز لکھتے ہیں:

”اس وقت ان اطراف میں وہابی متبع سنت اور دیندار کو کہتے

ہیں“ (فتاویٰ رشیدیہ ج ۲ ص ۱۱)

اور معتزلہ حیات الاموات کی نفی کر کے عذاب قبر وغیرہ مسائل کا انکار کرتے ہیں۔ اس طرح وہابیہ حیات انبیاء و اولیاء کی نفی کر کے استمداد وغیرہ کا انکار کرتے ہیں۔ دیکھئے علامہ تفتازانی لکھتے ہیں:

وانکر عذاب القبر بعض المعتزلة
والروافض لان المیت جہاد لا
حیوة له۔
بعض معتزلہ اور روافض عذاب قبر کا انکار
کرتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں میت
جمادات کی طرح ہے اور اس میں اصلاً زندگی

(شرح عقائد نسفی ص ۷۲) نہیں ہوتی۔

ہمارا موضوع سخن اس وقت عام اموات کی حیات نہیں ہے۔ اس لئے ہم انبیاء، اولیاء اور شہداء کی حیات پر گفتگو کرتے ہیں۔ جس کا سرفراز صاحب نے مطلقاً انکار کر کے اپنی جان اور ایمان پر ظلم عظیم کیا ہے۔

حیات انبیاء و نبیاء و اولیاء و شہداء

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ شہداء کے حق میں فرماتا ہے:

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ
اموات بل احياء ولكن لا تشعرون
شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں۔ لیکن تم
شعور نہیں رکھتے۔

اس کی تفسیر میں شیخ صاوی رحمہ اللہ ارقام فرماتے ہیں:

ای حیوة اخرویة بالجسم و
الروح لیست بحیوة اهل الدنيا
لا یشاهدھا الاھل الاخرۃ من
خصہ اللہ بالاطلاع علیھا وھذا
یعنی حیات اخروی جسم اور روح کے ساتھ
ہے اور اس کا مشاہدہ صرف اہل آخرت
کرتے ہیں یا جنہیں اللہ تعالیٰ اس پر اطلاع
کے ساتھ خاص کرے اور یہی تحقیق ہے

هو لتتحقق خلافا لمن قال
انهم احياء بالروح فقط لانهم يد
بان كل انسان حتى الروح مسلماً
كان او كافراً عدم فناء الروح ولا
مزية للشهيد على غيره
وهذه الحيوۃ حقيقه وانما
خروجه انتقال من دار
الى اخرى وهي مزية من
مزايا الانبياء فلا يقال
انهم سادد هو۔

بخلاف اس شخص کے جس نے فقط ان کی حیات
روحانی کا قول کیا۔ کیونکہ یہ قول اس لئے مردود
ہے کہ ہر انسان خواہ مومن ہو یا کافر روحانی طور
پر زندہ ہوتا ہے اس لئے کہ روح پر فنا نہیں ہے
اور پھر اس میں شہید کی اپنے غیر پر فضیلت
نہیں رہے گی۔ اور یہ حیات حقیقی ہوتی ہے
اور روح کا خروج حقیقت میں ایک جگہ سے
دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے اور یہ انبیاء کرام
علیہم السلام کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک
فضیلت ہے۔ پس یہ نہ کہا جائے کہ انبیائے
کرام کے ساتھ شہداء کی مساوات لازم
آجائے گی۔

شیخ صاوی کے علاوہ علامہ ابو مسعود کرخی صاحب جمل اور بے شمار محققین علماء
اہل سنت کا یہی مسلک ہے کہ شہداء کی حیات جسمانی ہوتی ہے۔ اور سب کو
چھوڑیے نیلے خلیل احمد دیوبندی لکھتے ہیں:

” ہمارے نزدیک ہمارے مشائخ کے نزدیک حضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں۔ اور آپ کی حیات دنیا کی سی ہے
بلا مکلف ہونے کے اور یہ حیات مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم اور تمام انبیاء علیہم السلام اور شہداء کے ساتھ یہ حیات برزخی
نہیں ہے جو حاصل ہے تمام مسلمانوں کو بلکہ سب آدمیوں کو۔“

(عقائد علماء دیوبند ص ۱۶)

شہید کے زندہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی موت فی سبیل اللہ ہے۔ اب
غور کیجئے کہ جس کی صرف موت فی سبیل اللہ ہے جب وہ زندہ ہے تو جس کی موت

اور حیات سب کچھ فی سبیل اللہ ہو وہ کیونکر زندہ نہ ہو گا۔ اور نبی کا مقام یہ ہوتا ہے کہ اس کی موت اور حیات سب کچھ اللہ کے لئے ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نبی کی حیات شہید سے کہیں بڑھ کر ہوتی ہے۔

علاوہ ازیں حدیث شریف میں ہے حضور نے فرمایا،

ان اللہ حرم علی الارض ان تاكل اجساد الانبياء فنسبى اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے جسموں کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ پس اللہ کا نبی زندہ ہوتا ہے اور اس کو لائق ذیبا جاتا ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۲۱)

اس کی تشریح میں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں؛

فیہ اشارة ان العرض علی مجموع الروح والجسد منہم۔ یعنی اس میں یہ اشارہ ہے کہ نبی علیہ السلام پر بعد وصال کے درود شریف روح اور جسد کے مجموعہ پر پیش کیا جاتا ہے۔

نیز فرماتے ہیں و صح الانبياء احياء فی قبورہم یصلون یہ حدیث صحیح ہے کہ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور وہ نماز ادا فرماتے ہیں۔ اور اسی حدیث کو شرح الصدور میں امام سیوطی نے بیہقی اور ابو یعلیٰ کے حوالہ سے نقل کیا۔ نیز مسلم شریف میں ہے؛

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ اسوی بہ مرہوسی صلوة اللہ علیہ وهو قائم یصلی فی قبرہ۔ حضرت انس سے مروی ہے کہ نبی علیہ السلام لیلۃ المعراج کو حضرت موسیٰ کے پاس سے گزرے درآسنا لیکر وہ اپنی قبر میں کھڑے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔

اس حدیث کو ملا علی قاری نے مرقات میں اسی مقام پر ذکر کیا ہے اور علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں ص ۷۸ پر پھر وہ طرق کثیرہ ذکر کئے۔ جن سے یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ نے در اشعۃ اللمعات "اور جذب القلوب" میں انبیاء کی جسمانی حیات پر کافی

طویل بحث کی ہے۔ جسے ہم نے طوالت کی وجہ سے ذکر نہیں کیا۔
حیاتِ اولیاء | باقی رہی حیاتِ اولیاء، تو اس کے بارے میں سرفراز صاحب
 کے لئے دیوبند کی شہادت سے یہ کہنا کافی ہے کہ جب
 عام انسانوں کو قبر میں بند خجی حیات حاصل ہے۔ تو اولیاء اللہ کو اعلیٰ اور ارفع درجہ
 کی حیات حاصل ہوگی۔ امام فخر الدین رازی، اور ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں؛
 اولیاء اللہ لا یسوتون و لکن
 ینتقلون من دار الی دار۔
 اولیاء اللہ مرتے نہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ
 منتقل ہوتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۹۵، ایضاً مراتب ج ۳ ص ۲۴۱)

بہر حال حق یہ ہے کہ اہل سنت کا اولیاء اللہ کی برزخی حیات پر اتفاق ہے۔ اگر
 سرفراز صاحب اس کا انکار کر کے کسی اور فرقے میں اپنی جگہ بنائیں۔ تو ہم کیا کر سکتے
 ہیں۔ انبیاء، شہداء اور اولیاء کی حیات پر یہاں اختصار کے پیش نظر اجمالی کلام
 کیا گیا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث انشاء اللہ العزیزہ حاضر و ناظر کے باب میں کی جائے
 گی۔ سرفراز صاحب کی مذکورہ بالا عبارت پر ابحاث ثلاثہ کے بعد ہم پھر اصل مسئلہ
 یعنی استمداد اور استعاثہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ فنقول باللہ التوفیق۔

استمداد کا ثبوت احادیث سے | حدیث شریف میں ہے؛

دعن ربیعة بن کعب قال
 کنت ابیت مع رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم فانتیتہ بوضوئہ
 وحاجتہ فقال لی سل فقلت
 اسئدک مرافتک فی الجنۃ
 قال او غیر ذلک قلت هو ذاک
 قال فاعتنی علی نفسک بکثرة
 حضرت ربیعہ بن کعب بیان کرتے ہیں انہوں
 نے کہا کہ میں نے نبیؐ کے ساتھ ایک
 رات گذاری پس میں آپ کے وضو کے لئے
 پانی اور دیگر ضروریات کو لے کر حاضر ہوا۔ آپ
 نے فرمایا کہ مانگ۔ میں نے عرض کیا۔ میں آپ سے
 جنت میں آپ کی رفاقت مانگتا ہوں آپ نے فرمایا اس
 سوا اور کچھ۔ میں نے عرض کیا میرا مدعا یہی ہے۔

آپ نے فرمایا اچھا تم کثرت سجود سے میری مدد کرو
(یعنی کثرت سے نمازیں پڑھو تا کہ تم جنت میں

(مشکوٰۃ ص ۸۲) میری رفاقت کے اہل ہو سکو

اس حدیث کی تشریح میں شیخ محقق اشعۃ اللمعات میں تحریر فرماتے ہیں:

» از اطلاق سوال کہ فرمود سل. نخواہ و تخصیص نکر و بمطلوب بے خاص معلوم
میشود کہ کار ہمہ بدست ہمت و کرامت اوست صلی اللہ علیہ وسلم ہر چہ
خواہد ہر کار نخواہد باذن پروردگار خود بدہد»

حضور نے مطلقاً فرمایا مانگو اور کسی مطلوب خاص کے ساتھ مقید نہ کیا۔ اس سے
معلوم ہوا کہ تمام چیزیں آپ کے ہاتھ میں ہیں۔ جسے چاہیں جو چاہیں اللہ عزوجل
کے اذن سے عطا فرماتے ہیں۔ ملا علی قاری مرقات میں اسی مقام پر ابن حجر کی عبارت
نقل کرتے ہیں۔ و یؤخذ من اطلاقہ علیہ السلام الامر بالسؤال
ان اللہ مکنہ من اعطاء کل ما اراد من خیر الحق نبی علیہ السلام۔ نہ سوال کرنے
کے امر کو جو مطلق رکھا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خزان
حق سے ہر اس چیز کے عطا کرنے پر قادر کر دیا۔ جس کا آپ ارادہ فرمائیں۔

اس کے بعد ابن سلیم کی عبارت نقل فرماتے ہیں:

ان اللہ تعالیٰ اقطعہ ارض
الجنة يعطی منها ما یشاء
لمن یشاء۔
اللہ تعالیٰ نے جنت کی زمین آپ کو عطا
فرمائی ہے کہ اس زمین سے جس کے لئے چاہیں
جتنی مقدار چاہیں عطا فرمائیں۔

ان تمام عبارات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اذن الہی سے جو چاہیں بے جا ہیں
عطا فرمائیں۔ خواہ یہ عطا راہ عادیہ سے ہو یا ہر عادیہ سے۔ انگلیوں سے ہتھ
چاری کر کے کثیر التعداد صحابہ کو سیراب کر دینا۔ سلمۃ بن اکوع کی شکستہ پنڈلی کو دم فرما
کر درست کر دینا۔ مافوق الاسباب العادیہ کے طور پر امداد کے چمکتے ہوئے
ایسے دلائل ہیں۔ جن کی تابناکیوں سے آج تک اہل تنقیص کی آنکھیں چندھیار ہی

ہیں۔ پھر ربیعہ بن کعب کو سل (مانگو کیا مانگتے ہو) فرما کر آپ نے اپنی ذات سے حاجت روائی کا جواز ہی بیان نہیں کیا۔ بلکہ امر فرمایا ہے۔ دیکھئے ملا علی قاری رحمہ اللہ سل کی تفسیر کرتے ہیں۔ ای اطلب متی حاجة یعنی مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ اور سوال کو مطلق رکھ کر یہ بھی سمجھا دیا کہ امور عادیہ ہوں یا غیر عادیہ۔ جس امر میں چاہو مجھ سے حاجت روائی کرو۔ اسی مطلب پر پہنچ کر حضرت ربیعہ بن کعب نے آپ سے جنت کا سوال کیا۔ حالانکہ جنت کا دینا عادتہ کسی کے بس اور اختیار میں نہیں ہے۔ اگر بہ شرک تھا تو چاہیے تھا کہ حضور اس سوال سے روک دیتے۔ کیونکہ آپ کی بعثت ہی شرک کے تلع تمع کے لئے سہوٹی تھی۔ لیکن آپ نے فرمایا ادعہ پر ذلک اس کے علاوہ بھی کچھ مانگنا ہو۔ تو مانگ لو۔ حضور علیہ السلام بار بار مانگنے اور اپنی ذات سے حاجت روائی کی ترغیب دے رہے ہیں۔ اور ازلی محروم شرک کی مالا چپ رہے ہیں۔ کیا حضور کے فرمان سل ای اطلب متی حاجة مجھ سے اپنی حاجت طلب کرو۔ کے بعد بھی سرفراز صاحب کا یہ قول قابلِ توجہ رہ جاتا ہے:

”کہ کتب حدیث کے دافر ذخیرہ میں ایک بھی صحیح اور صریح حدیث ایسی نہیں ہے جس میں یہ تعلیم دی گئی ہو کہ ما فوق الاسباب طور پر اہل اللہ سے استعانت کرو“ (تنقید متین ص ۲۷)

اس سلسلے میں دوسری حدیث ملا حظہ فرمائیے۔ نبی علیہ السلام نے فرمایا:

وان اراد عوننا فليقل يعباد الله
 اعينوني يا عباد الله اعينوني يا
 عباد الله اعينوني وقد جرب
 ذلك - (حصن حصين ص ۲۲)

اور اگر مدد چاہے تو اُسے چاہیے کہ یوں پکارے
 اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ
 کے بندے میری مدد کرو۔ اے اللہ کے
 بندے میری مدد کرو۔ یہ امر مجرب ہے۔

اسی حدیث کو طبرانی نے عتبہ بن عروان سے روایت کیا۔ ابن سنی نے عبد اللہ بن مسعود سے ابن ابی شیبہ اور بزار نے ابن عباس سے روایت کیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن لغیرہ ہو جاتی

ہے۔ اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو۔ علاوہ ازیں محدثین نے اس حدیث کے حسن ہونے پر تصریح بھی کی ہے۔

علامہ یوسف نجفانی اور سرفراز صاحب کے حکیم الامت نے طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

عثمان بن حنیف سے مروی ہے کہ ایک شخص کسی اپنے کام میں حضرت عثمان کے پاس جایا کرتا تھا اور حضرت عثمان اس کی طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ پس اس کی ملاقات حضرت ابن حنیف سے ہوئی۔ پس عثمان بن حنیف نے کہا وضو کی جگہ جا اور وضو کر پھر دو رکعت نماز پڑھ پھر یوں دعا مانگ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں اپنے نبی علیہ السلام کے وسیلہ سے جن کا نام نامی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں آپ کی وساطت سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ وہ میری حاجت پوری کر دے۔ پھر تم اپنی حاجت بیان کرنا اور شام کو جانائیں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گا۔ پس وہ شخص گیا اور اس کے مطابق عمل کیا۔ پھر حضرت عثمان کے ہاں گیا۔ تو دربان خود اسے حضرت عثمان کے ہاں لے گیا۔ اور ان کے پاس غالیچہ پر بیٹھا دیا۔ پس حضرت عثمان نے اس سے حاجت پوچھی

عن ابی امامة بن سہل بن حنیف بن عمہ عن عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ ان رجلاً کان یختلف الی عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فی حاجة فکان عثمان لا ینتفتح الیہ ولا ینظر فی حاجة فلقی ابن حنیف فشکا ذلک الیہ فقال لہ عثمان بن حنیف ائت المیضات فتوضاً ثم ائت المسجد فصل فیہ رکعتین ثم قل اللهم انی اسئلك واتوجه الیک بنبتنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی الرحمة یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم انی اتوجه بک الی ربی فیقضى حاجتی و تذکر حاجتک و روح حتی اروح معک فانطلق الرجل فصنع ما قال لہ ثم اتی باب عثمان بن عفان فجاء الابواب حتی اخذ بیدہ فادخلہ عثمان بن عفان فاجلسہ معہ علی الطنفسة فقال ما حاجتک فذکر حاجتہ و

قضاہا لہ ثم قال لہ ما ذکر ت
 حاجتک حتی کان الساعۃ وقال ما
 کانت لک من حاجۃ فا ذکرہا ثم
 انّ الرجل خرج من عندہ فالتقی
 عثمان بن حنیف فقال لہ جزاک اللہ
 خیرا ما کان ینظر فی حاجتی ولا یلتفت
 الیّ حتی کلمتہ فی فقال عثمان بن
 حنیف واللہ ما کلمتہ ولكن شہدنا
 رسول اللہ واناہ ضری فمشکا الیہ
 ذہاب بصرہ فقال لہ النبی صلی اللہ
 علیہ وسلم اذ تصاب فقال یا رسول
 اللہ انہ لیس لے قاعد وقد شق علیّ
 فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم
 ایت المیضۃ فتروضاء ثم وصل
 رکعتین ثم ادع بہذہ الدعوات
 فقال ابن حنیف فواللہ ما
 تفرقتنا حتی دخل علینا
 الرجل کانتہ لم یکن بہ
 ضرر قط۔

(شواہد الحق ص ۳۰۱، نشر الطیب ص ۳۰۰)

اس نے بیان کی اور انہوں نے اسکی حاجت
 کو پورا کر دیا۔ اور کہنے لگے کہ تم نے اب
 تک کیوں نہ اپنی حاجت بیان کی تھی۔ اور
 آئندہ جو کام ہو مجھ سے ذکر کرنا۔ پھر اسی
 شخص کی دوبارہ عثمان بن حنیف سے ملاقات
 ہوئی۔ تو اس نے ابن حنیف سے کہا کہ تمہارا
 خدا بھلا کرے۔ تم نے حضرت عثمان سے
 میری سفارش کی اور وہ مجھ پر مہربان ہو گئے
 پس ابن حنیف نے کہا۔ خدا کی قسم میں نے
 حضرت عثمان سے تیرے بارے میں کوئی
 بات نہیں کی۔ البتہ ایک مرتبہ میں حضور
 صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھا۔
 کہ ایک نابینا آیا اور حضور سے اپنی آنکھوں
 کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا بہتر ہوگا کہ
 تم صبر کرو۔ اس نے عذر پیش کیا کہ مجھ کو کوئی
 راہ بتانے والا نہیں ہے آپ نے فرمایا۔ وضو
 کرو مسجد میں جا کر دو رکعت نماز پڑھو۔ اور پھر
 دعا مانگو (اسی طریقہ سے) ابن حنیف نے کہا
 کہ ابھی ہم باتیں ہی کر رہے تھے کہ وہی نابینا
 شخص آپہنچا اور اس کی آنکھیں بالکل تندرست
 تھیں۔ گویا کبھی اندھا ہوا ہی نہ تھا۔

اس حدیث سے ما فوق الامور العادیہ میں استعانت زندگی میں بھی ثابت ہوئی۔
 اور وصال کے بعد بھی۔ لیکن سرفراز صاحب کو اس سے کیا غرض۔ وہ عدم بصیرت

اور عناد انبیاء کی وجہ سے یہی کہتے رہیں گے کہ استعانت کے بارے میں ایک حدیث بھی موجود نہیں ہے۔

علامہ یوسف نبھانی اور شاہ ولی اللہ، بہنقی اور ابن ابی شیبہ کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

حضرت عمر بن خطاب کے دورِ خلافت میں قحط پڑ گیا۔ پس ایک شخص نے نبی علیہ السلام کی قبر پر حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول اپنی امت کے لئے بارش طلب کیجئے کیونکہ آپ کی امت ہلاک ہو رہی ہے تو نبی علیہ السلام نے اس کو خواب میں تشریف لا کر فرمایا کہ (حضرت) عمر کے پاس جاؤ اور انہیں سلام کہو اور خبر دو کہ وہ عنقریب سیراب کئے جائیں گے اور کہو کہ تم کو (امورِ خلافت میں) بیدار مغزی لازم ہے پس وہ شخص حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا اور خبر دی۔ پس حضرت عمر پر گریہ طاری ہوا اور کہنے لگے اے اللہ میں نہیں ترک کرتا مگر اس چیز کو جس سے میں عاجز

ہو جاؤں۔

(شواہد الحق ص ۳۲۵، قرۃ العینین ص ۱۹۱)

علامہ نسفی، ابن کثیر اور اشرف علی تھانوی نے اس روایت کو ذکر کیا ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مدفون ہونے کے بعد ایک اعرابی آیا۔ اس نے اپنے آپ کو قبر شریف پر گرا دیا اور خاک سر پر بکھیر کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ جس وقت ہم پر قرآن

قید جاء اعرابی بعد دنتہ علیہ السلام فرغی بنفسہ علی قبرہ وحشا من ترا بہ علی رأسہ و قال یا رسول اللہ قلت وسمعتنا

وكان فيما انزل عليك
ولو اتهم اذ ظلموا انفسهم
وقد ظلمت نفسي و
جئتكَ استغفرا لله من ذنبي
فاستغفري من ربّي فنودي
من قبرة قد غفرك -

(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۳۶۸، تفسیر ابن کثیر

ج ۱ ص ۵۲۰، نشر الطیب ص ۳۰۳)

نازل ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ اپنی جہان
پر ظلم کریں تو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو جائیں
اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں اور رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کی شفاعت کریں تو یہ اللہ
کو بخشنے والا مہربان پائیں گے) اور میں نے اپنی
جہان پر ظلم کیا۔ اور آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔
اور اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہوں۔ آپ میری
بخشش کی دعا کیجئے۔ پس قبر سے ندا آئی کہ تجھے
بخش دیا گیا۔

استمداد کا ثبوت اعلام امت سے

مذکورہ بالا احادیث و آثار کے بعد
اب ہم اس مسئلہ میں علماء اہلسنت
کا مسلک ان کے اقوال کی روشنی میں پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ شیخ محقق
عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ متوفی ۱۰۵۲ھ تحریر فرماتے ہیں؛

اور حجۃ الاسلام امام محمد عزالی نے فرمایا
جن سے زندگی میں استمداد حاصل کی جاتی
ہے۔ ان سے بعد وفات بھی استعانت کی
جاتی ہے اور مشائخ عظام میں سے بعض نے
کہا کہ میں نے چار حضرات کو دیکھا کہ وہ جس طرح
اپنی زندگی میں تصرف کرتے تھے اسی طرح
اپنی قبروں میں بھی تصرف کرتے ہیں بلکہ اس
سے بھی زیادہ ایک شیخ معروف کرنی اور
دوسرے شیخ عبدالقادر جیلانی اور ان کے علاوہ
دو کا اور نام لیا اور ان کا مقصد ان چار میں

و حجۃ الاسلام امام محمد عزالی گفتہ
ہر کہ استمداد کردہ شود بوی در حیات
استمداد کردہ میشود بوی بعد از وفات
ویکے از مشائخ عظام گفتہ است
دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف میکنند
در قبور خود مانند تصرفائے شاہ در حیات
خود یا بیشتر و شیخ معروف کرنی و شیخ
عبدالقادر جیلانی و دو کس دیگر را از اولیاء
شمرده و مقصود حصر نیست۔ آنچه خود
دیدہ و یافتہ است گفتہ و سیدی احمد

بن مزدوق کہ از اعظم فقہاء و علماء و مشائخ
 دیار مغرب است گفت کہ روز سے
 شیخ ابوالعباس حضرمی از من پرسید کہ
 امداد حی قوی است یا امداد میت من
 گفتم قوی میگویند کہ امداد حی قوی تر
 است و من میگویم کہ امداد میت قوی
 تر است۔ پس شیخ گفت۔
 نعم زیرا کہ وے در بساط حق است و
 در حضرت اوست و نقل دیرین معنی
 ازین طائفہ بیشتر از انست کہ حصرو
 اعداد کردہ شود و یافتہ نمیشود۔
 در کتاب و سنت و اقوال سلف
 صالح کہ منافی و مخالف این باشد
 ورد کند این را۔ تحقیق ثابت شدہ
 است بآیات و احادیث کہ روح
 باقی است و اورا علم و شعور بجزائراں
 و احوال ایشان ثابت است و ارواح
 کاملان را قریبے و مکانتے در جناب
 حق ثابت است۔ چنانکہ در حیات بود
 یا بیشتر از ان و اولیاء را کرامات و
 تصرف در اکوان حاصل است و
 نیست مگر ارواح ایشان را و ارواح
 باقی است و متصرف حقیقی

حصر کرنا نہیں تھا۔ بلکہ محض اپنے مشاہد
 کو بیان کیا۔ اور سید احمد بن مزدوق (جو کہ
 دیار مغرب کے مشائخ اور فقہاء میں سے
 ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ایک دن شیخ
 ابوالعباس حضرمی نے مجھ سے پوچھا کہ زندہ
 کی امداد زیادہ قوی ہے یا میت کی۔ میں نے
 کہا کہ ایک قوم کہتی ہے کہ زندہ کی امداد قوی
 ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ میت کی امداد
 زیادہ قوی ہے پس شیخ نے کہا کہ ہاں اسلئے
 کہ وہ اللہ کی پناہ میں ہیں اور اس معنی میں اس
 طائفہ سے بیشتر منقولات ہیں کہ جو حد و شمار
 سے باہر ہیں اور کتاب و سنت اور اقوال
 سلف و صالحین میں اسکے خلاف کوئی تصریح
 نہیں پائی جاتی اور تحقیق یہ ہے کہ آیات و
 احادیث سے ثابت ہے کہ روح باقی رہتی
 ہے اور اس کو زائرین اور ان کے احوال کا
 علم و شعور بھی ہوتا ہے اور ارواح کا ملین کا
 خدا کی بارگاہ میں عظیم قرب اسی طرح ہوتا
 ہے۔ جیسے حیات دنیاوی میں تھا۔ بلکہ
 اس سے بھی زیادہ اور اولیاء کو کرامات
 اور کائنات میں تصرف حاصل ہے اور
 اس کا ثبوت صرف انکی ارواح کیلئے ہے اور
 ارواح باقی رہتی ہیں اور متصرف حقیقی

سوائے اللہ عزوجل کے اور کوئی نہیں اور تمام
 قدرت اسی کی ہے۔ اور وہ حیات اپنی زندگی
 اور موت میں حق سبحانہ کی ذات فنا ہو چکے
 ہیں۔ پس اگر کسی کو ان کے واسطے سے کچھ
 دیا جائے اس مرتبہ کی وجہ ہو خدا کے نزدیک
 ان کے لئے ثابت ہے تو یہ بعید نہیں ہے
 جیسا کہ حالت حیات میں انکو تصرف حاصل تھا اور
 فعل اور تصرف ہر حال میں اللہ عزوجل ہی کا
 ہے۔ اور کوئی چیز نہیں جو زندگی اور موت
 میں فرق کرے اور نہ اس فرق پر کوئی دلیل
 پائی گئی ہے۔

نیست۔ مگر خدا عزوجل شانہ و ہمہ بقدرت
 اوست و ایشان قافی اند در جلال
 در حیات و بعد از ممات پس اگر
 دادہ شود مرا ہر سے را چیزے
 بوساطت یکے از دوستان حق و
 مکانتے کہ نزد خدا دارد و در نباشد
 چنانکہ در حالت حیات بود و نیست
 فعل و تصرف در ہر دو حالت مگر حق را
 جل جلالہ و علم نوالہ و نیست چیزے کہ
 فرق کند میان ہر دو حالت و یافتہ نشدہ
 است دلیلے بر آن۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۱۵)

اب سرفراز صاحب سے دریافت طلب امر یہ ہے کہ وہ شیخ محقق دہلوی
 کی ان تصریحات اور زندگی اور موت کے بعد اولیاء اللہ سے استمداد کی تشریحات
 کی وجہ سے شیخ پر شرک کا فتویٰ لگائیں گے۔ یا اپنی بے بصیرتی اور بے علمی کا
 اعتراف کر کے اپنی بد عقیدگی سے رجوع کریں گے۔

نیز شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی اس موضوع پر مزید تحریر فرماتے ہیں:
 واما استمداد باہل قبور منکر شدہ اند
 آنرا بعض فقہاء اگر انکار از جہت
 آن است کہ سماع و علم نیست ایشان
 را بزائران و احوال ایشان پس
 بطلان او ثابت شد و اگر بسبب
 آنست کہ قدرت و تصرف نیست
 بہر نوع بعض فقہانے اہل قبور سے استمداد
 کا انکار کیا ہے اگر انکا یہ انکار اس پر مبنی
 ہے کہ اہل قبور کو سماع اور زائرین کے
 احوال کا علم نہیں ہوتا تو اس مبنی کا بطلان
 ظاہر ہو چکا ہے اور اگر وہ انکار یہ ہے
 کہ اہل قبور کے لئے اس جگہ قدرت اور

تصرف ثنابت نہیں۔ بلکہ جن حالات میں وہ مبتلا ہیں ان کی وجہ سے وہ مقید اور پابند ہو چکے ہیں اور انہیں دوسروں سے روک دیا گیا ہے۔ پس میں کہتا ہوں کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ خصوصاً متیقن کے حق میں جو اولیاء اللہ ہیں اور ممکن ہے کہ انہیں اللہ کی طرف سے برزخ میں ایسا ہی مرتبہ حاصل ہو۔ جیسا قیامت میں انہیں منصب شفاعت عطا ہوگا جس کی وجہ سے وہ ان زائرین کے حق میں جو ان سے متوسل ہیں۔ دعا اور شفاعت کریں گے اور بھلا اس کی نفی پر کون سی دلیل قائم ہے۔ اور علامہ بیضاوی نے آیہ کریمہ والنارعات عزفا کی تفسیر ان نفوس فاضلہ کی صفات سے کی ہے جو حال مفارقت بدن میں عالم ملکوت کی طرف نکالی جاتی ہیں۔ اور وہاں سیرو سیاحت اور تسبیح کرتی ہیں۔ اور مقدس چراگاہ میں پیش ہوتی ہیں اور شرف و قوت کی وجہ سے مدبرات (وہ فرشتے جو امور تکوینیہ انجام دیتے ہیں) میں سے ہو جاتی ہیں اور کائنات ان منکرین کے سامنے میری سمجھ موجود ہوتی۔ آخر یہ استدلال اور

مرایشاں را در اں موطن تا مدد کنند بلکہ مجبوس و ممنوع اند و مشغول اند با پنچہ عارض شدہ است۔ مرایشاں را از محنت و شدت آ پنچہ بازداشتہ است از دیگران گویم کہ اس کلیہ نمے ماند۔ خصوصاً در شان متیقن کہ دوستا خدا اند۔ شائد کہ حاصل شود۔ ارواح ایشان را از قرب در برزخ و منزلت و قدرت بر شفاعت و دعا و طلب حاجات مرزائراں را کہ متوسل اند با ایشان چنانکہ در روز قیامت خواهد بود و چہیست دلیل بر نفی آن و تفسیر کردہ است بیضاوی کہ یہ۔ والنارعات عزفا۔ الایہ را بصفات نفوس فاضلہ در حال مفارقت از بدن کہ کشیدہ می شوند از ابدان و نشاط می کنند بسوئے عالم ملکوت و سیاحت میکنند در اں پس سبقت میکنند بحظا اترقدس پس می گردند بشرف و قوت از مدبرات و لبت شعری چہ بہنخواہند ایشان با استدلال و امداد کہ این فرقہ منکر اند آنرا آ پنچہ مامی فہم ازاں این است کہ داعی محتاج

فقیر الی اللہ دعا می کند و طلب میکند
 حاجت خود را از جناب عزت و ثنا
 وے و توسل میکند بروحانیت این
 بندہ مقرب و مکرم در درگاہ عزت
 وے و میگوئد خداوند ابرکت این بندہ
 تو کہ رحمت کردہ بر منے و اکرام کردہ
 اور او بطف و کرمے کہ بونے داری بر
 آوردہ گرداں حاجت مرا کہ تو معطی
 کردی یا تدا می کنی این بندہ مکرم و مقرب
 را کہ اے بندہ خدا اے ولی وے شفاعت
 کن مرا و سخاواہ از خدا کہ بدہ مسئول و
 مطلوب مراد قضا کند حاجت مرا۔ پس
 معطی و مسئول و ممول پروردگار است
 تعالی و تقدس و نیست این بندہ مگر وسیلہ
 و نیست قادر و فاعل و تصرف در وجود
 مگر حق سبحانہ و اولیائے خدا قانی و
 ہالک اند در فعل الہی و قدرت و
 سطوت وے و نیست اینتا الی را فعل
 و قدرت و تصرف نہ اکنون کہ در
 قبور اند و نہ در ان ہنگام کہ زندہ بودند
 در دنیا و اگر این معنی کہ در امداد و استمداد
 ذکر کردیم موجب شرک و توجہ بما سوائے
 حق باشد چنانکہ منکر زعم میکنند پس باید کہ

امداد کا کیا سمجھ کر انکار کرتے ہیں۔ جو
 ہم نے سمجھا ہے وہ تو یہ ہے کہ دعا کرنے
 والا اس بندہ مقرب کے توسل سے
 اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے
 کہ اے بار اللہ اس بندہ مقرب کی برکت سے
 جسے تو نے بے انداز الطاف و اکرام
 سے نوازا ہے۔ میری حاجت کو پورا فرما۔
 کہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔ یا دعا
 مانگنے والا اس بندہ مقرب کو ندا
 کرتا ہے کہ اے بندہ خدا اے اللہ
 کے ولی میری شفاعت کر۔ اور اللہ تعالیٰ
 سے دعا کہ مجھے میرا سوال اور مطلوب
 عطا فرمائے اور یہ بندہ مقرب درمیان
 میں صرف وسیلہ ہوتا ہے اور قادر اور
 فاعل سوائے اللہ تعالیٰ کے اور
 کوئی نہیں ہوتا۔ اور اولیاء اللہ تو اللہ
 کے فعل اور قدرت میں فنا ہو چکے ہیں
 اور اولیاء کو تہاب قبور میں کسی چیز پر
 قدرت ہوتی ہے۔ اور نہ جس وقت
 دنیا میں تھے اس وقت کسی چیز پر
 قدرت تھی۔ اور امداد و استمداد کا جو
 معنی میں نے ذکر کیا ہے اگر موجب
 شرک اور غیر اللہ کی طرف توجہ کو مستلزم

منع کردہ شود تو سل و طلب دعا از صالحان
 و دوستان خدا در حالت حیات
 نیز و این ممنوع نیست بلکہ مستحب و
 مستحسن است۔ باتفاق و شائع است
 در دین و اگر می گویند کہ ایشان بعد از موت
 معزول شدند و بیرون آوردند شدت ازاں
 حالت و کرامت کہ بود ایشان را در
 حالت حیات چلیست دلیل بر آن
 یا گویند کہ مشغول و ممنوع شدت با آنچه
 عارض شد از آفات بعد از ممات پس
 این کلیہ نیست و دلیل نیست بر دوام
 و استمرار آن تا روز قیامت نہایت
 آنکہ این کلیہ نباشد و فائدہ استمداد عام
 نباشد۔ بلکہ ممکن است کہ بعضی
 منجذب باشند۔ بعالم قدس و مستہامک
 باشند در لاہوت حق چنانکہ ایشان را
 شعورے و توجہ بعالم دنیا نماند باشد
 و تصرفے و تدبیرے در دین چنانکہ
 درین عالم نیز از تفاوت حال
 مجذوبان و متمکنان ظاہرے گردد نعم اگر
 زائران اعتقاد کنند کہ اہل قبور متصرف
 و مستبد و قادر اند بے توجہ بحضرت
 حق و التخب۔ بجانب تعالیٰ

ہوتا۔ جیسا کہ منکر کا زعم فاسد ہے۔ تو
 چاہیے تھا کہ صالحین سے طلب دعا
 اور توسل زندگی میں بھی ناجائز ہو نا محال نہ
 یہ بجائے ممنوع ہونے کے بالاتفاق جائز
 اور مستحسن و مستحب ہے۔ اور اگر یہ منکر کہیں
 کہ موت کے بعد اولیاء اللہ اپنے مرتبہ
 سے معزول ہو جاتے ہیں۔ اور زندگی میں
 جو فضیلت و کرامت انہیں حاصل تھی۔ وہ
 باقی نہیں رہی تو اس پر کیا دلیل ہے اور
 اگر یہ یوں کہیں کہ بعد موت کے وہ ایسی آفات
 و بلیات میں مبتلا ہوئے کہ انہیں دعا و غیر
 کی فرصت نہ رہی تو یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے
 اور نہ اس پر دلیل ہے کہ اولیاء کے لئے ابتلا
 قیامت تک رہتا ہے زیادہ سے زیادہ ہو کہا
 جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ ہر اہل قبر سے استمداد
 سود مند نہیں ہوتی بلکہ یہ بھی ممکن ہے
 کہ بعض اولیاء جذب و استغراق کی
 کیفیت میں ہوں اور عالم لاہوت کے
 مشاہدہ میں اس طرح منہمک ہوں کہ اس
 دنیا کے حالات کی طرف توجہ اور شعور نہ
 رہے پس اس دنیا میں تصرف نہ کریں جیسا
 کہ دنیا میں بھی اولیاء اللہ کے حالات
 مختلف ہوتے ہیں۔ ہاں اگر اولیاء اللہ کے

حق میں زائرین کا یہ اعتقاد ہو کہ وہ مدد کرنے میں مستقل ہیں۔ اور اللہ کی جانب میں توجہ کئے بغیر بطور خود ذاتی قدرت سے امداد کرتے ہیں۔ جیسے بعض جہلا کا عقیدہ ہے کہ وہ قبر کو تقبیل اور سجدہ کرتے ہیں اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں اور یہ تمام افعال ممنوع اور حرام ہیں۔ اور ناواقف عوام کے افعال کا کوئی اعتبار نہیں۔ اور وہ خارج از بحث ہیں اور عارف بشریعت و عالم باحکام دین ان تمام منکرات سے سخت بیزار ہیں اور مشائخ اور اہل کشف سے ارواح کاملہ سے استفادہ کے بارے میں جو کچھ مروی ہے وہ حصر سے خارج ہے اور ان کتابوں میں مشہور اور مذکور ہے۔ حاجت نہیں کہ ہم اس کا ذکر کریں۔ اور ممکن ہے کہ وہ منکر متعصب کو فائدہ نہ دے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس بد عقیدگی سے محفوظ رکھے۔

یہ گفتگو از روئے شریعت ہے
ہاں زیارت قبر میں اہل قبور کو سلام
کرنا اور ان کے لئے مغفرت کی دعا کرنا

چنانکہ عوام و جاہلان و غافلان اعتقاد دارند۔ چنانکہ می کنند آنچه حرام و منہی عنہ است در دین از تقبیل قبر و سجدہ آنرا و نماز بسوئے دے و جز آن ازاں چہ نہی و تحذیر واقع شدہ است این اعتقاد و افعال ممنوع و حرام خواهد بود و فعل عوام اعتبار سے ندارد و خارج مبحث است و حاشا از عالم بشریعت و عارف باحکام دین کہ اعتقاد بکنند این اعتقاد را دین فعل را بکنند و آنچه مروی و محکی است از مشائخ اہل کشف در استمداد از ارواح اکمل و استفادہ از ان خارج از حصر است و مذکور است در کتب و رسائل ایشان و مشہور است میان ایشان حاجت نیست کہ آنرا ذکر کنیم و شاید کہ منکر متعصب سود نہ کند اورا کلمات ایشان عافانا اللہ من ذالک۔

سخن درینجا از وجہ علم و شریعت است۔ آری مروی و مسنون در زیارت سلام بر موتی و استغفار مر ایشان را

۱۰
 اور قرآن پڑھنا مسنون ہے۔ لیکن اس سے
 استمداد کی نفی نہیں ہوتی۔ پس اہل قبور کی
 زیارت کرنا ان کی امداد اور ان سے استمداد
 زائرین کے اختلاف حال سے ہر دو کام
 جائز ہیں اور جاننا چاہیے کہ استمداد میں
 بعض علماء کا جو اختلاف ہے وہ انبیاء
 کرام علیہم السلام کے ماسوا میں ہے کیونکہ
 وہ بالاتفاق حیاتِ حقیقی دنیاوی سے زندہ
 ہیں۔ اور اولیاءِ حیاتِ اخروی و معنوی
 اس زمانہ میں ایک فرقہ ظاہر ہوا ہے جو
 ان اولیاءِ اللہ سے استمداد کا منکر ہے۔
 جو دارِ فناء سے دارِ بقا کی طرف منتقل
 ہو گئے۔ اور اللہ کی بارگاہ میں خوشحال
 اور انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ پس یہ منکر
 ان کی بارگاہ میں توجہ کرنے والوں کو مشرک
 کہتے ہیں۔ اور بت پرستوں میں شمار کرتے
 ہیں۔ اور جو منہ میں آتا ہے کہتے ہیں
 مدت سے اس مسئلہ کی تحقیق اور تفصیل
 کا دل میں خیال تھا اور اب اللہ تعالیٰ
 کی توفیق سے میں نے اس کو تحریر کیا۔
 تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اے اللہ
 ہمیں حق دکھلا۔ اور اس کی اتباع کی توفیق
 دے اور باطل کے بطلان کو ہم پر ظاہر کر

وقرات قرآن است و لیکن درینجا نہی
 از استمداد نیست پس زیارت برائے
 امداد موقتی را و استمداد از ایشاں
 ہر دو باشد۔ بر تفاوت حال زائر
 و مزور و باید دانست کہ خلاف در
 غیر انبیاء است۔ صلوات اللہ علیہم اجمعین
 کہ ایشاں اجیاد اند۔ حیاتِ حقیقی دنیاوی
 باتفاق و اولیاءِ حیاتِ اخروی معنوی
 و کلام درین مقام بحراطناب تطویل
 کشید بزعم منکراں کہ در قرب این زمان
 فرقہ پیدا شدہ اند کہ منکر اند استمداد و
 استعانت را از اولیاءِ خدا کہ نقل کردہ
 شدہ اند ازین دار فانی بدار بقا و زندہ
 اند نزد پروردگار خود و مزروق اند و
 خوشحال اند و مردم را از اں شعور
 نیست و متوجہان۔ بجناب ایشاں
 را مشرک بخدا و عیدۃ اصنام می دانند
 و میگوبند آنچه میگوبند و عمر با است
 کہ تحقیق و تفصیل این مسئلہ محظور
 نماظر فاتر بود و الآن توفیق الہی بدای
 مساعدت کرد۔ واللہ الحمد اللهم
 ارنا الحق حقا و ارزقنا اتباعہ و
 ارنا الباطل باطلا و ارزقنا اجتنابہ

واللہ اعلم وعلما حکم۔

ہے۔ اور اس سے اجتناب کی توفیق دے
اور اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ اور اس کا
علم حکم ہے۔

(اشعۃ المعانی ج ۳ ص ۲۰۱)

دیگر فوائد کے علاوہ شیخ محقق کی اس عبارت
سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ استمداد اولیاء

استمداد کا انکار بدعت ہے

کا انکار گیارہویں صدی کی بدعت ہے۔ اور اولیاء اللہ سے استعانت کرنے والوں
پر شرک کا فتویٰ صادر کرنا اور اس گمراہ فرقہ کی اختراع ہے۔ جس کے بارے میں شیخ
محقق فرماتے ہیں۔ کہ وہ ان کے زمانہ کے قریب ظاہر ہوا۔ ہم نے علماء دیوبند کے
لئے عموماً اور سر فراز صاحب گھڑوی کے لئے خصوصاً تاریخ کا آئینہ پیش کر دیا۔
وہ اس آئینے میں اپنے آپ کو دیکھیں اور سوچیں کہ غیر اللہ سے استمداد کو شرک کہہ کر
انہوں نے اپنا قارورہ کس جماعت سے جا لایا ہے :-

امام رازی فرماتے ہیں:

انبیاء علیہم السلام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ
نے اس قدر علوم و معارف عطا فرمائے ہیں
جن سے وہ مخلوقات کے دلوں اور رگوں
پر تصرف کرنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ نیز
اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قدر قدرت اور
طاقت دی ہے جس سے وہ مخلوق کے
باطن پر بھی تصرف کر سکتے ہیں۔

الانبياء وهم الذين اعطاهم
الله تعالى من العلوم والمعارف
مالاجله يقدرون على التصرف
في بواطن الخلق و ارواحهم و
ايضا اعطاهم من القدره والمسكنه
مالاجله يقدرون على التصرف
في بواطن الخلق۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۸۵)

امام ابو عبد الوہاب شعرائی متوفی ۳۷۳ھ شیخ موسیٰ ابو عمران کے تذکرہ میں تحریر
فرماتے ہیں:

ابو عمران کا پر جب انکو ایک سال یا اس سے

وكان اذا ناداه مربدا

احبابہ من مسیرۃ سنۃ او اکثر۔

(لوامع الانوار فی طبقات الانبیاء ج ۲ ص ۲۱)

زیادہ عرصہ سفر کی مسافت سے پکارتا تو وہ اس کی پکار کا جواب دیتے تھے۔

اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ شیخ عبدالوہاب متقی سے نقل

فرماتے ہیں:

مرید کے دل میں کبھی ایسی بات آتی ہے جو شیخ کی توجہ کی مدد سے مرید کے دل میں پیدا ہوتی ہے جس کے سبب سے وہ مشکلات جو مرید کے وظائف اور معمولات میں پیدا ہوتی ہیں وہ حل ہو جاتی ہیں۔ اور مرید کے دل میں یہ بات اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ اپنی مشکلات میں اپنے شیخ سے اس کے حل کے لئے مدد طلب کرتا ہے اور اس کے مدد طلب کرنے پر شیخ اس کی مدد کرتا ہے خواہ شیخ قریب ہو یا بعید۔ زندہ ہو یا فوت ہو چکا ہو اور اس بات کی تائید شیخ عارف باللہ علی بن حسام الدین کے اس کلام سے ہوتی ہے جو انہوں نے اپنے مرید عبدالوہاب متقی سے کیا تھا انہوں نے فرمایا اے عبدالوہاب جب تم کو اپنے معمولات اور وظائف میں کوئی مشکل پیش آئے تو تم اپنے دل سے میری طرف متوجہ ہو کر اس کو مجھ پر پیش کرنا اور اس کے حل کے لئے مجھ سے مدد طلب کرنا خواہ میں فوت ہو چکا ہوں۔ شیخ عبدالوہاب

وقد یکون خاطر الشیخ فرہو امداد
ممد الشیخ یصل الی قلب المرید
الطالب مشتتاً علی کشف معضل
وحل مشکل حصل للمرید فی الواقعات
والواردات الربانیة وھذا الخاطر
انما یرد علی قلب المرید عند
استکشافہ ذلک باستمدادہ
من ضمیر الشیخ فینکشف و
یتبین الحال سواء کان الشیخ
حاضراً او غائباً حیاً وملتاً یدل
علیہ ما قال الشیخ المعاف باللہ
علی بن حسام الدین المتقی اسکند
اللہ بحبوحة جنتہ و تقمداہ
بلطفہ ورحمتہ یا عبدالوہاب
اذا اشکل علیک شیء من الواقعات
والواردات فاعرضہا علی بقلبک
واستکشف ذلک باستمدادک
متی ولو بعد موتی فحریب ذلک
فوحدة کما قال وھذا الخاطر یضاً

فرماتے ہیں میں نے اس بات کا تجربہ کیا اور اس کو درست پایا اور شیخ کی توجہ سے جو دل میں بات آتی ہے درحقیقت وہ بھی اللہ تعالیٰ کے تقار سے آتی ہے لیکن شیخ اپنے مرید اور اللہ سبحانہ کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

فی الحقیقة داخل تحت فاطر الحق سبحانه
لاز قلب التیخ بمثابة باب مفتوح الی
عالم الغیب هو واسطۃ بین المرید و بین الحق
سبحانہ فیصل ما د فیض علی قلب المرید
بواسطۃ انتہی کلامہ قدس سرہ۔

(لمعات التنیقح ج ۱ ص ۱۲۰)

”دیوبند“ کے مسلم اکابر سے استمداد کا ثبوت

سرفراز صاحب نے اپنی کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب پر بہت زیادہ اعتماد کیا ہے۔ اور بار بار ان کی کتابوں کے حوالے دیئے ہیں۔ اب ہم شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت سے ثابت کر دیتے ہیں کہ اہل قبور سے استمداد جائز ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

شاہ ولی اللہ ”ہمعات میں“ ”دل میں پیدا ہونے والے خیالات“ کا علاج بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

مشائخ کی ارواح طیبہ کی طرف متوجہ ہو۔ ان کے لئے سورۃ فاتحہ پڑھے یا انکی قبر کی زیارت کے لئے جائے۔ اور ان سے جذاب کی بھیک مانگے۔

بارواح طیبہ مشائخ متوجہ شود و
برائے ایشان فاتحہ خواند یا زیارت
قبر ایشان رود۔ و از آنجا انجذاب
ریوزہ کند۔

پس لامحالہ شاہ صاحب کی ان تمام عبارتوں کو جن میں انہوں نے استعانت کو شرک کہا ہے۔ استعانت بطور عبادت یا مستقل بالذات پر محمول کرنا پڑے گا ورنہ استعانت سے مراد عام ہو تو شاہ صاحب اپنی تحقیق سے خود مشرک قرار نہیں گئے۔

علماء دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ پر بہت

زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب نے سوچے سمجھے بغیر اپنی کتاب میں شاہ صاحب کی عبارتوں کا ذکر کیا ہے۔ اب ہم حضرت شاہ صاحب ہی کے کلام سے اولیاء اللہ کی امداد بعد الوصال اور ان سے امداد کے جواز پر شہادت پیش کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں:

از اولیاء مدفونین و دیگر صلیح مومنین	وصال پانے والے اولیاء اور دیگر صلیح
انتفاع و استفادہ جاری است و آئنا	مومنین سے استفادہ اور استعانت جاری
را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف	وساری ہے اور ان اولیاء و صلیح سے افادہ
مردہ ہائے سوختہ کہ این چیز با اصلا	اور امداد بھی متصور ہے۔ بخلاف ان مردوں
نسبت بائنا در اہل مذہب آئنا نیز	کے جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان
واقع نیست۔	سے یہ امور ان کے مذہب میں بھی جائز
	نہیں ہیں۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۵۰)

شاہ صاحب کے اس کلام سے معلوم ہوا کہ اولیاء سے بعد الوصال استعانت اور ان کا مدد کرنا یہ مسلمانوں کی خصوصیت ہے۔ اور امداد و امداد کا نہ ہونا یہ کفار کا خاصہ ہے۔ پس اب آپ غور فرمائیے کہ اولیاء اللہ سے استعانت کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنا قارورہ کس مذہب سے جا ملایا ہے۔ نیز شاہ صاحب کے نزدیک جن اہل قبور سے استعانت جائز نہیں۔ یہ وہ مرد ہیں۔ جن کو جلا دیا جاتا ہے۔ پس سرفراز صاحب نے اولیاء اللہ سے استعانت کو ناجائز قرار دے کر انہیں (معاذ اللہ) جملے ہوئے مردوں میں شامل کر دیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو مجروح کیا ہے۔ لاکھوں اولیاء اللہ کی توہین کی ہے۔ ناموس اسلام پر زبردست برہمنی وار کیا ہے جو کسی بھی غیرت مند مسلمان کے قابل برداشت نہیں ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

نیز حضرت شاہ صاحب موت کے بعد کی حالت بیان کرتے ہوئے

فرماتے ہیں:

وہ نماص اولیاء اللہ جنہوں نے بنی نوع
النسان کی ہدایت کے لئے اپنے آپ کو
وقف کیا ہوا ہے وفات کے بعد بھی دنیا
میں تصرف کرنے کی طاقت پاتے ہیں اور انکا
امور اخروی میں مستغرق ہونا بسبب سعادت
ادراک کے دنیا کی طرف توجہ کرنے سے مانع
نہیں ہوتا۔ اسی سلسلہ کے حضرات اپنے
باطنی کمالات ان کی طرف منسوب کرتے
ہیں اور حاکمتمندان سے حاجت طلب کرتے
ہیں اور مراد پاتے ہیں اور ان کی زبان حال
اس وقت یوں گویا ہوتی ہے کہ اگر تم بدن سے
میری طرف بڑھو گے تو میں روح سے تمہاری
طرف پیش قدمی کروں گا۔

دیوبندیوں سے عموماً اور سر فرار صاحب سے خصوصاً گزارش ہے کہ وہ شاہ صاحب
کی اس عبارت کو بغور پڑھیں اور اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں کہ دین کی جس
شاہراہ کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اس کی منزل کہیں وہاں نہ سفر تو نہیں
ہے۔ اولیاء سے استعانت کو شرک کہہ کر انہوں نے عہد صحابہ سے لے کر آج
تک کے تمام صلحاء کو مشرک بنا ڈالا اور اس طرح وہ اب سفر آخرت کے اس راستہ
میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ اور جو بکری گلہ سے علیحدہ ہو جاتی ہے اس کا کیا انجام
ہوتا ہے۔ یہ اہل خرد اور زبان رسالت سے آشنا حضرات کی نظر سے مخفی نہیں
ہے۔ بہر حال ابھی تو یہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ دنیاوی جھوٹے وقار کی خاطر ہمیشہ
کی ذلت کو اختیار کر لینا بڑے خسارے کا سودا ہے۔

و بعضے از خواص اولیاء اللہ را کہ
آلہ جارتھ تکمیل و ارشاد بنی نوع خود گردانید
اند دریں حالت ہم تصرف در دنیا
دادہ و استغراق آنها بہ بہت کمال
وسعت مدارک آنها مانع توجہ بایں
سمت نمے گردد و اویسیاں تحصیل
کمالات باطنی از آنها مے نما نید و
ارباب حاجات و مطالب حل
مشکلات خود از آنها مے طلبند و
مے یا بند و زبان حال آنها در آنوقت بہم
مترجم بایں مقالات است۔ مصرعہ
”من آیم۔ بجاں گر تو آئی بہ تن“
(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۱۳)

صی صلائے عام سے یارانِ نکتہ واں کے لئے۔

یہی شاہ عبدالعزیز صاحب اقر با اسم ربک کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ باقی باللہ رحمہ اللہ نے نانباتی سے خوش ہو کر فرمایا: خواہ چہ بخواہی او عرض کرد کہ مرآئیں خود بسازید فرمودند تحمل ایں حالت نمی توانی کرد چیزے دیگر خواہ او برہمیں سوال اصرار داشت و خواجہ اعراض می فرمودند تا آنکہ طجاج اول بسیار شد ناچار اورا در حجرہ بردند و تا تیسر اتحادی برو سے کردند چوں بر حجرہ بر آمدند در میان خواجہ و در میان نانباتی در صورت و شکل یہی فرق نمایندہ بود مردم را امتیاز مشکل اتقاد این قدر بود کہ حضرت خواجہ ہشیار بودند و اک نانباتی مدہوش دبے خود۔

مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا ہم شکل بنا دیتے تھے۔ فرمایا تو اسکو بروا نہ کر سکے گا۔ اور کچھ مانگ لے۔ اس نے اسی سوال پر اصرار کیا۔ اور خواجہ اعراض فرماتے رہے پس جب اس کا اصرار بہت بڑھا تو آپ اندر لے گئے اور اس پر توجہ کی۔ جب باہر آئے تو دونوں کی شکل و صورت میں فرق نہ تھا۔ اور لوگوں کو امتیاز کرنا مشکل ہو گیا۔ بس اتنا فرق تھا کہ حضرت خواجہ ہشیار تھے اور نانباتی مدہوش اور دبے خود تھا۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۲۵)

اب آپ سرفراز صاحب کی تحقیق پر غور کریں جو کہتے ہیں کہ جو امر عادتہ بس اور اختیار میں ہو۔ اس کو مانگنا جائز ہے۔ اور جو عادتہ بس اور اختیار میں نہ ہو۔ یعنی خلاف عادت ہو۔ اس کو مانگنا شرک ہے۔ تو کیا ”ہم مثل“ بنا دیتا خلاف عادت نہیں ہے اگر ہے تو وہ نانباتی مشرک اور حضرت خواجہ باقی باللہ مشرک کو ثابت کرنے والے ہوئے۔ اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا؟ اور اگر ہم مثل بنا دیتا خلاف عادت نہیں ہے تو کیا سرفراز صاحب بھی کسی کو اپنا ہم مثل بنا سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ سرفراز صاحب جہل اور عناد کی وجہ سے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز

اور تمام اکابر اسلام کے گلوں پر شرک کی خنجر رکھ دیں۔ مگر اس کو کیا کریں کہ شرک کی یہ تلوار اکابر دیوبند کو بھی نہیں بخشتی۔

آئیے اب ہم آپ کو دکھاتے ہیں کہ امداد اور استمداد کے بارے میں اہل بدعت کے صنایع اور جغادری قسم کے اہل علم حضرات نے کیا لکھا ہے۔
اشرف علی تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ محمد الشیشینی متوفی ۶۶۷ھ کے بارے میں لکھتے ہیں:

”آپ کی کرامتوں میں یہ بھی ہے کہ آپ کا ایک خادم راستہ میں کسی لقمہ و دق جنگل میں جا پہنچا اور اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا تو اس نے ان سے امداد چاہی اور چلا تو ایک شخص کو محسوس کیا جو کچھ کہہ رہا ہے کہ یہ راستہ تو راستہ پر پہنچ گیا“ (جمال الاولیاء ص ۱۳۶)

اس واقعہ میں تھانوی صاحب نے صاف لکھ دیا ہے محمد شیشینی کے مرید نے عین ہلاکت کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع نہیں کیا بلکہ اپنے شیخ سے مدد چاہی۔ دیکھئے آپ کے قواعد کے مطابق کیسا شرک صریح ہے اور منبع ہیں تھانوی صاحب۔

اسماعیل دہلوی کے پیر و مرشد سید احمد بریلوی متوفی ۱۲۶۶ھ کے بھانجے اور خلیفہ مجاز سید محمد علی سفر جج کے دوران کا ایک واقعہ لکھتے ہیں:

دریں منزل قریب نصف شب
بوادی سرف کہ مزار فاض الانوار ترمغی
جناب میمونہ علیہا و علیٰ علیہا الصلوٰۃ
والسلام من اللہ الملک العلم رسیدیم
از اتفاقات عجیبہ آنکہ آں روز یصبح
طعام نخوردہ بودم چون از خواب
آں وقت بیدار شدم از غایت گرسنگی
اثناء سفر میں آدھی رات کے وقت ہم
لوگ وادی سرف پر پہنچے جہاں ام المؤمنین
سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا کا مزار پرا توار ہے
اتفاق کی بات ہے کہ اس دن میں بالکل
بھوکا تھا اور جب صبح آنکھ کھلی تو بھوک سے
بالکل بے دم ہو چکا تھا اور میرے چہرہ
کا چاند گہنا چکا تھا صرف ایک روٹی کے

طاقم طاق و بدر رویم در محاق بود
 بطلب نان پیش ہر کس دویدیم بطلب
 ز سیدم بناچار برائے زیارت در
 حجرہ مقدسہ رفق و پیش تربت شریفہ
 گدایانہ ندا کردہ گفتم ای جدہ امجدہ من
 مہمان شما ہستم چیزے خوردنی عنایت
 فرما ورا محروم از الطاف کریمانہ خود
 قما انگاہ سلام کردم و فاتحہ و اخلاص
 خواندہ ثوابش بردج بر فتوحش فرستادم
 انگاہ نسستہ بر قبرش بادہ بودم از
 رزاق مطلق و دانائے برحق و خوشہ
 انگور تازہ بدستم افتادہ طرفہ تر آنکہ
 آں ایام سرما بود و یسبح جا انگور تازہ
 عیسر نبود بحیرت افتادم و یکے ازاں
 ہر دو خوشہ ہمون جانشتہ تناول
 نمودہ از حجرہ بیرون شدم و یک یک
 دانہ بر یک تقسیم کردم و گفتمے

یافت مریم گوہر گام شستا
 میوہ ہائے جنت از فضل خدا
 ایں کرامت در حیاتش بود و بس
 بعد فوتش نقل نمود است کس
 بعد فوت زوج ختم المرسلین
 رفتہ چندیں قرنہا ای دور میں

حصول کے لئے ہر کسی کے پاس دوڑا
 مگر کہیں سے مطلوب حاصل نہ ہوا۔ مجبور
 ہو کر ام المومنین کے روضہ مقدسہ پر حاضری
 دی اور آپ کی قبر انور سے رزق کی بھیک
 مانگی اور کہا اے میری دادی جان میں آپ
 کا مہمان ہوں کھانے کے لئے کوئی چیز
 عنایت فرمائیے اور مجھ کو اپنے لطف و
 کرم سے محروم نہ فرمائیے۔ پھر میں نے
 سلام عرض کیا سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص
 پڑھ کر اس کا ثواب آپ کی روح مبارک
 کو پہنچایا۔ میں آپ کی قبر انور پر اپنا سر رکھا
 ہوا تھا ناگاہ اللہ تعالیٰ نے تازہ انگوروں کے
 دو خوشے میرے ہاتھوں میں ڈال دیئے
 عجب تماشا یہ تھا کہ ان دونوں موسم سرما تھا
 اور کسی جگہ اس وقت تازہ انگور دستیاب
 نہ تھے۔ انتہائی حیرت ہوئی ان انگوروں میں سے
 کچھ وہیں کھائے اور کچھ حجرہ مقدسہ سے باہر جا کر
 تقسیم کئے اور یہ اشعار پڑھے۔

اگر حضرت مریم نے موسم سرما میں جنت کا
 میوہ فضل خدا سے پالیا ان کی یہ کرامت فقط
 انکی زندگی میں تھی انکے وصال کے بعد کسی سے
 یہ کرامت منقول نہیں۔ حضور کی زوجہ کے
 وصال کو کتنی صدیاں گذر چکی ہیں۔

دیکھو اس کے باوجود میں نے ان سے اس
کرامت کو پایا اور مایہ صد افتخار نعمت کو حاصل
کیا۔

بگراڑو سے اس کرامت یا نعمت
مایہ صد گونہ نعمت یا نعمت
(مخزن احمدی ص ۹۹)

اس طویل اقتباس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ قضائے حاجت کے لئے قبر پر جانا
صاحب قبر سے رور و کر مطلب بر آری کے لئے درخواست کرنا جائز ہے اور
تمام اہل دیوبند کے مسلم مقتدار سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز محمد علی کو جب دنیا
میں کہیں سے کھانے کو کچھ نہ ملا تو سیدنا امام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کی قبر سے ملا
اور یہ کہ سید احمد بریلوی کے خلیفہ مجاز نے قبر پر آ کر فاتحہ بھی پڑھی ندا بھی کی، سلام
بھی پڑھا اور بطور فوق الا سباب امور استمداد بھی کی۔ اور یہ تمام باتیں وہ ہیں کہ اگر
اہل سنت ان میں سے کسی ایک کو بھی کر لیں تو دیوبندی حضرات ان کو مشرک اور
بدعتی سے کم نہیں کہتے۔

اسماعیل دہلوی متوفی ۱۲۲۸ھ اپنے شیخ سید احمد کی شان میں لکھتے ہیں:
» اور آنجناب ہدایت مآب کی توجہات کے لئے میں سے
جناب حضرت نعوش الثقلین اور جناب حضرت خواجہ بہاؤ الدین
نقشبند کی روح مقدس آپ کے متوجہ حال ہوئیں اور قریباً ایک ماہ
تک آپ کے حق میں ہر دو رو عین مقدس کے باہن فی الجملہ تنازع رہا
کیونکہ ہر ایک ان دونوں عالی مقاموں میں سے اس امر کا تقاضا کرتا تھا
کہ آپ کو بتمامہ اپنی طرف جذب کرے تا آنکہ تنازع کا زمانہ گزارنے
اور شرکت پر صلح کے واقع ہونے کے بعد ایک دن ہر دو مقدس
روحیں آپ پر جلوہ گر ہوئیں اور قریباً ایک پہر کے عرصہ تک وہ
دونوں امام آپ کے نفس نفیس پر توجہ قوی اور پُر زور اثر ڈالتے
رہے۔ پس اسی ایک پہر میں ہر دو طریقہ کی نسبت آپ کو
نصیب ہوئی «

اور نسبتِ پشتیہ کا بیان اس طرح ہے:

”کہ ایک دن آپ حضرت خواجہ خواجگان خواجہ قطب الاقطاب
بختیار کاکی قدس سرہ العزیز کی مرقد منورہ کی طرف تشریف لے گئے
اور ان کی مرقد مبارک پر مراقب ہو کر بیٹھ گئے۔ اسی اثناء میں ان
کی روح پر فتوح سے آپ کی ملاقات ہوئی اور آنجناب یعنی
حضرت قطب الاقطاب نے آپ پر نہایت قوی توجہ کی اس
توجہ کے سبب سے ابتداءً حصول نسبتِ پشتیہ کا ثابیت
ہو گیا“ (صراطِ مستقیم ص ۲۲۲)

اس اقتباس سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوئے۔

۱۔ غوث کے معنی ہیں فریاد رس اور اس عبارت میں اسماعیل دہلوی نے شیخ
سید القادر جمیلانی قدس سرہ کی ذات پر غوث الثقلین کا اطلاق کیا ہے
جس کا مطلب ہے کہ اسماعیل دہلوی نے مان لیا کہ شیخ قدس سرہ تمام
جن وانس کے فریاد رس ہیں۔ اور ہر شخص جب مصیبت میں انہیں پکارے
تو اس کی فریاد کو پہنچتے ہیں۔

۲۔ اس عبارت میں اس بات کی تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی ارواح جہاں ہیں تصرف
کرتی ہیں چنانچہ حضرت غوث اعظم اور خواجہ بہاؤ الدین قدس سرہا نے سید احمد
کے قلب پر تصرف کیا۔ (دروع برگردن راوی)

۳۔ اس عبارت میں اس بات کی بھی تصریح ہے کہ اولیاء اللہ کی قبور سے کسب
فیض حاصل کرنا اور ان سے مدد چاہنا جائز ہے۔ چنانچہ تمام اہل دیوبند
کے مقتدا سید احمد بریلوی فیض حاصل کرنے کے لئے خواجہ بختیار کاکی
کے مرقد النور کی طرف چل کر گئے۔ ان سے فیض مانگا اور بقول اسماعیل دہلوی
سید احمد نے خواجہ قدس سرہ سے فیضان کی بھیک مانگی۔
جعفر نقاشی سری سید احمد کی شان میں لکھتے ہیں:

”ایک ستیاچ پانی پتی کا بیان ہے کہ جب آپ پانی پت میں پہنچے تو میں مرض گنٹھیا میں مبتلا ہو کر بے دست و پا ہو رہا تھا۔ اپنے بستر پر سے اٹھ نہیں سکتا تھا۔ جب میرے کچھ نصیب چمکے تو سید صاحب سے دوچار ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ اے جوان اٹھ اور ہمارے ساتھ جہاد کے واسطے چل میں فوراً اسی وقت اچھا ہو گیا گویا کبھی مریض ہی نہیں ہوا تھا۔ اور آپ کے ساتھ ہولیا اور بہت سے معرکوں میں شریک جہاں رہا“

(حیات سید احمد شہید ص ۱۷۲)

یہ عبارت کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے اس کے نیور صاف بتلا رہے ہیں کہ سید احمد کو کس طرح خدائی اختیار حاصل تھے اور وہ امور ما فوق الاسباب میں کس طرح تصرف کرتے تھے۔

عاشق الہی میرٹھی رشید احمد گنگوہی کی شان میں لکھتے ہیں:

”حضرت مولانا صادق الیقین صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک بار سخت علیل ہوئے۔ واقفین احباب بھی یہ خبر سُن کر پریشان ہو گئے اور حضرت سے عرض کیا کہ دعا فرمادیں حضرت خاموش رہے اور بات کو طال دیا اور جب دوبارہ عرض کیا گیا تو آپ نے تسلی دی اور یوں فرمایا میاں وہ ابھی نہیں مریں گے اور اگر مریں گے تو میرے بعد۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا“

اس سے پہلے ایک واقعہ یہ بھی لکھا ہے:

مد صوفی کرم حسین صاحب خانقاہ میں مقیم تھے کہ ایک روز دفعۃً ان کی پسلی میں سخت درد اٹھا گھبرائے ہوئے طبیب روحانی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کرب و تکلیف کا اظہار کیا۔ حضرت اس وقت غسل خانہ کی جانب جا رہے تھے چلتے ہی چلتے فرمایا ”انشاء اللہ

جاتا رہے گا اور نہ ہوگا، حضرت کی زبان مبارک سے غالباً یہ الفاظ پورے نہ نکلے تھے کہ یک لخت درد جاتا رہا اور الحمد للہ اب تک پھر کبھی نہیں ہوا، (مذکرۃ الرشید ج ۲ ص ۲۰۹)

عاشق الہی میرٹھی نے گنگوہی صاحب کے جو یہ دو واقعات ذکر کئے ہیں۔ ان میں مافوق الاسباب امور میں گنگوہی صاحب سے استمداد بھی ہے ان کی علی الفول امداد بھی ہے اپنی اور دوسروں کی موت کا علم بھی ہے اور وہ کیا کچھ نہیں ہے جس کو دیوبندی حضرات انبیاء اور اولیاء کے حق میں شرک کہتے نہیں تھکتے۔

اور اشرف علی صاحب تھانوی متوفی ۱۳۶۲ھ محمد یعقوب نانوتوی صدر مدرس مدرسہ دیوبند کے بارے میں لکھتے ہیں؛

”مولوی معین الدین صاحب نے جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے بڑے صاحبزادے تھے وہ حضرت مولانا کی ایک کرامت (جو بعد وفات واقع ہوئی) بیان فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ ہمارے نانوتہ میں جاڑہ سحار کثرت سے ہوئی تو جو شخص مولانا کی قبر سے مٹی لے جا کر باندھ دیتا اسے ہی آرام ہو جاتا۔ پس لوگ اس کثرت سے مٹی لے گئے کہ جب بھی قبر پر مٹی ڈالوں تب ہی ختم۔ کئی مرتبہ ڈال چکا۔ پریشان ہو کر ایک دفعہ میں نے مولانا کی قبر پر جا کر کہا (یہ صاحبزادہ بہت تیز مزاج تھے) کہ آپ کی تو کرامت ہوئی اور ہماری مصیبت ہو گئی۔ یاد رکھو اب کے اگر کوئی اچھا ہوا تو ہم مٹی نہ ڈالیں گے ایسے ہی پڑے رہتو۔ لوگ جوتا پہنے تمہارے اوپر سے ہی چلیں گے بس اسی دن سے پھر کسی کو آرام نہ ہوا۔ جیسے شہرت آرام کی ہوئی ویسے یہ شہرت ہو گئی کہ اب آرام نہیں ہوتا پھر لوگوں نے مٹی لے جانا ہی بند کر دیا، (حکایات اولیاء ص ۳۷۵)

اس حکایت سے معلوم ہوا کہ محمد یعقوب نانوتوی قبر میں لوگوں کا

کلام بھی سنتے تھے اور تصرف بھی کرتے تھے جب تک ان کے صاحبزادہ نے چاہا
لوگوں کو بطور مافوق الاسباب نفع دیتے رہے اور جب ان کے صاحبزادہ
نے لوگوں کو نفع پہنچانے سے روک دیا تو فیض کا یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔ گویا یعقوب
نانو تو ی مافوق الاسباب طور پر نفع اور ضرر دونوں کو پہنچانے پر قادر تھے۔

سید احمد بیہلوی سے لے کر یعقوب نانو تو ی تک تمام اکابر دیوبند پر نظر ڈالنے
سب ہی پیر مرید آپ کو امداد اور استمداد کے رنگ میں رنگے ہوئے نظر آئیں گے
اور انہی معمولات کو جب اہل سنت اولیاء اللہ، انبیاء اور خصوصاً سیدالانبیاء
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جائز اور ثابت کہیں تو یہ لوگ ان امور کو شرک سے
کم نہیں کہتے۔ اب سرفراز صاحب سے ایک ہی گزارش ہے کہ کیا تو وہ انبیاء اور
اولیاء سے استمداد کو جائز مان لیں اور اپنے قول باطل سے رجوع کر لیں یا پھر ان تمام
اکابر دیوبند کو جنہوں نے استمداد کی ہے اور اس کو اپنے اقوال سے ثابت مانا
ہے نذر جہنم کیجئے۔

من نہ گویم کہ این نہ کن کن کن!
مصلحت میں و کار آساں کن

سرفراز صاحب کا وجہ فاسد سے استدلال اور ان کے جوابات

سرفراز صاحب استمداد کو باطل کرنے کے لئے لکھتے ہیں:

۔ جو تفسیر اور احتمال ایسا کہ فتعین کا انہوں نے بیان کیا ہے بعینہ
وہ ایسا کہ نعبد میں بھی جاری ہو سکتا ہے۔ مثلاً ایک شخص حضرات
انبیاء کرام اور اولیاء عظام علیہم السلام کو سجدہ کرتا ہے۔ یا مناس
روزہ اور قربانی وغیرہ ان کے نام کی ادا کرتا ہے۔ اور یہ خیال کرتا
ہے کہ درحقیقت تو میں عبادت بواسطہ یا بے واسطہ صرف اللہ تعالیٰ
ہی کی ادا کرتا رہا ہوں۔ مگر ان حضرات کو صرف تقرب الہی کا منظر

سمجھتا ہوں۔ تو کیا یہ تفسیر صحیح ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر غیر اللہ کی عبادت کیوں نا درست ٹھہری۔ اور کس دلیل سے۔ اور اگر غلط ہے تو غیر اللہ سے استعانت کا عقیدہ کیونکر حق قرار پایا۔ اور اس استعانت کو غلط کہنا کیسے عقیدہ باطلہ ٹھہرایا، (تنقید متین ص ۲۷)

سرفراز صاحب کا یہ استدلال باطل اور مردود ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

من قام اور عفتی صلاۃ فلینصف
ولیتوضاً ولین علی صلاتہ ما لم
یتکلم۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جسے نماز میں قے آگئی یا اس کی نکیر پھوٹ گئی وہ نماز چھوڑ کر وضو کرے اور اپنی نماز پر بنا کر لے لے۔

(بحوالہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۸)

اس فرمان میں دو حکم ہیں۔ ایک وضو کرنے کا۔ دوسرا نماز پر بنا کر لے کا۔ پس واجب ہے۔ اور دوسرا مباح۔ لیکن سرفراز صاحب کی دلیل سے لازم آئے گا کہ دونوں کا حکم ایک جیسا ہو یا وضو بھی جائز اور مباح ہو اور یا بنا بھی واجب ہو۔ ثانیاً سرفراز صاحب کا یہ استدلال اس باطل قاعدہ سے مستعار ہے کہ قرآن فی الذکر قرآن فی الحکم کو مستلزم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ جب دو چیزوں کا ذکر مقرون ہو تو ان کا حکم بھی ایک ہی ہو۔ حالانکہ اہل سنت کے نزدیک یہ قاعدہ باطل اور مردود ہے۔

ملا عبد العفور لکھتے ہیں:

۱۔ بنا کا مطلب ہے کہ وضو ٹوٹنے کے وقت نماز جس جگہ سے چھوڑی تھی وضو کر کے وہیں نماز شروع کرنا یہ جائز اور مباح ہے لیکن افضل یہ ہے کہ از سر نو نماز پڑھے ۱۲ منہ

۲۔ جب دو چیزوں کو ایک ساتھ ذکر کریں تو دونوں کا حکم بھی ایک ہو یہ شافعی حضرات کا قاعدہ ہے جو احناف کے نزدیک صحیح نہیں ہے ۱۲ منہ

یہ سوال نہ کیا جائے کہ حضور کے حکم "بنا کرو" میں امر بالاتفاق اباحت کے لئے ہے۔ پس اسی طرح اس کے ساتھ "وضو کرو" کا حکم بھی مباح ہونا چاہئے۔ کیونکہ ہم (احناف) کہتے ہیں کہ قرآن فی الذکر قرآن فی المحکم کو مستلزم نہیں ہوتا۔

لا يقال الامر في قوله وليبين
للإباحة بالاتفاق فكذا ما
قارنه لانا نقول القرآن في
الذکر لا يدل على القرآن
في المحکم۔

(عاشیہ ہدایہ ج ۱ ص ۸)

صاحب منار نے قرآن فی الذکر کو وجوہ فاسدہ سے شمار کیا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

وقيل ان القرآن في النظم مجرد
الواد يوجب القرآن في المحکم۔
بعض لوگوں نے کہا کہ قرآن فی الذکر قرآن فی المحکم
کو واجب کرتا ہے۔

اور ملا جیون رحمہ اللہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:

وهذا وجد رابع من الوجوه الفاسدة۔
(نور الانوار ص ۱۶۱)
اور یہ وجوہ فاسدہ میں سے چوتھی قسم
ہے۔

کیا سرفراز صاحب کا فریب اب بھی مخفی رہے گا؟ کیا دیدہ بینا پر یہ امر آفتاب
سے زیادہ واضح نہیں ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا استدلال وجوہ فاسدہ پر مبنی
ہے۔ اور جس کا معنی فاسد ہو۔ وہ فاسد نہیں تو اور کیا ہوتا ہے۔

مثالثاً علامہ بیضاوی عبادت کو استعانت پر مقدم کرنے کی وجہ بیان فرماتے
ہیں کہ عبادت مدد حاصل کرنے کے لئے وسیلہ ہے اور وسیلہ مقصود پر مقدم
ہوتا ہے۔

عبادت کو استعانت پر اس لئے مقدم کیا
گیا تاکہ رعایت فواصل ہو۔ اور اس سے یہ بھی
معلوم ہوا کہ وسیلہ کو مقصود پر مقدم کرنا مقبولیت کے
زیادہ قریب ہے۔ (تفسیر بیضاوی ص ۷)

وقدمت العبادة على الاستعانة
ليتوافق رؤس الآية ويعلم مند
ان تقديم الوسيلة على طلب الحاجة
ادعى الى الاجابة۔

قرآن فی الذکر وجوہ سے فاسدہ ہے

پس جب ثابت ہو گیا کہ اس مقام پر عبادت اور سبب اور استعانت سبب ہے تو ظاہر ہو گیا کہ دونوں کا حکم ایک نہیں ہو سکتا۔

رابعاً چلئے ہم خود سرفراز صاحب سے منوائے دیتے ہیں کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک نہیں ہے۔ تنقید متین ص ۲۸ پر انہوں نے تسلیم کیا ہے۔ کہ زندہ اور قریب سے امور عادیہ میں استعانت جائز ہے۔ اور اس کو وہ ظاہری استعانت کہتے ہیں۔ حالانکہ زندہ اور قریب کی ظاہری عبادت تو کسی طرح جائز نہیں۔ پس اب اگر عبادت اور استعانت دونوں کا ایک حکم نہیں تو جس طرح ظاہری استعانت بالغیر بقول ان کے جائز ہے تو ظاہری عبادت بالغیر بھی جائز ہونی چاہیے اور اگر ظاہری عبادت بالغیر ناجائز ہے تو ان کو ظاہری استعانت بالغیر سے بھی ہاتھ دھو لینے چاہئیں۔

پس اگر وہ اس ظاہری استعانت کو شرک قرار دیں تو خود مشرک ہوتے ہیں۔ اور اگر یہ ظاہری استعانت جائز ہو تو ان کا قاعدہ ٹوٹتا ہے۔ اور ثابت ہوتا ہے کہ عبادت اور استعانت دونوں کا حکم ایک ہی طرح نہیں ہے۔ کیونکہ غیر اللہ سے ظاہری استعانت جائز ہے اور غیر اللہ کی عبادت ظاہری باطنی، حقیقی، مجازی کسی طرح جائز نہیں ہے۔ صہیونی تحریف کے سہارے دیوار بنانے والوں کی عمارت کا یہی حال ہوتا ہے۔ جھوٹ کا محل کسی وقت بھی گر کر جھوٹے کو پیوند زمین کر دیتا ہے۔

سرفراز صاحب محاسبہ سے بے خوف ہو کر من مانی تفسیروں سے روح قرآن پر زندہ چلا رہے تھے۔ لیکن اب ان کا یوم حساب آپہنچا ہے۔ انہوں نے قرآن میں جس قدر تحریفات کی ہیں۔ ایک ایک کر کے ان کا مواخذہ ہو گا۔ نشہ گراہی میں سرمست قلم توڑ دیا جائے گا۔ اور ان کی مجرمانہ خیانتوں پر عبرتناک تعزیر دی جائے گی۔

منظر افعال و صفات | حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمایا کہ آلات
خدا م اجاب وغیرہ عون الہی کے منظر ہیں۔ نیز فرمایا:

مقربان حق کی امداد، امداد الہی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں:
» اسی طرح مولانا نعیم الدین صاحب کا یہ لکھنا کہ کیونکہ مقربان حق
کی امداد، امداد الہی ہے۔ استعانت بالغیر نہیں۔ سراسر مردود ہے۔
کیونکہ جب ان مقربان حق کا وجود پروردگار کے وجود کا غیر ہے اور
وہ غیر اللہ ہیں تو یہ استعانت بالغیر کیوں نہیں۔ ہاں یہ کہ عیسائیوں
کی طرح معاذ اللہ ان کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں گڈ مڈ کر دیا جائے۔ اور
اثنینت ختم کر دی جائے۔ تو معاملہ الگ ہے۔ (تنقید متین ص ۲۹)

الجواب۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرمانا ہے:

فَلَمَّا أَتَاهَا نُودِيَ مِنْ شَاطِئِ
الْوَادِي الْأَيْمَنِ فِي الْبُقْعَةِ الْمُبَارَكَةِ
مِنَ الشَّجَرَةِ أَنْ يَمُوسَىٰ أُنِّي أَنَا اللَّهُ
رَبُّ الْعَالَمِينَ ط

ترجمہ تھانوی صاحب کا ہے

اب تو کیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو درخت میں گڈ مڈ کر لیا اور اثنینت
ختم کر دی۔ یا صدر الافاضل کی بات پر ایمان لا کر کیئے کہ درخت کلام الہی کا منظر
تھا۔ اور درخت سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنائی دے رہا تھا۔

حدیث شریف میں ہے:

فَإِذَا اجْتَدَه فَكُنْتَ سَمْعًا
الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ وَبَصَرًا
الَّذِي يَبْصُرُ بِهِ وَوَيْدَةً
الَّتِي يَبْطِشُ
بِهَا وَرَجُلًا
الَّذِي يَمْشِي بِهِ.

پس جب میں اپنے بندے کو محبوب
بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں
جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں
ہو جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ اور

(الحديث)

اسکے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے

(مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

اور پیر ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔

اب ذرا سرفراز صاحب سے پوچھیے کہ اگر حق تعالیٰ کے انماں و صفات کا مظہر ہونا۔ عیسائیت اور آئینیت کو ختم کر دینا اور ذات کو گڈا کر دینا ہے تو یہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بندہ محبوب کو اللہ تعالیٰ کے تشریفات کا مظہر قرار دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ کا ارشاد ہے۔ کیا یہ عیسائیت کی تعلیم ہے۔ ممکن ہے گھڑوی صاحب کے ذہن میں مظہر بیت کے نملاؤں کو ٹی اور مہنی راہ پائے۔ پس ہم اتمام حجت کے لئے اس حدیث کے ذیل میں انور شاہ کشمیری کے کلام کو پیش کرتے ہیں وہ اسی حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

جب درخت سے میں اللہ ہوں کی آواز آ سکتی ہے تو نقلی عبادت کرنے والے کا کیا حال ہوگا۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سمع و بصر کا مظہر نہ ہو سکے اور اللہ تعالیٰ کا اپنے مقرب بندوں کی سمع و بصر ہو جانا ایسی صورت میں کیونکر محال ہو سکتا ہے جب کہ وہ ابن آدم جو رحمن کی صورت پر پیدا کیا گیا۔ شرف و کمال میں شجر موئی سے کسی طرح کم نہیں۔

فاذا صح الشجرة ان ينادى فيها باني انا الله فما بال المتصوف بالنوافل ان لا يكون الله سبعة وبصره كيف وان ابن ادم الذي خلق على صورة الرحمن ليس بادون من شجرة موسى عليه السلام -

(فيض الباری ج ۲ ص ۲۲۹)

ابہ آپ کو اجازت ہے کہ پورے شرح صدر سے مظہریت خداوندی کو عیسائیت قرار دے کر انور شاہ کشمیری کو جہنم میں پہنچا دیجئے۔ یہ کیسا ظلم ہے کہ جو بات آپ کے سلف کی کتابوں میں موجود ہے وہ سب ایمان و عرفان رہے اور وہی بات اگر ہمارے اسلاف بیان فرمائیں۔ تو کفر و شرک ہو جائے۔ مزید توضیح کے لئے امام فخر رازی متوفی ۶۰۶ھ کا وہ نورانی بیان ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اسی حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

اور یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مقربین کی آنکھوں کانوں بلکہ تمام اعضاء میں غیر اللہ کے لئے کوئی حصہ باقی نہیں رہا اس لئے کہ اگر یہاں اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے حصہ باقی رہا ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ یہ کبھی نہ فرماتا کہ میں اس کی سمیع اور بصر ہو جاتا ہوں۔

آگے چل کر فرماتے ہیں:

اور اسی لئے حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ خدا کی قسم میں نے خمیر کا دروازہ جسمانی قوت سے نہیں اکھاڑا بلکہ ربانی قوت سے اکھاڑا تھا۔ اور اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اس وقت حضرت علی کی نظر عالم اجساد سے منقطع ہو چکی تھی۔ اور ملکی قوتوں نے حضرت علی کو عالم کبریا کے نور سے چمکادیا تھا جس کی وجہ سے ان کی روح قوی ہو کر ارواح ملکیت کے جواہر سے مشابہ ہو گئی تھی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ انہیں وہ قدرت حاصل ہو گئی جو ان کے غیر کو حاصل نہ تھی۔ اور اسی طرح جب کوئی بندہ نیکیوں پر ہمیشگی اختیار کرتا ہے تو اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کنت لہ سمعاً و بصرافرمایا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ کے جلال کا نور اس کی سمیع ہو جاتا

وهذا الخبر يدل على انه لم يبق في سمعهم نصيب لغير الله ولا في بصرهم ولا في سائر اعضاءهم اذ لو بقي هناك نصيب لغير الله تعالى لما قال انا سمع و بصره۔

ولهذا قال علي بن ابي طالب كرم الله وجهه ما قلعت باب خبير بقوة جسدياته ولكن بقوة ربانية وذلك لان عليا كرم الله وجهه في ذلك الوقت انقطع نظره عن عالم الاجساد و اشرفت الملكة بانوار عالم الكبرياء فتقوى روحه و تشبه بجواهر الارواح الملكية وتلاوات فيه اضواء عالم القدس والعظمة فلا حرم حصل له من القدرة ما قدس بها علي ما لم يقدر عليه غيره وكذلك العبد اذا واظب على الطاعات بلغ المقام الذي يقول كنت له سمعاً

ہے تو وہ قریب اور دور کی آوازوں کو سن
سکتا ہے اور جب نور اس کی بصر ہو جاتا ہے
تو وہ دور و نزدیک کی چیزوں کو دیکھ لیتا ہے
اور جب نور جلال اللہ کا ہاتھ ہو جائے تو
وہ بندہ مشکل اور آسان دور اور قریب چیزوں
میں تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے۔

وَبَصَرًا إِذَا صَارَ نُورًا جَلالَ اللَّهِ سَمْعًا
لَهُ سَمِعَ الْقَرِيبَ الْبَعِيدَ إِذَا صَارَ
ذَلِكَ النُّورَ بَصَرًا لِرَأْيِ الْقَرِيبِ
الْبَعِيدِ وَإِذَا صَارَ ذَلِكَ النُّورَ إِذْ لَمْ يَلِدْ
عَلَى النَّصْرِ فِي الصَّعْبِ السَّهْلَ الْبَعِيدَ التَّقْرِيبَ
(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۶۷)

علامہ علی قاری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۱۲ھ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

پس وہ مقرب شخص یہ اعتقاد کرتا ہے کہ
کہ اس کی سمع، بصر اور تمام قوی کے کمالات
حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی سمع اور بصر اور
قدرت و قوت کے آثار سے ہیں۔ یہاں وہ
بندہ تو وہ معدوم محض ہے۔

فَرَأَى أَنْ مَا بِهِ الْكَمَالُ مِنَ السَّمْعِ
وَالْبَصَرِ وَقُوَّةِ الْقَوَى انَّمَا هُوَ مِنْ
آثَارِ سَمْعِهِ وَبَصَرِهِ وَقُوَّتِهِ
قُوَّتِهِ وَأَمَّا هُوَ فَمَعْدُومٌ مَحْضٌ
(مرقاۃ المفاتیح ج ۵ ص ۵۵)

اور یہی منظر بیت حق تعالیٰ کا معنی ہے کہ بندے کی اپنی ذات اور اس
کے افعال فنا ہو جائیں اور اس کی سمع، بصر وغیرہ سے اللہ تعالیٰ کے افعال
ظاہر ہوں۔

”استعانت کی تفسیر“ صدر الافاضل اور شاہ عبدالعزیز سے

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ تفسیر عزیزی میں ایاک نستعین کے تحت فرماتے

ہیں:

لیکن یہاں یہ بات سمجھنی چاہیے کہ
غیر اللہ سے استعانت اس وقت حرام
ہوگی جب اسی پر بھروسہ کرے اور
اس کو مدد الہی کا منظر نہ جانے۔ لیکن

لیکن دیرنجا باید فہمید کہ استعانت
از غیر بوجہی کہ اعتماد بر آں غیر باشد
وادر منظر عون الہی نہ اند حرام است
واگر استعانت محض بجانب حق

اگر توجہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہو اور غیر اللہ
کو منظر امداد سمجھتا ہو اور اسباب و حکمت
الہی کو پیش نظر رکھے اور غیر اللہ سے استغاثت
ظاہری کرے تو یہ عرفان الہی سے بعید
نہیں ہے اور شریعت میں بھی جائز ہے
اس قسم کی استمداد انبیاء اور اولیاء نے
بھی غیر اللہ سے کی ہے اور حقیقت
میں یہ استمداد غیر سے نہیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ
سے ہی ہے۔

است و اور ایک از مظاہر عون دانستہ
و نظر بکار خانہ اسباب و حکمت
او تعالیٰ در آن نمودہ بغیر استغاثت
ظاہری نماید دور از عرفان نخواہد
بود و در شرع نیز جائز و رواست
و انبیاء و اولیاء این نوع استعانت
بغیر کردہ اند و در حقیقت این نوع
استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت
بحضرت حق است لا غیر۔

شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز کی شخصیت کو تمام امت دیوبند اپنا
پیشوا تسلیم کرتی ہے۔ سرفراز صاحب ان کے ہم مشرب علماء شاہ صاحب کی
عبارتوں کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ اور شاہ صاحب کا فیصلہ ذریت دیوبند
کے حق میں حکم آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تمہید کے بعد گزارش ہے کہ آپ
شاہ صاحب کی مذکورہ بالا تفسیر کو صدر الافاضل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تفسیر کے ساتھ
ملا کر دیکھیں کہ ان میں کس قدر ہم آہنگی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

صدر الافاضل رحمۃ اللہ نے فرمایا۔ ہر چیز میں دست قدرت کو کارکن دیکھے۔
شاہ صاحب نے فرمایا۔ واگر التذات محض بجانب حق است (اور اگر توجہ
محض اللہ کی طرف ہو)۔

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ حقیقی مستعان وہی ہے۔ باقی آلات و
خدام و احباب عون الہی کا مظہر ہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ و اور ایک از مظاہر عون (مدد) دانستہ (یعنی غیر اللہ
کو عون الہی کا مظہر سمجھے)۔

صدر الافاضل صاحب نے فرمایا۔ مقربان حق کی امداد، امداد الہی ہے۔

استعانت بالغير نہیں۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ ودر حقیقت این نوع استعانت بغیر نیست بلکہ استعانت بحضرت حق است لا غیر (اور حقیقت میں استعانت کی یہ قسم استعانت بالغير نہیں۔ بلکہ حق سبحانہ سے ہی استعانت ہے)۔

صدر الافاضل نے فرمایا۔ اگر یہ استعانت ناجائز ہوتی تو احادیث میں ہل اللہ سے استعانت کی کیوں تعلیم دی جاتی۔

شاہ صاحب نے فرمایا۔ وانبیاء و اولیاء این نوع استعانت بغیر کردہ اند۔ (اور انبیاء و اولیاء نے اس قسم کی استعانت غیر اللہ کی ہے)۔ آپ نے غور فرمایا کہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کس تفسیر میں فرمایا ہے؟ میں شاہ صاحب کی تفسیر کا ہی خلاصہ پیش کیا ہے۔ اور اسی تفسیر کے بارے میں سرفراز صاحب نے یہ کہہ کر حق فرزند ادا کر دیا کہ:

«مولوی نعیم الدین صاحب نے آیت مذکورہ کی یہ تفسیر بلکہ تحریف کر کے اپنی بیان اور قرآن کریم پر جو ظلم کیا ہے۔ وہ بجائے خود قابل صد نفرین ہے» (تنقید متین ص ۲۷)

ٹھیک ہے دیوبند کے جس گوارے میں سرفراز صاحب نے تربیت حاصل کیا ہے۔ وہاں ایسے ہی آداب فرزند کی سکھائے جاتے ہیں۔ جس اسکول میں نبی کے علم کو جانوروں اور مجنونوں کے علم سے تشبیہ کا درس دیا جاتا ہو۔ وہاں اپنے حکمی باپ کی تعلیمات کو قابل صد نفرین کہنا نہ سکھایا جائے گا تو اور کیا ہوگا۔

شاہ ولی اللہ صاحب استعانت کی بحث میں حرف آخر فرماتے ہیں؛

نبی علیہ السلام سے استعانت کئے بغیر چارہ نہیں۔

لابدست از استمداد بروح آنست
صلی اللہ علیہ وسلم۔ (شرح المیاب النعم)

قاسم نانوتوی صاحب بانی دیوبند لکھتے ہیں سے
 مدد کر لے کر محمدی کہ تیرے سوا
 نہیں ہے قاسم بیس کا کوئی حاجی کار
 اہل سنت اگر اے نونوفی بقوۃ (میر) قوت سے مدد کر دے۔ سے جواز استمداد کا قول
 کریں۔ تو آپ فرماتے ہیں:

”کہ یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اولیاء
 شہداء علیہم السلام سے کیا کرتے ہیں۔ کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ
 ہوتے ہیں اور نہ قریب۔ ان سے اس قسم کی استعانت بہر صورت
 شرک ہے“ (تنقید متین ص ۲۹)

اور شاہ ولی اللہ صاحب اور قاسم نانوتوی نے انہیں استعانت کی ہے۔ تو
 بتلائے آپ کے نزدیک وہ مشرک ہوئے یا نہیں۔ یہی وہ شاہ ولی اللہ صاحب
 ہیں جن کی عبارتوں کو بے سوچے سمجھے نقل کر کے آپ نے تنقید متین کے ورق کے
 ورق سیاہ کر ڈالے ہیں۔ جن کی عبارتوں کو نقل کرنے سے آپ کی دکان چمکتی
 ہے۔ جن کا نام لینے سے آپ کا ریٹ بڑھتا ہے۔ پھر آخر کچھ تو حق ملک کا
 پاس کیا ہوتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان الله لا يعقران يشرك به۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔

پھر آپ نے شاہ ولی اللہ اور مولوی قاسم کو مشرک قرار دے کر ان پر دروازہ
 مغفرت کو ہمیشہ کے لئے بند نہیں کر دیا۔ اور جب سرسریں دیوبند ہی مشرک قرار
 پایا تو باقی اتباع اور اذنا ب کس طبقہ میں ہوں گے؟

اب ہم اس بحث کو سید العارین ابن عربی کے قول پر ختم کرتے ہیں۔ جسے
 علامہ شعرانی نے نقل کیا ہے:

قال داما القطب الواحد فهو روح
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم
 ابن عربی نے کہا کہ بہر حال قطب واحد
 محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو تمام انبیاء و رسل

لجميع الانبياء والرسول والاقطاب
من حين النشأ الانساني الى يوم
القيامة - والله اعلم -

اور اقطاب کے ابتداء آفرینش انسانیت
سے لے کر یوم قیامت تک کے لئے مددگار
ہیں۔ اور اللہ خوب جانتا ہے:-

(ایبوابیت الجواهر ج ۲ ص ۸۱۲)

اس عبارت تک پہنچنے کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب کے ہوش و حواس قائم
رہے۔ تو ان سے معروض ہے کہ الدین النصیحة کے طور پر ہم نے مسئلہ استعانت
کو کتاب و سنت اور اقوال سلف کی روشنی میں واضح تر بیان کر دیا ہے۔

شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز۔ سید محمد علی۔ محمد قاسم نالوتوی۔ محمود حسن دیوبندی
اور دیگر سلف دیوبند جنہیں سرفراز صاحب اپنے دین و ایمان کا مرکز سمجھتے
ہیں۔ ان تمام حضرات کے اقوال سے مافوق الاسباب امور میں اور اولیاء اللہ
سے بعد الوصال استعانت کو ثابت کر دیا ہے اور اب سرفراز صاحب کے لئے
صرف دو ہی راستے ہیں۔ یا تو ان تمام کو مشرک قرار دے کر واصل فی النار کر دیں۔ اور
اگر انہیں مشرک نہیں سمجھتے۔ تو خود اپنی گمراہی سے تائب ہوں۔ دنیا کے جھوٹے
وقار اور شہرت کی طلب میں ہمیشہ ہمیشہ کی ذلت کا خطرہ مول لیتے سے گریز
کریں۔ اور حق و صداقت کی راہ اختیار کر لیں۔

چھوٹا منہ بڑی بات کے مصداق سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل
کے علم و فہم پر جو طعن کیا تھا۔ بالآخر اس کی نشامرت نے ان کا منہ سیاہ کر کے
چھوڑا۔ اور اسی وجہ سے انہوں نے شرک کی تعریف میں ٹھوکر دوں پر ٹھوکریں کھائیں۔
بہر حال ہم نے الدین النصیحة کے مطابق ان کی اصلاح کرنے کی کوشش کی
ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں قبول حق کی توفیق عطا فرمائے۔



ضاد کا مخرج

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے غیر المغضوب علیہم کی تفسیر میں فرمایا:

منحکمہ۔ جو شخص ضاد کی جگہ ظاء پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں۔ (محیط برہانی)

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کی اس مختصر تفسیر پر کئی طرح سے پیچ و تاب کھایا ہے۔ لیکن یہ تحریر ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے۔ نہ اگلے بن پڑتی ہے اور نہ نکل کر ہی وہ آرام پاسکے۔ اس عبارت پر ان کا ایک اعتراض یہ ہے کہ محیط برہانی کا جمل حوالہ دیا گیا۔ تفصیل ذکر نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ مطلقاً ایک حرف کو دوسرے سے بدلنے کا یہ حکم ہے۔ پھر ضاد کی تخصیص کی کیا وجہ ہے۔ تیسرا یہ کہ سٹلمہ امام و مقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ پھر امام کی تخصیص کیوں کی۔ پھر ان اعتراضوں کے ضمن میں سرفراز صاحب نے اپنے ناقص مطالعہ اور علمی بے مائیگی کی دہرے سے بوٹھو کر یہ کھائی ہیں۔ وہ بیان سے باہر ہیں۔ ہم انشاء اللہ العزیز اس بحث کے ضمن میں ان خامیوں کی طرف اجسالی اشارے کریں گے۔ فنقول وبالله التوفیق۔

مجل حوالہ کا جواب | صدر الافاضل سے آپ کو یہ شکایت ہے۔ کہ انہوں نے محیط برہانی کا مجمل حوالہ پیش کیا۔ میں

کہتا ہوں کہ کیا آپ اور آپ کے معنوی آباؤ اجداد نے کبھی کسی کتاب کا مجمل حوالہ پیش نہیں کیا۔ پھر صدر الافاضل پر عنین و غضب کا اظہار کیوں ہے۔ بلکہ فتاویٰ رشیدیہ کو اگر آپ نے جانبداری کی عینک اتار کر دیکھا ہوتا۔ تو پتہ چلتا

پورے قباوی رشتید یہ ہیں بکثرت قنادی بغیر کسی حوالے کے مذکور ہیں۔ پھر مجمل حوالے تو ایک طرف رہے۔ آپ کے سلوف تو بے بنیاد اور نہلاف واقع حوالے پیش کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ کے اکابر نے سینف العقی میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے والد صاحب کے نام سے ایک کتاب تحفۃ المتقلدین اختراع کی۔ ایک کتاب ہدایۃ البرنیہ کے نام سے ایجاد کی۔ پھر مزید ترقی کی اور مرآة الحقیقۃ کے نام سے ایک کتاب غوث اعظم کی طرف منسوب کر کے وضع کی۔ کاش صدر الافاضل پر مجمل حوالہ کے طعن کرنے سے پہلے آپ نے آئینہ میں اپنی صورت دیکھی ہوتی۔ آپ کے معنوی والد اشرف علی صاحب گھانوی نے تفسیرات احمدیہ کے منہیات کا حوالہ پیش کیا۔ اور آپ کو بھی تسلیم ہے کہ اس کے منہیات کا کہیں وجود نہیں۔ باقی یہ کہہ دینا کہ ضروران کے پاس کوئی منہیات والا نسخہ ہو گا دل کے بہلانے کے لئے کافی ہے۔ دلائل و براہین کی دنیا میں اس سے کام نہیں چلتا۔ ایسی بے سرو پاتاہیں کہ کہ آپ صرف شاگردوں اور معتقدین کے زمرہ میں بیٹھ کر داد و تحسین حاصل کر سکتے ہیں۔ استدلال کے میدان میں ان احتمالات رکیکہ کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

صدر الافاضل کا حوالہ مجمل ہے۔ پھر کیا ہوا۔ بات تو تب تھی کہ آپ کہتے کہ یہ حوالہ غلط ہے۔ اور اسے ثابت کرتے۔ شکر کیجئے۔ صدر الافاضل نے تفصیل نہیں کی۔ ورنہ آپ کو مہنگی پڑتی۔ اگر نہیں مانتے تو لیجئے تفصیل حاضر ہے۔

للا علی قاری فرماتے ہیں:

اور محیط میں ہے کہ امام فضلی سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظار یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں (اور

ونی محیط سئل الامام الفضلی عن یقرأ الظاء المعجبة مکان الضاد المعجبة او یقرأ اصحاب الجنة مکان اصحاب النار اوعلی

العكس فقال لا تجوز امانته و
لو تعدد يكفر۔
اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔
(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۷)

صدر الافاضل نے تو فقط یہ فرمایا تھا کہ ضاد کو ظاد سے بدلنے والے کی
امامت جائز نہیں۔ اور صاحب محیط نے اس پر یہ زیادتی بھی کی ہے۔ کہ ایسا
عمداً کرنے والا کافر ہے۔ آخر کار آپ نے اپنے آپ کو کافر منوا کے چھوڑا۔
یہی وہ عبارت ہے۔ جس کو سرفراز صاحب بھی مدہوشی میں بطور ان کہی کے اپنی
کتاب میں نقل کر چکے ہیں۔ اس کے بعد انہوں نے جو کچھ نقل کیا۔ وہ ملا علی قاری
کا کلام ہے۔ اور ہماری گفتگو اس وقت محیط کی اصل عبارت میں ہے۔

مُنِيَّةُ الْمَصْلِيِّ كِي عِبَارَتٍ فِي خِيَانَتِ
اس بحث میں سرفراز صاحب
نے کمال بددیانتی سے کام لیتے

ہوئے مُنِيَّةُ الْمَصْلِيِّ كِي اس عبارت کا ذکر تو کر دیا۔ جس کو صاحب منیة نے بعض مشائخ
سے نقل کیا ہے۔۔۔ اور اس سے چند سطر اوپر والی عبارت چونکہ ان کے عقیدہ
فاسدہ کے خلاف تھی۔ اس لئے اس کو کلیتہً ترک کر دیا جب کہ اس عبارت کو
صاحب منیہ نے اکثر ائمہ کا معتمد علیہ قرار دیا ہے۔

دیکھئے یہ وہ عبارت ہے جس کو سرفراز صاحب نے نقل کیا؛

وذكر في الذخيرة اذ لم يكن
بين الحرفين اتحاد في المخرج
ولا قرب الا انه فيه بلوى
عامه نحو ان ياتي بالذال مكان
الضاد او ياتي بالزاي المحض مكان
الزال او الظاء مكان الضاد لا تفسد
عند بعض المشائخ۔
ذخیرہ میں مذکور ہے جب کہ دو حرفوں میں نہ
تو اتحاد فی المخرج ہو۔ نہ قرب ہو مگر اس میں
بلوی عامہ ہو۔ مثلاً ضاد کی جگہ ذال یا ذال
کی جگہ زائے محض کو یا ضاد کی جگہ ظار
کہے تو بعض مشائخ کے نزدیک نماز فاسد
نہ ہوگی۔

(منیة المصلي ص ۱۱۸)

اور جو عبارت سرفراز صاحب کی خیانت کی نہ ہوگی۔ وہ یہ ہے؛

اما اذا قرأ مكان الذال ظاً او مكان الضاد ظهاً او على القلب تفسد الصلوة وعليه اكثر الاثمة -
 بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھا۔ تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اسی پر اکثر ائمہ کا مسلک ہے۔

(منیۃ المصلی ص ۱۱۸)

عبارات فقہاء کی توضیح | سرفراز صاحب کی اس خیانت کو ظاہر کرنے کے بعد اب ہم ضاد کی جگہ ضار پڑھنے پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ جس سے انشاء اللہ ظاہر ہو جائے گا کہ فقہاء کرام کی عبارتوں میں جو بظاہر اختلاف پایا جاتا ہے۔ جسے سرفراز صاحب غوغا سے تعبیر کرتے ہیں۔ حقیقت میں یہ سب ایک ہی بات پر متفق ہیں۔ اس سے قبل کہ ہم ان مختلف اقوال میں تطبیق کے لئے تمہید شروع کریں۔ ان اختلافات کی نشاندہی کئے دیتے ہیں۔

۱۔ امام فضلی نے جان بوجھ کر ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو کفر قرار دیا۔

۲۔ اکثر ائمہ نے ضاد نماز کا سبب قرار دیا۔

۳۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ اس طرح پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن الفاظ اور معانی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے جیسا کہ کتب اصول میں تحریر ہے؛

دھواسم للنظم المعنی جمیعاً۔ قرآن۔ لفظ اور معنی دونوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(نور الانوار ص ۹، حسامی ص ۶)

پس جس شخص نے قرآن کے ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا تو اس صورت میں دو احتمال ہیں۔ یا تو اس تبدیل شدہ لفظ کی نظیر قرآن میں موجود ہوگی۔ اور معنی بھی مناسب ہوگا۔ اور یا اس کی نظیر قرآن میں نہ ہوگی۔

پہلی صورت میں لفظ نہ بدلا۔ اور نماز فاسد نہ ہوگی۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ کی ضاد کو ضاد سے بدل کر لیغیظ پڑھے۔ کیونکہ لیغیظ کی نظیر لیغیظ الماء قرآن

میں موجود ہے۔ اور معنی بھی مناسب ہے۔ کیونکہ عیض کا معنی ہے ”کم ہونا“ پس لیغیظ بہہ الکفار کا معنی ہے ”تاکہ کفار کو پلا دے“ اور لیغیظ بہہ الکفار کا معنی ہے ”تاکہ کفار کو کم کر دے“ اور ان کی مناسبت ظاہر ہے۔

اور دوسری صورت میں یعنی حرف بدل گیا ہو۔ اور اس کی نظیر قرآن کریم میں موجود نہ ہو۔ پس لفظ تو بہر حال منغیر ہو گیا۔ اور معنی کے اعتبار سے تین احتمال ہیں۔ یا تو لفظ بدل دینے کے بعد بھی اصل معنی برقرار رہا۔ جیسے کوئی شخص لیغیظ میں ظار کی جگہ ذال پڑھے۔ کیونکہ دونوں کا ایک معنی ہے۔ قاموس میں ہے المغتاذ المغتاض پس اس صورت میں صرف لفظ بدلا ہے۔ معنی نہیں بدلا۔ لہذا نماز قاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر اصل معنی باقی نہ رہا تو یا تو تبدیلی کے لفظ مہمل رہ جائے گا یعنی اس کا کوئی معنی نہ ہو جیسے مفضوب میں کوئی ضاد کی جگہ ظار پڑھے۔ کیونکہ اس لفظ کا کوئی معنی نہیں۔ غنیۃ المستملی میں ہے۔ غضب بالظاء لیس لہ معنی اور یا اس لفظ کا معنی تو ہوگا۔ مگر یہ معنی لفظ قرآن کے خلاف اور اس کا منغیر ہوگا۔ جیسے کوئی شخص تلذ کی ذال کو ظاء سے بدل کر تلفظ پڑھے کیونکہ تلذ لذت سے ماخوذ ہے۔ اور تلفظ کا معنی لزوم ہے۔ (شرح المنیۃ ص ۲۲۹)

پس آخری دو صورتوں میں بھی جس نے مفضوب کی جگہ مغلوب پڑھا یا تلذ کی جگہ تلفظ پڑھا۔ قرآن کا لفظ اور معنی دونوں کا نام ہے۔ پس یہ وہ الفاظ نہیں جنہیں اللہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا تھا۔ اور جنہیں جبرائیل امین نے حضور پر اور حضور نے صحابہ پر پڑھا۔ اور ان پر غیر قرآنی الفاظ کو ٹپھنے والا تین حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ عمداً غیر قرآن کو قرآن سمجھ کر پڑھتا ہے۔ اور یہ کفر خالص ہے۔ اور من افتویٰ علی اللہ کذباً (اللہ تعالیٰ پر جان بوجھ کر) جھوٹ بولنا) کے تحت داخل ہے۔ پس جن فقہار نے ضاد کی جگہ ظار پڑھنے کو کفر قرار دیا۔ وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ اور یا وہ غیر قرآن کو غیر قرآن سمجھتا ہے۔ لیکن عمداً نماز میں قرآنی کلمات (یعنی انسانی کلام) کو داخل کرتا ہے۔ پس اس

کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ انسانی کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ان صلاتنا هذه لا یصلح فیہا شیء من کلام الناس۔
تحقیق ہماری ان نمازوں دنیاوی باتوں کی گنجائش نہیں ہے۔

اور اکثر ائمہ کرام جنہوں نے ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے کو فساد نماز کا سبب قرار دیا۔ اسی صورت پر محمول ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ قاری انتہائی کوشش سے اپنے خیال میں لفظ کو اس کے مخرج سے ادا کرتا ہے۔ لیکن ادائیگی دوسرے لفظ کے مخرج یا اس کے مشابہ کی صورت میں ہوتی ہے۔ پس اس صورت میں عموم بلوی کی وجہ سے نماز فاسد نہ ہو گی۔ کیونکہ یكلف الله نفساً الا وسعها۔ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ مکلف نہیں کرتا۔ اور بعض مشائخ جنہوں نے کہا ہے نماز فاسد نہ ہو گی۔ ان کا قول اسی صورت پر محمول ہے۔

فقہاء کرام کی عبارتوں کو سو جھے بغیر سرفراز صاحب کا انہیں نحو غا سے تعبیر کرنا۔ چھوٹا منہ بڑی بات کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اور ان کا تفصیل تفصیل کی رط لگانا حقیقت میں ان عبارات کو سمجھنے کے لئے تھا۔ جو بہ حال ہم نے انہیں سمجھا دی ہیں۔ لیکن استفادہ کا یہ انتہائی غیر محمود طریقہ ہے۔ جسے دیوبند کے اس فاضل نے ایجاد کیا ہے۔

دیوبند کے اہل حق کی قرآن میں لفظی تحریف | صدر الافاضل کی تفسیر نقل کرنے کے بعد

سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”مولوی صاحب نے عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ

ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والوں کی امامت جائز نہیں۔ تاکہ لوگ یہ سمجھ

لیں کہ اہل حق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی“ (تنقید متین ص ۲۰)

سوال یہ ہے کہ یہ اہل حق ضاد کی جگہ ظار پڑھتے ہی کیوں ہیں۔ کیا انہیں قرآن میں لفظی اور معنوی تحریف کرتے ہوئے کوئی خدا کا خوف دامنگیر نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں کہتے کہ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے میں اور جو بات اللہ تعالیٰ نے نہیں کہی۔ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں انہیں کوئی جہا نہیں آتی۔ اور کذب باری کا عقیدہ (دیوبندیوں کے ایک خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے) کیا۔ اسی عذر کے لئے تو ایجاد نہیں کیا تھا۔

عموم بلوی کا جواب نام نہاد اہل حق کی اسی تحریف پر عذر لنگ پیش کرتے ہوئے سرفراز صاحب قاضی خان کی عبارت بے سمجھے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ ضاد۔ ظار اور ذال کو عموم بلوی اور تمیز میں مشقت کی وجہ سے ایک دوسرے کے مقام پر پڑھنے میں وسعت دی گئی ہے۔ کہ اگر الضالین کو الظالین پڑھا گیا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔“
(تنقید متین ص ۲۳)

اولاً تو یہ فقہاء کرام پر محض بہتان ہے کہ انہوں نے علی الاطلاق ضاد کو ظار پڑھنے کی اجازت دی ہے۔ سرفراز صاحب نے قرآن کریم میں تحریف ثابت کرنے کے لئے یہ من گھڑت بات لکھی ہے۔ ورنہ فقہاء کا مقام اس سے بہت بلند ہے۔ کہ وہ تحریف خالص اور کفر صریح کی اجازت دیں۔

ثانیاً یہ کہ الضالین کو الظالین پڑھنے کا سبب تو آپ نے مخارج میں عدم تمیز قرار دیا ہے۔ تو کیا پورے دیوبند کے قرأت خانہ میں ایک بھی قاری ایسا نہیں جو الضالین کو الظالین پڑھے۔ اور دیوبند کے اکابر و اصغر میں کوئی بھی ایسا نہیں جو ضاد اور ظار کے مخارج اور صفات میں تمیز کر سکے۔ قرآن میں تحریف کی بنیاد آپ نے رکھی بھی تو ایسی رکھی جس نے پوری امت دیوبند کی بے علمی کا راز فاش کر دیا۔



سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ حرف ضاد اور ظاء کی تمیز خاصی مشکل ہے

اور ان کی ادائیگی میں خاصی مشقت ہوتی ہے۔“ (تنقید منین ص ۲۲)

اور یہی بات ہم آئندہ کہنا چاہتے ہیں۔ کہ اہل دیوبند کو ضاد اور ظاء کے مخارج میں تمیز نہیں ہے۔ عوام تو خیر عوام ہیں۔ ان کے علماء کو بھی اتنی تمیز اور سلیقہ نہیں۔ کہ ضاد کس طرح پڑھا جاتا ہے۔ نیز دیوبند کے علماء کی غلطی پر عموم بلوی سے استدلال کرنا بھی عجیب بھونڈی منطقت ہے۔ اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں کہ عموم بلوی سے عوام کے لئے حکم ثابت ہوتا ہے خواص کے لئے نہیں۔ کیا دیوبند کے تمام علماء اور قاری حضرات عوام میں داخل ہیں کہ ان کی بے تمیزی اور غلط پڑھنے کو عموم بلوی کی وجہ سے معاف کر دیا جائے۔

ثالثاً یہ کہ فقہاء کرام نے خطا اور نسیاناً ضاد کی جگہ ظاء پڑھنے والے کے بارے میں کہا ہے کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ نہ کہ عمداً ظاء پڑھنے والے کو اور فریضت دیوبند نہ صرف یہ کہ عمداً ظاء پڑھتی ہے۔ بلکہ وہ ظاء پڑھنے پر اصرار کرتی ہے۔ اور اس نے اس تحریف کو اپنا شعار بنا لیا ہے۔ جیسا کہ سرفراز صاحب کو بھی اقرار ہے۔

”کہ اہل حق ضاد کی جگہ ظاء پڑھتے ہیں۔“

اور جو عمداً ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اس کی نماز بہر حال فاسد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

اسی بحث میں ہے فقہاء فرماتے ہیں:

غیر المغضوب کو ظاء سے پڑھنا یا ظالمین کو ضاد سے پڑھنا۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ اور وہ ابوالقاسم صغار اور محمد بن سلمہ ہیں اور بہت سے مشائخ نے اس پر عموم بلوی کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ کیونکہ

غیر المغضوب بالظا والظالمین بالذال اور بالضاد قال بعضهم لا تفسدہم ابوالقاسم الصغار ومحمد بن سلمة وكثير من المشائخ افتوا به لعموم

البلوی فان العوام لا يعرفون
مخارج الحدود وقال امام ابو
المحسن والقاضي الامام ابو العاصم
ان تعد ذلك تفسداً ان جرى على
لسان اولم يكن ممن يميز بين الحرفين
لا تفسد - (خزانة المفتي)

عوام مخارج حروف کو نہیں جانتے اور
امام المحسن اور قاضی امام ابو العاصم نے کہا
کہ جس نے جان بوجھ کر ایسے پڑھا۔ تو نماز
فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر اس کی زبان پر
بلا قصد جاری ہو یا وہ ان دو حروف کے
درمیان تمیز نہ کر سکتا تھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

خزانة الاكمل کی اسی بحث میں ہے

اذا قرء مكان الظأضاد او مكان الضأ
ظاء فقال القاضي المحسن الاحسن
ان يقال ان تعد ذلك تبطل
صلاته عالمًا كان او جاهلاً انا
لو كان مخطئاً اراد الصواب فجزى
هكذا على لسانه اولو يكن ممن
يميز بين الحرفين فظن انه ادى
الكلية كما هي فهي غلط جات به

جب ظاد کی جگہ ضاد یا ضاد کی جگہ ظاد پڑھا
پس قاضی محسن نے کہا۔ بہترین قول یہ
ہے کہ اگر اس نے قصد ایسا کیا ہے۔ تو
نماز فاسد ہو جائے گی۔ خواہ عالم ہو یا جاہل
اور اگر صحیح حرف ادا کرنے کی کوشش میں غلط
حرف زبان پر آ گیا یا وہ دو حروف میں تمیز
نہ کر سکتا تھا۔ تو وہ لفظ تو اس نے بہر حال
غلط ہی پڑھا۔ لیکن نماز ہو جائے گی۔

(عالمگیری ج ۱ ص ۲۱، رد المحتار ج ۱ ص ۲۲۲)

الصلوة -

ان عبارات سے یہ امر خوب واضح ہو گیا ہے کہ ضاد کی جگہ ظاد پڑھنا بہر کیف
غلط ہے۔ اگر یہ غلطی دیدہ دانستہ کی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر بے علمی
اور عدم تمیز کی بنا پر یہ غلطی ہوئی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جن عبادتوں کو سر فرار
صاحب ضاد کی جگہ ظاد پڑھنے کے بواز پر لائے ہیں۔ ان کا اس کے سوا اور
کوئی نکل نہیں ہے۔ اور سر فرار صاحب نے جس طرح ضاد کی جگہ ظاد پڑھنے کی
ترغیب دی ہے۔ وہ قرآن میں تحریف کرنے کی ایک انتہائی مذموم حرکت ہے
اور اسرائیلی کوشش ہے۔ غیر قرآن کو قرآن قرار دینے کا ایک کلیسائی حربہ

ہے۔ اور ہم سطور سابقہ میں محیط برہانی کے حوالہ سے ثابت کر چکے ہیں۔ کہ اس طرح ضاد کی جگہ ظا پڑھنا کفر خالص ہے۔ اور دمن اظلم من افتزی علی اللہ کذباً کا مصداق ہے۔

ضاد کو عمداً ظا پڑھنا کفر ہے | محیط برہانی کا حوالہ شرح فقہ اکبر سے نقل کرنے کے بعد اب ہم اس موضوع پر صاحب جامع الفصولین کی عبارت پیش کرتے ہیں۔

يقراء الظأ مكان الضاد ويقراء كيف شأ واصحاب الجنة مكان اصحاب النار لو تجزأ مامته و لو تعد كفر۔
جو آدمی ضاد کی جگہ ظا پڑھے اور اصحاب الجنہ کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اس کی امامت تو بہر حال جائز نہیں (خواہ عمداً پڑھے یا سہواً) اگر عمداً پڑھتا ہے تو کافر ہو گیا۔

(جامع الفصولین ج ۲ ص ۳۱۶)

اب ذرا سرزاز صاحب منظر قیامت کو سامنے رکھ کے اور خوف آخرت کو دل میں جگہ دے کر غور کریں کہ مسئلہ تو امام اور مقتدی دونوں کے لئے یکساں ہے پھر صاحب جامع الفصولین نے امام کا مسئلہ بالخصوص کیوں ذکر کیا۔ صدر الافاضل پیر سرزاز صاحب نے اس اعتراض کی بناء قائم کر کے جو طعن و تشنیع کی بوچھاڑ کی ہے۔ اور نہ پھٹ ہونے کی وجہ سے جو منہ میں آیا کتے چلے گئے ہیں۔ کیا اس تمام یا وہ کوئی کار جو ع صاحب جامع الفصولین کی طرف نہیں ہوتا۔ یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ اگر صاحب جامع الفصولین صرف امام کا مسئلہ بیان کریں۔ تو آپ کے صبر و اطمینان میں کوئی فرق نہ آئے اور وہی بات صدر الافاضل نے فرمائی تو آپ اس طرح چیخ اُٹھے۔ جیسے قصردیو بند میں زلزلہ آگیا ہو۔

حرف ضاد کی تخصیص کا جواب | رہا نگھڑوی صاحب کا یہ اعتراض کہ فقہاء کرام کا یہ ضابطہ تو تمام حروف کو شامل ہے۔ پھر ضاد اور ظا کا مسئلہ ہی کیوں بیان کیا۔ جواب یہ ہے کہ

اول تو خصوصیت مقام قرینہ ہے۔ کیونکہ ولا الضالین میں ضاد کا ذکر ہے۔ اور ضاد کے ظاد سے تبتس ہونے کا شائبہ تھا۔ اس لئے اس کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ ثانیاً یہ کہ چونکہ دیوبند کے اہل حق نے قرآن میں تحریف کرنے کے لئے حرف ضاد کو خاص کر لیا ہے۔ اس لئے صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی بالخصوص ضاد کے مسئلہ کو بیان کر دیا۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ امام نے جواز مسح خفین کے اعتقاد کو اہل سنت کی علامت قرار دیا ہے۔ حالانکہ دوسری سنتوں کا بھی یہی حکم ہے۔ لیکن چونکہ مبتدعین شدت کے ساتھ موزوں پر مسح کا انکار کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے جواز مسح کو اہل سنت کی علامت قرار دیا۔ نہ کہ باقی سنن کے عمل پر جواز کو حالانکہ ان کا بھی یہی حکم ہے۔

تلا علی قاری متوفی ۱۰۱۲ھ فرماتے ہیں؛

امام ابو حنیفہ سے مذہب اہل سنت کے بارے میں سوال کیا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ شیخین یعنی ابو بکر اور عمر رضی اللہ عنہما کو فضیلت دو اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دو دامادوں یعنی عثمان اور علی رضی اللہ عنہما سے محبت کرو۔ اور موزوں پر مسح کے جواز کا اعتقاد رکھو اور ہر نمیک و بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

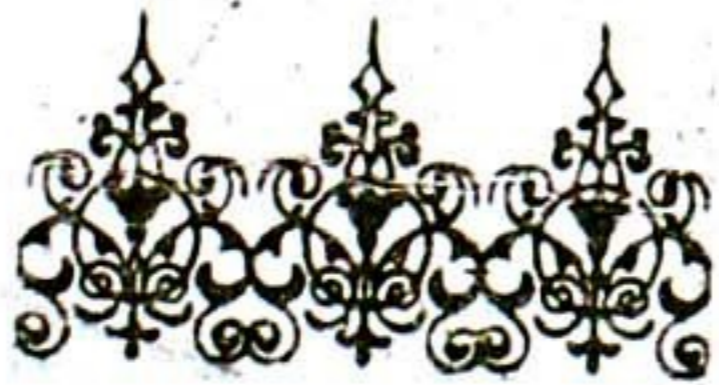
سئل ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ عن مذہب اہل السنۃ والجماعۃ فقال ان تفضل الشیخین ای ابابکر وعمر رضی اللہ عنہما وتحب الختین ای عثمان وعلی رضی اللہ عنہما تری المسح علی الخفین وتصلی خلف کل بر وفاجر۔

(شرح فقہ اکبر ص ۷۶)

اگر آپ کو ضاد کی خصوصیت سے شکوہ ہے۔ تو قرآن کریم کے اس خاص حرف میں تحریف کرنا چھوڑ دیجئے۔ ہم بھی آپ کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔

امامت کی تخصیص کا جواب | باقی رہا یہ کہ مسئلہ امام و مقتدی سب کے لئے یکساں ہے۔ تو امام کی تخصیص کیوں کی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ جب یکساں ہے۔ تو خواہ امام کے بارے

میں بتایا جائے یا مقتدی کے بارے میں کیا فرق پڑتا ہے۔ بلکہ مقتدی کی نسبت
 امام کے لئے مسئلہ بیان کرنا زیادہ اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ مقتدی کی نماز فاسد
 ہونے سے ایک کی نماز فاسد ہوگی اور امام کی نماز کے فساد سے تمام مقتدیوں کی
 نماز فاسد ہو جائے گی۔ علاوہ ازیں امام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ امام کو عالم اور قاری
 ہونا چاہیے۔ بخلاف عوام کے کیونکہ اقتدار کے لئے تجوید و قرأت کا جانتا
 ضروری نہیں ہے۔ بات تو بالکل سیدھی اور صاف تھی۔ ناراضگی کی وجہ نہ تھی۔ مگر
 شاید آپ کو اپنی امامت کا خطرہ پڑ گیا تھا۔ کہ اگر لوگ اس حقیقت پر مطلع ہو گئے
 کہ ضاد کو ظار پڑھنے والے کی امامت صحیح نہیں۔ تو پھر آپ کی امامت جاتی رہے
 گی۔ اور روٹیوں کے لالے پڑ جائیں گے۔ کاش آپ نے دنیاوی چند روز روزگار
 کے بجائے متاع آخرت کو ترجیح دی ہوتی۔ خدا کے خوف کو دل میں جگہ دے کر
 ضاد کو ضاد ہی پڑھا ہوتا۔ انالہ لحاظون کی لاج رکھی ہوتی۔ چند سنہری سکوں کے
 عوض قرآن کو ہنہ بدلا ہوتا۔



مروجہ ایصالِ ثواب

وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ کے تحت صدرالافتاح رحمہ اللہ نے فرمایا۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے سے یا زکوٰۃ مراد ہے، جیسے دوسری جگہ فرمایا یَقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ یا مطلق انفاق خواہ فرض و واجب ہو۔ جیسے زکوٰۃ و نذر اپنا اور اپنے اہل کالنفقہ وغیرہ خواہ مستحب جیسے صدقاتِ نافلہ۔ اموات کا ایصالِ ثواب مسئلہ گیارہویں۔ فاتحہ۔ میسجہ۔ چالیسواں وغیرہ بھی اس میں داخل ہیں۔ کہ وہ سب صدقاتِ نافلہ ہیں اور قرآنِ پاک و کلمہ شریف کا پڑھنا نیکی کے ساتھ اور نیکی ملا کر اجر و ثواب بڑھ جاتا ہے۔

سرفراز صاحب نے صدرالافتاح رحمہ اللہ کی اس محققانہ تفسیر پر تنقید کرنے کے لئے یہ ضروری سمجھا کہ صہیونی چابکدستی سے اس عبارت میں قطع بگرد کی جائے۔ چنانچہ مسئلہ گیارہویں سے پہلے مذکور تمام عبارت متقاضی گکھڑ کی نذر ہو گئی اور اس مذموم عبارت سے سرفراز صاحب کا مدعا یہ ہے کہ عوام کو یہ سمجھایا جاسکے کہ اہل سنت کے نزدیک مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ کی تفسیر مسئلہ گیارہویں اور اس کے لواحقات کے سوا کچھ نہیں۔

تقرب لعیب اللہ کی بحث | سرفراز صاحب رقمطراز ہیں؛

”گیارہویں کے بارے میں عوام الناس کے مختلف نظریات ہیں بعض جہلاء کا تو یہاں تک خیال ہے کہ اگر بڑے پیر صاحب کے نام پر مقررہ تاریخ پر گیارہویں نہ دی گئی تو جانی اور مالی طور پر ناقابلِ برداشت نقصان اٹھانا پڑے گا۔ گھر میں بیماری پڑ جائے گی۔

کھیتی، تجارت اور کاروبار میں خسارہ ہوگا۔ اگر گیارہویں کا دودھ نہ دیا گیا تو دودھ دینے والے جانوروں کے تھنوں میں کیڑے پڑ جائیں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور اگر بروقت گیارہویں ادا کر دی گئی تو سب کام ٹھیک ٹھاک رہیں گے۔ اور جان و مال اور کاروبار میں گونا گوں برکت ہو جائے گی۔ ظاہر امر ہے کہ غیر اللہ سے خوف ورجا اور امید و بیم کے اسی نظریہ کو تقرب غیر اللہ کہا جاتا ہے۔ جس کے حرام اور شرک ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (تنقید متین ص ۴۷)

ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس کوئی تحریری یا تقریری شہادت موجود ہے۔ جس کی بنا پر آپ نے بعض جملہ کا یہ عقیدہ بیان فرمایا ہے اور اگر نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو اب تین ہی صورتیں ہیں۔ یا تو آپ نے خلاف واقعہ ایک عقیدہ وضع کر کے اسے جعلی طور پر جملہ کی طرف منسوب کیا۔ یا آپ نے خلاف نصوص شرعیہ سادہ لوح عوام کے حق میں یہ بدگمانی کی ہے یا پھر آپ خود کو عظیم بذات الصدور سمجھتے ہیں۔ اور یہ دعویٰ فاسدہ رکھتے ہیں کہ آپ لوگوں کے دلوں میں جھانک کر ان کے عقائد معلوم کر لیتے ہیں۔ آخر ہمیں بھی تو سمجھائیں کہ بغیر کسی سند اور دلیل کے اور بغیر کسی شہادت کے آپ نے کیسے بعض لوگوں کے عقیدہ پر اطلاع حاصل کر لی۔

ثانیاً ہم پوچھتے ہیں کہ مطلقاً کسی سے نفع و ضرر پہنچنے کا عقیدہ رکھنا اور اس سے تقرب حاصل کرنا شرک ہے۔ یا اس عقیدہ کو بطور عبادت رکھنا شرک ہے۔ پہلی صورت میں لازم آئے گا کہ زہر میں ضرر اور تریاق میں نفع سمجھنا اور آپ کا اصنام دیوبند سے تقرب حاصل کرنا یہ سب شرک ہو۔ اور دوسری صورت میں یعنی اگر کسی کو بحیثیت عبادت نفع اور نقصان پہنچانے والا اعتقاد کرنا اور تقرب بطور عبادت شرک ہو تو پھر آپ کا مدعا باطل ہو گیا۔ کیونکہ اس کا تو آپ بھی انکار نہیں کر سکتے۔ کہ جملہ بڑے پیر صاحب کی عبادت نہیں کرتے نہ انہیں معبود

سمجھتے ہیں اور ذرا نھرا کے خوف کو دل میں جگمگ دے کر ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ علائی لکھتے ہیں:

انا لانسئ الظن بالمسلم استأ
یتقرب الی الادی بہذا النحر۔
(در المختار ص ۲۳۰)

ہم کسی مسلمان کے حق میں ہرگز یہ بدگمانی نہیں
کرتے کہ وہ اس فعل ذبح کے ذریعہ کسی آدمی
کا تقرب حاصل کرتا ہے۔

اس کے تحت علامہ شامی فرماتے ہیں:

ای علی وجه العبادت لا استأ
المکفر وھذا یعبد من حال
المسلم۔

یعنی شارح کی مراد تقرب سے۔ تقرب بطور
عبادت ہے اس لئے کہ تقرب بطور عبادت
ہی موجب شرک ہے اور ایسا تقرب

(رد المختار ج ۵ ص ۲۰۳)

مسلمان کے حال سے بہت بعید ہے۔

دیدہ عبرت کے لئے یہ سند کافی ہے کہ شرک کا مدار کسی کو معبود سمجھنے پر ہے
آپ اگر واقعی مسلمانوں کو مشرک بنانے پر تلے ہوئے ہیں تو پھر یہ ثابت کیجئے کہ
جہلا دہڑے پیر کو معبود سمجھ کر پوجتے ہیں۔

آئیے اب ہم آپ کو بتائیں کہ اپنے پیروں بلکہ مولویوں کو بھی معبود سمجھ کر کون
پوجتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے محمود حسن صاحب رشید احمد گنگوہی کی موت پر
مرثیہ خوانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

تمہاری تربتِ انور کو دیکر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار رنی میری دیکھی بھی نادانی

(مرثیہ گنگوہی ص ۱۲)

اب آپ خود خیال کیجئے کہ طور پر کس ذات نے تجلی فرمائی تھی اور موسیٰ علیہ السلام
نے کس ذات کے دیکھنے کے لئے بار بار رنی فرمایا تھا۔ اور محمود حسن صاحب
کس کی قبر کو طور اور کس کے دیکھنے کو رنی کہہ رہے ہیں اور یہ آپ کی طرح یوں
ہے بے سند بات نہیں ہے۔ دیوبند بھارت اور پاکستان کے بے شمار

دیوبندی پرسیوں کے مطبوعہ مرتبہ میں یہ شعر موجود ہے۔
 نذر پوری نہ ہونے پر ضرر کے ترتب کا عقیدہ آپ نے عوام اہل سنت
 یا جہلا کی طرف بلا شہادت منسوب کر دیا۔ اس پر کوئی حوالہ یا سند لانے
 سے آپ عاجز رہے۔ لیکن ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ کہ یہ عقیدہ خود آپ کے
 سلوک میں موجود ہے۔ اور اس پر شہادت پیش کریں گے۔ وہ شاہ ولی اللہ
 جنہیں امت دیوبند اپنا واحد سہارا سمجھتی ہے۔ اپنے والد شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ
 کی کرامات کے باب میں ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب علیہ الرحمۃ
 فرماتے ہیں کہ فریاد بیگ کو کوئی مشکل آ
 پڑی۔ اس نے نذر مانی کہ اے خدا اگر یہ
 مشکل حل ہوگی تو میں اس قدر ہدیہ شاہ
 صاحب علیہ الرحمۃ کی خدمت میں پیش
 کروں گا۔ چنانچہ وہ مشکل حل ہوگئی اور وہ
 نذر پوری کرنا بھول گیا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا
 گھوڑا بیمار ہو گیا اور ہلاکت کی دہلیز تک
 پہنچا۔ میں اس بیماری اور ہلاکت کے
 سبب پر مطلع ہوا اور ایک خادم کے ذریعہ
 پیغام بھیجا کہ یہ بیماری نذر پوری نہ کرنے
 کے سبب سے ہے۔ اگر گھوڑے کی
 خیریت چاہتا ہے تو فلاں نذر جسے فلاں
 جگہ مانا تھا پوری کر۔ وہ اپنے نعل پر نادم
 ہوا اور نذر ارسال کی اور اسی وقت اس کا
 گھوڑا شفا یاب ہو گیا۔

حضرت ایٹھاں میفرمودند فریاد
 بیگ را مشکلی پیش آمد نذر کرد بار خدایا
 اگر این مشکل بر آمد این قدر مبلغ حضرت
 ایٹھاں ہدیہ برم آن مشکل مندرج
 شود۔ و آن نذر از خاطر اور رفت
 بعد چندے اسپ او بیمار شد و
 نزدیک ہلاک رسید بر سبب این امر
 مشرف شدم بدست یکے از خادمان
 گفتہ فرستادم کہ این بیماری بسبب
 عدم وقایہ نذر است۔ اگر اسپ خود
 می خواہی نذر سے را کہ در فلاں محل
 التزام نموده بفرستد وے نادم شد
 و آن نذر فرستاد ہماں ساعت اسپ
 او شفا یافت۔

(انفاس العارفين ص ۵۳)

اللہ اکبر آپ کہتے ہیں کسی کو نافع و ضار سمجھنا بھی شرک ہے۔ تقرب لغیر اللہ بھی شرک ہے۔ اور شاہ صاحب فرہاد بیگ کو اپنے تقرب اور اپنے نفع ضرر کی تعلقین کر رہے ہیں۔ تو پھر آپ کے نزدیک فرہاد بیگ تو خیر مشرک ہوا ہی لیکن شاہ صاحب کا مقام آپ کے ہاں ابلیس سے کیا کم ہو گا۔ کیونکہ اہل فہم پر مخفی نہیں کہ لوگوں کو اپنی عبادت پر راغب کرنا شیطان لعین ہی کا کام ہے۔ عقائد جملہ پر غیر مسلح حملہ کرنے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی تو خبر لی ہوتی۔ اگر آپ کے دل میں انصاف کا کوئی شہتہ بھی موجود ہے تو شاہ عبدالرحیم صاحب اور شاہ ولی اللہ صاحب سے ان سب سے بیزاری کا اظہار کریں۔ حیرت ہے کہ جو لوگ آپ کے فتویٰ کی زد میں آکر مشرک قرار پاتے ہوں۔ آپ انہیں کے اقوال سے استدلال کرتے ہیں۔ اور انہی کی عبارتوں کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ صرف یہی ایک مقام نہیں دیوبند کے تمام عقائد و اعمال کا یہی حال ہے۔ جن امور کو وہ بیانگ دہل کفر و شرک حرام و بدعت کہتے ہیں۔ ان تمام امور میں ان کے اکابر و اصناف سے پاؤں تک غرق ہیں۔ اور وہ بھی پھر اہل حق ہیں۔ آخر کب تک دیوبند کے ان بتوں کی پوجا ہوگی۔

بارہ سال کا بیڑا

”سرفراز صاحب نے غوث اعظم حضرت شیخ عبدالقادر خیلانی رحمہ اللہ کی مشہور کرامت (بارہ سال کے غرق شدہ بیڑا کو پار لگانا) کو افسانہ اور مفتی احمد یار خان صاحب رحمہ اللہ کی کی گپ قرار دیا ہے۔ اور اس پر یہ اعتراض قائم کیا کہ ولی کامل کے بارے میں یہ کیوں کہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ مثلاً ایک سیر درودھ یا سیر چاول کے نہ ملنے کی وجہ سے جوش انتقام سے لبریز ہو کر عین شادی کے موقع پر نوجوان کا بیڑا غرق کر

کر دے“ (تنقید متین ص ۱۲۸)

جو ابا گذارش ہے کہ اولاً تو آپ نے نعوث اعظم شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ
پر خالص افترا اُبانڈھا ہے۔ کہ انہوں نے گیارہویں وصول نہ ہونے کی بنا پر نو جوان
کا مع براتیوں کے بڑا عرق کر دیا۔ اور بارہ سال بعد گیارہویں وصول کر کے بڑا ترادیا۔
ہماری تحقیق کے مطابق اصل واقعہ یوں ہے کہ:

”ایک مرتبہ حضرت نعوث اعظم کو دریائے کے کنارے ایک معنوم
بڑھیا نظر آئی۔ دریافت حال پر معلوم ہوا کہ بارہ سال ہوئے اس کا
جو ان سال بیٹا مع براتیوں کے عرق ہو چکا ہے۔ دینی اور اسلامی محبت
سے آپ کا دل بھر آیا۔ اور آپ نے سجدہ میں سر رکھ کر دعا مانگی
کہ اے اللہ اس بڑھیا کے بیٹے اور براتیوں کے عرق شدہ بیٹے کو
نکال دے۔ کارساز حقیقی اور قادر مطلق نے اپنے بندہ کامل کی دعا
منظور فرمائی اور عرق شدہ بیٹے کو نکال دیا“

(بحوالہ سلطان الافکار فی مناقب الابرار)

ثانیاً اس واقعہ کے محال ہونے کی وجہ یا تو یہ ہو سکتی ہے کہ عرق شدہ بیٹے
کو پار لگانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے باہر ہو۔ اور یہ قطعاً باطل ہے۔ کیوں کہ
اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ کیسی افسوسناک بات
ہے کہ جب آپ اللہ تعالیٰ کے کذب اور زنا جیسی قباحت کو جو اللہ کے
لئے محال بالذات ہے ثابت کرتے ہیں۔ تو قدرت الہیہ کا وظیفہ رٹنا شروع
کر دیتے ہیں۔ حالانکہ محال بالذات تحت قدرت نہیں ہوتا اور بارہ سال کے
ڈوبے ہوئے جہاز کو ترانا جو امر ممکن اور جائز الوقوع ہے۔ اسے قدرت
الہیہ سے اس قدر بعید سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی بے سرو پاتا ویلیں شروع کر دیتے
ہیں۔ جب کہ مردوں کو زندہ کرنا قدرت الہیہ میں صرف ممکن ہی نہیں بلکہ امر واقع
ہے جیسے حضرت عزیز کے واقعہ میں سو سال بعد دراز گوش کو زندہ کرنا اور حضرت

عیسے علیہ السلام کے متعدد واقعات میں جدید و قدیم مردوں کو زندہ کرنا ہے۔
 مثالاً اگر آپ اس واقعہ کو قدرت الہیہ میں جائز الوقوع مانتے ہیں۔ تو پھر اس
 کے محال ہونے کی ایک ہی وجہ رہ جاتی ہے۔ اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنے ولی
 کی دعا سے کوئی خلافِ عادت کام نہ ظاہر فرماتا ہو۔ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت
 مریم کے پاس بے موسم پھل آتے تھے۔ اور آصف بن برخیا کو اللہ تعالیٰ نے
 مسافت کثیرہ سے ہلک بھپکنے سے پہلے تخت بلقیس لانے پر قادر کر دیا جیسا
 کہ آپ کے حکیم الامت نے بھی اپنے ترجمہ میں اس واقعہ کا اسناد آصف بن
 برخیا کی طرف کر کے اس کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور یہ وہ امور خلافِ عادت ہیں جنہیں
 اللہ تعالیٰ نے سابقہ ادیان کے اولیاء پر ظاہر فرمایا۔ پھر امت محمدیہ کے اولیاء
 پر اور خصوصاً اس عظیم الشان ولی پر جو قدی ہذا علی رقبۃ کل ولی کی شان رکھتا
 ہو۔ کرامت کا دروازہ کس طرح بند ہو جائے گا۔

حدیث قدسی میں ہے:

دلن سالتی لاعطینہ۔
 اگر میرا ولی مجھ سے سوال کرے تو میں اسے ضرور

(مشکوٰۃ ص ۹۷) عطا فرماؤں گا۔

تو پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے عوٹ اعظم کی دعا قبول
 نہ کر کے اپنا وعدہ پورا نہیں کیا۔ یا تو آپ را فضیوں کی طرح حضرت عوٹ اعظم
 کو ولی نہیں سمجھتے (العیاذ باللہ) یا خدا کو جھوٹا سمجھتے ہیں۔ معاذ اللہ
 رابعاً ابھی انفاس العارین سے گزر چکا ہے۔ کہ آپ کے مسلم پیر شاہ
 عبدالرحیم نے نذر وصول نہ ہونے پر ایک گھوٹے کا بیڑا غرق کر دیا اور نذر لے کر
 چھوڑی۔ گستاخی معاف یہ انتقام کس شریعت سے جائز ہوگا۔
 خامساً اگر آپ ڈوبے ہوئے جہاز کے ترانے کے انکار پر اصرار ترک
 نہیں کرتے تو کرامات امدادیہ کا مطالعہ کیجئے۔

اشرف علی تھانوی کے پیر کی ایسی کئی کرامتیں مل جائیں گی۔ اور اگر مردہ زندہ

کرنے کو آپ مجال سمجھتے ہوں تو مرتبہ گنگوہی ملاحظہ کریں۔ یہ ایک اجمالی گفتگو ہے۔ تفصیل انشاء اللہ العزیز ہم آئندہ سطور میں پیش کریں گے۔ نیز بارہ سال کی ڈوبی ہوئی کشتی ترادینے والا واقعہ بہر حال نص قطعی سے تو ثابت ہے نہیں۔ کہ اس پر ایمان لانا ضروری ہو۔ اس قسم کے واقعات خطابیات کے قبیل سے ہوتے ہیں۔ جو اگر روایات صحیحہ سے ثابت ہوں اور اصول دین سے متعارض نہ ہوں تو انہیں ظن کے درجہ میں مان لینا کافی ہوتا ہے۔ سرفراز صاحب کی اصل چونکہ اعتزال پر مبنی ہے۔ اس لئے انہوں نے عوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس کرامت کو روایتاً تو طوعاً و کرہاً تسلیم کیا۔ لیکن درایتاً تسلیم نہیں کیا بلکہ اس کی یہ تاویل کی ہے کہ:

”کسی بڑھیا کا کوئی بیٹا دس بارہ سال آوارگی کے دریا میں غوطے

کھاتا رہا ہوگا اور شیخ کی دعا سے ہدایت پا گیا ہوگا“

(تنقید متین ص ۲۲ مختصاً)

جواب یہ ہے کہ کسی بھی واقعہ کو اس کے ظاہر سے ہٹانے کی ضرورت اُس وقت پیش آتی ہے۔ جب اس کے ظاہری فعل پر کوئی استحالہ شرعی یا عقلی لازم آتا ہو۔ اور بارہ سال بعد ڈوبے ہوئے سفینہ کو ترادینا ایک امر خلاف عادت ہے۔ اور اس کا صدور اولیاء اللہ سے جائز ہے۔ جیسا کہ ہم سطور گزشتہ میں ثابت کر چکے ہیں۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

و کرامتہ ظہوراً مرخارقاً للعادة

غیر مقارن لدعوی النبوة۔

ولی کی کرامت اس کا کسی امر خلاف عادت

کو ظاہر کرتا ہے جو دعوی نبوت کے ساتھ مقرون

نہ ہو۔

(شرح عقاید ص ۱۰۱)

اور اگر اب بھی آپ کو پس و پیش ہے تو ارواحِ ثلاثہ کا مطالعہ کیجئے۔ جو الف سے لے کر یار تک سلوف دیوبند کی من گھڑت کرامات سے بھری پٹری

اشرف علی تھانوی کی گپ | اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں؛

”میرے ایک دوست جو جناب بقیۃ السلف حجۃ المکملہ
 قدوة السالکین زبدة العارفين شیخ الکل فی الکل حضرت مولانا حاجی
 شاہ امداد اللہ شاہ صاحب چشتی صابری تھانوی ثم المکی سلمہ اللہ تعالیٰ
 سے بیعت تھے۔ حج خانہ کعبہ کو تشریف لے جاتے تھے بمبئی
 سے آگبوت میں سوار ہوئے۔ آگبوت نے چلتے چلتے ٹکڑے کھائی۔
 اور قریب تھا کہ پھر کھا کر غرق ہو جائے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ
 اب مرنے کے سوا چارہ نہیں۔ اسی مایوسانہ حالت میں گھبرا کر اپنے
 پیر روشن ضمیر کی طرف خیال کیا اور عرض کیا کہ اس وقت سے زیادہ
 اور کون سا وقت امداد کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر اور کارساز
 مطلق ہے۔ اسی وقت ان کا آگبوت غرق سے نکل گیا اور تمام لوگوں
 کو نجات ملی۔ ادھر تو یہ واقعہ پیش آیا۔ ادھر اگلے روز مخدوم جہاں اپنے
 خادم سے بولے ذرا میری کمر دباؤ۔ نہایت درد کرتی ہے۔ خادم نے
 کمر دباتے دباتے پیرا ہن مبارک جو اٹھایا جو دیکھا کہ کمر چھلی ہوئی ہے
 اور اکثر جگہ سے کھال اتر گئی ہے۔ پوچھا حضرت یہ کیا ہے۔ مگر کیوں
 چھلی۔ فرمایا کچھ نہیں۔ پھر پوچھا۔ آپ خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ
 پھر دریافت کیا حضرت یہ تو کیسے رگڑ لگی ہے۔ اور آپ تو کیسے
 تشریف بھی نہیں لے گئے۔ فرمایا ایک آگبوت ڈوبا جاتا تھا۔ اس
 میں تمہارا دینی اور سلسلہ کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ وزاری نے مجھے
 بے چین کر دیا۔ آگبوت کو گمر کا سہارا دے کر اوپر اٹھالیا۔ جب
 آگے چلا اور بندگانِ خدا کو نجات ملی۔ اسی لئے چھل گئی ہوگی اور

اسی وجہ سے درد ہے مگر اس کا ذکر نہ کرنا

(کرامت امداد یہ ص ۳۵)

سرفراز صاحب چونکہ کرامت اولیاء کو میزان اعتدال سے تولتے ہیں۔ لہذا ان کی خدمت میں ہم بھی اس واقعہ پر کچھ گزارشات پیش کرتے ہیں۔
اولاً یہ کہ آپ کے نزدیک مافوق الاسباب امور میں غیر اللہ سے استعانت کرنا شرک ہے۔ اور اشرف علی تھانوی کے اس دوست نے امور مافوق الاسباب میں ہی استعانت کی ہے۔ اب آپ اس کو مشرک قرار دیں گے۔ یا شرک کی خود ساختہ تعریف سے رجوع کریں گے۔

ثانیاً یہ کہ حاجی امداد اللہ نے جو مافوق الاسباب امر میں امداد کی ہے تو اب انہیں خدا کا شریک قرار دیں گے یا اپنی گمراہی سے تائب ہوں گے۔
ثالثاً یہ کہ اشرف علی تھانوی نے اس روایت پر اعتقاد رکھا اور اس کا بیان کیا۔ اب انہیں مبلغ شرک اور ابلیس قرار دیں گے۔ یا اپنے بیان کو ابلسی منطوق ٹھہرائیں گے۔

رابعاً یہ کہ امید و خوف میں آپ کے پیر بھائی نے حاجی صاحب کی طرف توجہ کی۔ تو اس نے حاجی صاحب کو قادر مطلق مانا یا نہیں۔ اگر نہیں تو غوث اعظم کی طرف اس حال میں توجہ کرنے سے ان کا قادر مطلق ماننا کس طرح لازم آئیگا۔
خامساً یہ کہ حاجی صاحب باوجود شہر سے کہیں نہ جانے کہ سمندر میں جہاز بھی کندھے پر اٹھائے ہوئے تھے۔ سوال یہ ہے کہ سمندر میں حاجی صاحب بعینہ موجود تھے یا جسم مثالی کے ساتھ بر تقدیر اول تکثر جزئی لازم آئے گا۔ بر تقدیر ثانی مثل شئی ہوتی ہے۔ پس لازم آیا کہ کندھا دینے والا حاجی صاحب کا غیر ہونہ کہ خود حاجی صاحب۔

سادساً یہ کہ جو آدمی ایسا قادر ہو کہ کوسوں میں مسافت آن واحد میں طے کر کے بحری جہاز سیدھا کر دیتا ہو۔ وہ اپنی کمر سے درد کو کیوں نہیں دور

کر سکتا۔

سابقاً جو شخص کمربلوانے میں اپنے مرید کا محتاج ہے۔ وہ جہاز میں بیٹھے ہوئے سینکڑوں آدمیوں کی حاجت روائی کیونکر کر سکتا ہے۔

ثامناً یہ کہ اشرف علی تھانوی کے دوست نے اپنے پیروشن صمیر کی طرف خیال کیا اور ان کی بارگاہ میں عرض کی اور وہ اس کی امداد کو آپہنچے۔ سوال یہ ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب ہر وقت ہر جگہ اپنے مریدوں کے حال پر مطلع اور ان کا کلام سنتے رہتے ہیں یا نہیں۔ بر تقدیر ثانی یعنی جب انہیں ہر وقت ہر جگہ کے حال کا علم نہیں تو اس وقت اس جگہ کے حال کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز اس پر کونسی عقلی اور شرعی دلیل قائم ہے۔ اور بر تقدیر اول یعنی جب حاجی صاحب کو ہر وقت ہر جگہ کا علم حاصل ہے تو بتلایئے کہ وہ اس صفت سے خدا کے شریک ہوئے یا نہیں۔ اگر نہیں تو حضور علیہ السلام کے لئے علم کلی ماننے سے کوئی شخص کیسے مشرک ہو جاتا ہے۔

تاسعاً یہ کہ خادم نے کمربلوانے دباتے دباتے پیراہن اٹھایا تو کمر چھلی ہوئی تھی اور کئی جگہ سے کھال اتر گئی تھی۔ اس میں یہ گزارش ہے کہ جب کسی جگہ سے کھال چھل جائے تو اس جگہ کو دیوایا نہیں جاتا۔ بلکہ دیوانے سے تو زخم میں ٹیس اٹھنے لگتی ہے۔ کیا اس سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اشرف علی تھانوی نے انتہائی بھونڈے طریقے سے اپنے پیر کی کرامت کو ظاہر کرنے کے لئے یہ حیلہ گھڑا ہے۔

عاشراً یہ کہ حاجی صاحب کو اپنے مرید کی بیسی اور آہ وزاری نے بیڑا پار لگانے کی طرف متوجہ کیا۔ اور سینکڑوں بندگانِ خدا کی بیسی پر کوئی رحم نہیں آیا۔ ورنہ یہ کہنے کی کیا وجہ تھی۔ کہ اس میں ایک تمہارا دینی اور سلسلے کا بھائی تھا۔ اس کی گریہ زاری نے مجھے بے چین کر دیا۔ صرف سرفراز صاحب ہی نہیں بلکہ ان کے تمام حواریوں کو دعوت ہے کہ وہ ان کے قائم کردہ اصول اور مبنی شرک کے تحت ان سوالوں کا جواب دیں۔ اس میں بہتوں کا بھلا ہو گا۔ ورنہ منصف مزاج

سرفراز صاحب کے اصولوں کی روشنی میں اشرف علی تھانوی کی اس بیان کردہ
گپ کو کوئی وقعت نہیں دیں گے۔

محمود الحسن کی گپ | محمود الحسن نے اپنے پیر مولوی رشید احمد گنگوہی
کی شان میں یہ شعر کہا ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسخانی کو دیکھیں ذری ابن مریم

(مرثیہ گنگوہی ص ۲۲)

بہت سے چالاک دیوبندی عام ذہنوں کو گمراہ کرنے کے لئے اس شعر کی
یہ باطل تو جیہہ کرتے ہیں کہ اس شعر میں مردہ سے مراد جاہل اور زندہ سے مراد
عالم ہے۔ یعنی جاہلوں کو عالم بنایا۔ اور عالموں کو جاہل نہ بننے دیا۔ یہ تو جیہہ قطعاً
باطل و مردود ہے۔ اس لئے کہ اگر یہی معنی مقصود تھا۔ تو پھر خاص طور پر حضرت
عسے علیہ السلام سے تقابل کی کیا ضرورت تھی۔ کیونکہ ہرنی میں تعلیم کا وصف موجود
ہوتا ہے۔ بالخصوص حضرت عسے علیہ السلام سے تقابل کی وجہ اس کے سوا
کچھ نہیں کہ زندہ کرنے سے مراد حسی زندہ کرنا ہے جو کہ حضرت عسے علیہ السلام
کا مشہور وصف تھا۔

اشرف علی کی بیان کردہ کرامت سے معلوم ہوا کہ حاجی انداد اللہ صاحب نے
ڈوبتے ہوئے جہاز کو تیرا دیا۔ اور محمود الحسن صاحب کے مرثیہ سے پتہ چلا کہ
رشید احمد گنگوہی مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے۔ اب میں انصاف پسند حضرات
سے گزارش کروں گا۔ کہ وہ سوچیں کہ اگر غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی
مسلم صاحب کرامت شخصیت کے بارے میں کوئی یہ واقعہ بیان کرنے
کہ آپ نے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے بیڑے کو تیرا دیا۔ تو سرفراز صاحب
اس کو گپ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اشرف علی تھانوی نے اپنے پیر کے
بارے میں بے سرو پا دعویٰ کر کے اسگبوت کی رام کہانی سنائی۔ محمود حسن صاحب

نے رشید احمد گنگوہی کے مُردے جلانے کا باطل دعویٰ کیا تو کیا یہ سب جبریل
 امین علیہ السلام کی لائی ہوئی وحی ہے۔ جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ جس وصف کو
 انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے لئے ثابت کرنا آپ کے نزدیک شرک اور ناجائز
 ہے۔ وہ اپنے پیروں اور مولیوں کے لئے عین توحید اور خالص ایمان کیسے
 ہو گیا۔ آخر کب تک آپ اپنی اس دھوپ چھاؤں کی پالیسی سے لوگوں کو قریب
 دیتے رہیں گے۔ آپ آخر یہ کیوں نہیں سوچتے کہ لوگوں کی آنکھیں ہیں۔ دل و
 دماغ ہے۔ وہ جب آپ کے اقوال و اعمال کا موازنہ کریں گے۔ تو آپ کے
 بارے میں کیا سوچیں گے۔ جن گیسوڑوں کے دام تیزویر میں آپ نے عوام کو
 پھانس رکھا ہے۔ جب وہ بیچ و خم کھل جائیں گے۔ تو پھر آپ کی کیا
 حالت ہوگی۔

کیا رہیں حرام ہونے کے دلائل کا تجزیہ | کیا رہیں شریف کو حرام
 اور ناجائز ثابت کرنے

کے لئے سرفراز صاحب نے شاہ عبدالعزیز صاحب کا ایک فتویٰ پیش
 کیا ہے کہ:

دعا کولات و مشروبات و دیگر اعمال رانیز از راہ تقرب دادن

حرام و شرک است، (تنقید متین ص ۴۹)

ہم گذشتہ سطور میں بیان کر چکے کہ مطلقاً تقرب و جہ شرک و حرمت نہیں
 ہے۔ بلکہ تقرب بطور عبادت موجب شرک و حرمت ہے۔ جس کی علامت شامی نے
 تحقیق کی ہے۔ اس لئے اس فتویٰ کے پیش کرنے سے سرفراز صاحب کو کوئی
 فائدہ نہیں حاصل ہوا۔

ثانیاً یہ کہ اسی فتاویٰ عزیز یہ میں شاہ عبدالعزیز صاحب تحریر فرماتے ہیں:
 فمتی کان اراقة الدم للتقرب اور جب خون بہانا غیر اللہ سے قرب کے
 الی غیر اللہ حرمت الذبیحة و متی لئے ہو تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا اور جب

كان اراقة الدم لله والتقرب الى
الغیر بالاكل والانتفاع حلت
الذبیحة -
عنوان بہانا اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور تقرب
الی الغیر کھانے کے ساتھ یا اس سے نفع
حاصل کرنے کے لئے ہو تو ذبیحہ حلال

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۷) ہو جائے گا۔

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے حرمت کا مدار مطلقاً تقرب الی الغیر
پر نہیں رکھا۔ ورنہ نفع حاصل کرنے کے لئے بھی تقرب الی الغیر حرام ہوتا۔ حالانکہ
اس کو شاہ صاحب نے حلال قرار دیا تھا۔ پس معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے
نزدیک جو تقرب للغیر حرام ہے۔ وہ تقرب بطور عبادت کے سوا اور کچھ نہیں۔
مذکورہ بالا قواعد پر تفریح بٹھاتے ہوئے اسی صفحہ پر شاہ صاحب فرماتے

ہیں :

دعلى هذا قلنا لو اشترى لحم من
السوق او ذبح بقرة او شاة لاجل
ان يطبخ مرقا وطعاما ليطعم
المفقراء ويجعل ثوابها الروح فلان
حلت بلا شبهة -
کسی شخص نے بازار سے گوشت خریدایا کا
ذبح کی یا بکری تاکہ اس کا کھانا تیار کرے
اور فقراء کو کھلا کر اس کا ثواب کسی روح
کو پہنچا دے تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔
(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۷)

علاوہ ازیں اس باب میں شاہ صاحب کی جملہ عبارات کی مزید توضیح ہم
اس کتاب کے چھٹے باب میں پیش کر رہے ہیں۔ جس کے سامنے آجانے
کے بعد انشاء اللہ العزیز مخالفین پر ظاہر ہو جائے گا کہ شاہ صاحب کی
عبارتوں میں دیوبندیوں کے مذموم مسلک کے ثبوت کی قطعاً گنجائش
نہیں ہے۔

گیارہویں کے ایصال ثواب پر سرفراز صاحب کا دوسرا سوال یہ ہے کہ:
بلاشبہ نفس ایصال ثواب صحیح ہے۔ اس میں کسی کو کوئی اختلاف
نہیں۔ مالی قسم کے صدقہ میں جملہ ائمہ فتویٰ متفق ہیں۔ لیکن یہ

بات سمجھ سے بالاتر ہے۔ کہ ایصالِ ثواب کے لئے پوری امت میں سے صرف حضرت عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ کا انتخاب کیوں کیا گیا ہے۔ کیا یہ ایصالِ ثواب کسی اور کو اس نہیں آتا۔“

(تنقید متین ص ۲۶۹)

اس کے بعد لکھا ہے:

”عوام الناس اپنے ماں باپ اور دیگر لواحقین کو گیارہویں..... کی شکل میں ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ جن میں سے کسی کی نمازیں کسی کے روزے اور کسی کی دیگر نیکیاں چھوٹ گئی ہوں گی۔ اور اغلب ہے کہ بہت سے گناہ کئے ہوں گے۔ عجیب بات ہے کہ محتاجوں کو تو ایصالِ ثواب نہ کیا جائے گا اور جو دریا میں ڈوبے ہوئے شخص کی طرح اپنے وارثوں کے صدقات و خیرات اور دعاؤں کے منتظر رہتے ہیں۔ اور اس بزرگ کو ایصالِ ثواب کیا جائے جو بفضلہ تعالیٰ نیکیوں سے مالا مال ہو۔“

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ سرفراز صاحب کو امت مسلمہ کا بڑا درد ہے۔ اور وہ اس بات کے بے حد آرزو مند ہیں کہ لوگ اپنے ماں باپ کے لئے ایصالِ ثواب کیا کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ بناوٹی رونا دھونا اور گرجھ کے آنسو ہیں۔ کیونکہ اہل سنت کا یہ مسلک نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب صرف گیارہویں کی شکل میں ہو اور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ساتھ مختص ہو۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ حضرت صدرالاقاضی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں فرمایا مسئلہ گیارہویں۔ تیجہ۔ چالیسواں وغیرہ بھی سب مبارزقہ ہر یوسفون میں داخل ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ فاتحہ۔ تیجہ اور چالیسواں یہ سب عام لوگوں کے ماں باپ اور رشتہ داروں کے ایصالِ ثواب کے ذرائع ہیں۔ فاتحہ سے علی الاطلاق ثواب پہنچایا جا ہے۔ تیجہ کے ذریعے میت کو تیسرے دن

ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے اور چہلم کے ذریعہ چالیسویں دن میت کو ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ سرفراز صاحب کا یہ دعویٰ کرنا کہ:

» اہل سنت و جماعت نے ایصالِ ثواب کو گیارہویں میں

بند کر دیا ہے «

باطل اور بے بنیاد ہے۔ اور اب ہم آپ کو یہ بتاتے ہیں کہ سرفراز صاحب کا یہ ہرگز منشا نہیں ہے کہ ایصالِ ثواب گیارہویں کے ساتھ خاص کرنے کی بجائے عام اموات کو بھی کیا جائے کیونکہ انہوں نے جس طرح گیارہویں پر بدعت کا فتویٰ لگایا ہے۔ اسی طرح سے فاتحہ نیجہ اور چہلم ان میں سے کسی کو بھی معاف نہیں کیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

» نیجہ اور چالیسواں وغیرہ بدعت مکروہ اور مذموم حرکتیں

ہیں « (تنقید متین ص ۵۸)

پس ظاہر ہو گیا کہ دعوتِ اعظم رضی اللہ عنہ کے لئے ایصالِ ثواب کرنے بھی سرفراز صاحب کے نزدیک حرام ہے۔ اور عام اموات کے لئے ایصالِ ثواب کرنا بھی مکروہ و بدعت سے خالی نہیں۔ تو پھر بتلائیے۔ وہ کونسا ایصالِ ثواب ہے جسے آپ بلاشبہ جائز اور صحیح قرار دیتے ہیں اور جس پر تمام ائمہ فتوے متفق ہیں۔ ممکن ہے اس کے جواب میں سرفراز صاحب یہ کہیں کہ بغیر تعیینِ یوم کے ایصالِ ثواب کیا جائے تو جائز ہے۔ جو اباً عرض ہے کہ ذہن ہمیں بھی اس طریقہ سے مطلع کر دیں۔ کہ بغیر تعیین کے کسی شیخ کا کس طرح تحتویٰ ہو جاتا ہے۔

سرفراز صاحب کا یہ کہنا بھی قطعاً باطل و مردود ہے۔ کہ ایسے بزرگ کے ایصالِ ثواب سے کیا حاصل جو نیکیوں سے مالا مال ہے۔ کیونکہ نبی علیہ السلام سے بڑھ کر تو کجا۔ نیکیوں میں آپ کے برابر بھی کسی شخص کا ہونا محال ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے:

عن حنث قال ساءت
علیا یضحی بکبشین فقلت
له ما هذا فقال ان رسول
الله صلی الله علیه وسلم
اوصانی ان احنج عنه فانا
احنج عنه۔

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۲۸)

حضرت حنث کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی
کو دو مہینہ صوم کی قربانی کرتے ہوئے دیکھا
میں نے پوچھا اس کا کیا سبب ہے۔ تو
حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے وصیت فرمائی تھی کہ میں آپ کی طرف
سے قربانی کیا کروں۔ پس میں آپ کی طرف سے
بھی قربانی کرتا ہوں۔

اب بتلائیے سرفراز صاحب کیا نبی علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ وہ نیکیوں سے
مالا مال ہیں۔ پھر آپ نے جن کراپنے آپ کو قربانی کے ایصالِ ثواب کے ساتھ
کیوں خاص کر لیا۔ امت کے گنہگار افراد کے لئے کیوں نہ وصیت فرمائی۔

شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایام وصال
میں ان کے پاس آپ کی نیاز دینے
کے لئے کوئی چیز میسر نہ تھی۔ آخر کار کچھ
بھنے ہوئے چھنے اور گڑ پر نیاز دی ایک
رات میں نے دیکھا کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
کے پاس انواع و اقسام کے طعام حاضر
ہیں اور ان کے درمیان وہ گڑ اور چھنے
بھی رکھے ہیں۔ آپ نے کمال مسرت و
التفات فرمایا۔ اور انہیں طلب فرمایا اور
کچھ آپ نے تناول فرمایا۔ اور کچھ آپ
نے اصحاب میں تقسیم کر دیا۔

مے فرمودند در ایام وفات حضرت
رسالت نآب صلی اللہ علیہ وسلم چیزے
فتوح نہ شد کہ نیاز آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم طعام پختہ شود قدرے نخود
ریاں وقتند سیاہ نیاز کردم شب در
واقعہ دیدم کہ انواع طعام بحضور آنحضرت
علیہ الصلوٰۃ والسلام عرض مے دارند و
در میان آن نخود وقتند نیز معروض داشتہ۔
تہایت ابتهاج و بشاشت اقبال
فرمودند و آن را طلبیدند و چیزے
ان تناول کردند و باقی در اصحاب قسمت
فرمودند۔ (الفاس العارفين ص ۴۱)

دیکھئے شاہ ولی اللہ صاحب کے والد نبی علیہ السلام کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب کرتے ہیں۔ اب آپ یہ سوال اُن سے کیجئے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تو ثواب سے مالا مال ہیں۔ شاہ صاحب دوسروں کو ایصالِ ثواب کیوں نہیں کرتے۔ کاش ان نادانوں کی عقل میں یہ بات آسکتی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام یا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ اور دیگر مقربینِ حق کی بارگاہ میں ایصالِ ثواب اس لئے نہیں کیا جاتا کہ انہیں ہمارے ثواب کی احتیاج ہے اور انہیں ہم سے کسی فائدہ کی خواہش ہے۔ بلکہ انہیں ایصالِ ثواب کرنے کی خودیہیں حاجت ہے تاکہ ان کے ساتھ رابطہ اور تعلق قائم ہو جائے۔ اور ممکن ہے میدانِ محشر میں یہی تعلق اور نسبت کام آجائے۔ اور ہم مقربینِ حق کی شفاعت سے بہرہ مند ہو جائیں۔ مقربانِ حق سے عناد رکھنے والے اور ان کی تنقیص کی فکر میں رہنے والے اللہ تعالیٰ کی یہ وعید کیوں بھول جاتے ہیں۔

من عادلی ولیاً فقد اذنتہ
بالحرب (مشکوٰۃ شریف ص ۱۹۷)
جو میرے ولی سے عداوت اور دشمنی رکھتا ہے
میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں۔

سوئم سوئم کو بدعت قرار دینے کے لئے سر فراز صاحب نے فتاویٰ رضویہ سے اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کی عبارت پیش کی ہے۔ ہم وہ عبارت قارئین کی عدالت میں پیش کر دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

”شریعت میں تو ثواب پہنچانا ہے۔ دوسرے دن ہو خواہ تیسرے دن باقی یہ تعین عرفی ہے۔ جب چاہیں کر لیں۔ انہیں دنوں کی گنتی ضروری جاننا جہالت ہے۔ و بدعت ہے“

اس پر سر فراز صاحب لکھتے ہیں:

”حیرت اور تاسف کی بات ہے کہ جس چیز کو فریق مخالف کے اعلیٰ حضرت بھی بدعت کہتے ہیں۔ وہ قرآنی حکم کی تفسیر کیسے بن سکتی ہے۔“ (تنقید متین ص ۵۹)

سرفراز صاحب کو یا تو پتہ نہیں چلا۔ یا جان بوجھ کر جاہل بنے ہیں اعلیٰ حضرت تو تعین ضروری جاننے کو بدعت قرار ہے۔ جو کہ تعین شرعی ہے۔ اور تعین عرفی کو جائز قرار ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ گفتگو اس میں ہے کہ وہ جو تعین کے اعتقاد کے بغیر سوئم جائز ہے یا نہیں۔ اور محمد لٹڈ سرفراز صاحب اس کے عدم جواز پر کوئی دلیل نہیں لاسکے۔ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ "الحجۃ الفاطمہ" چھپ چکا ہے۔ جس میں اکابر وہابیہ اور دیابنہ کی عبارتوں سے چہلم۔ سوئم اور عرس کے جواز پر استدلال کیا گیا ہے۔ سرفراز صاحب میں اگر جرأت اور ہمت تھی تو ان عبارتوں کا جواب دیتے۔ اسی طرح سرفراز صاحب نے دیگر فقہاء کرام کی عبارتوں سے مواد پیش کیا ہے کہ موت کے تیسرے دن ضیافت کرنا مکروہ ہے بیشک ضیافت کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ ضیافت خوشی کے موقع پر کی جاتی ہے اور یہ تو نعم اور سوگ کا موقع ہے۔ لیکن یہ ان کو کون سمجھاٹے کہ سوئم میں قل فاطمہ اور طعام کا ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے۔ اور ایصالِ ثواب کو اصولی طور پر آپ بھی مانتے ہیں۔ کہ بلاشبہ نفس ایصالِ ثواب جائز اور صحیح ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ اور مالی قسم کے صدقات میں جملہ ائمہ فتوے متفق ہیں۔ لیکن یہ نفس ایصالِ ثواب اسی وقت پایا جائے گا جب کسی دن اندر ہوگا۔ یا وفات کے پہلے روز ہوگا یا دوسرے یا تیسرے روز۔ اب ہم مسئلہ ایصالِ ثواب پر ایک مختصر سی گفتگو کرتے ہیں۔

ایصالِ ثواب دلائل شرعیہ کی روشنی میں | اہل سنت کے نزدیک ایصالِ ثواب جائز ہے۔

اور معتزلہ چونکہ حیات الاموات کے منکر ہیں۔ اس لئے وہ ایصالِ ثواب کا انکار کرتے ہیں۔ چنانچہ اس مسئلہ کو متکلمین نے کتب عقائد میں ذکر کیا ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں؛

زندہ لوگ جو وصال شدہ حضرات کے لئے
دعا مانگتے ہیں اور ان کی طرف سے صدقات
کرتے ہیں اس کا وصال شدہ لوگوں کو نفع
پہنچتا ہے اور معتزلہ کا اس میں خلاف ہے۔

(شرح عقائد نسفی ص ۲۵۲)

وفي دعاء الاحياء للاموات و
صدقة هراى صدقة الاحياء
عنهم - نفع لهم اى للاموات
خلافاً للمعتزلة -

اور حدیث شریف میں ہے:

عن سعد بن عبادۃ یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان امر
سعد ما انت فای الصدقت
افضل قال الماء فحفہ بیداً وقال
ہذہ لامر سعد -

(مشکوٰۃ شریف ص ۱۶۹)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مسئلہ ایصالِ ثواب کی تحقیق
میں فرماتے ہیں:

و مذہب اہل حق کہ اہل سنت و
جماعت اندا میں سنت و در عبادات
بدنیہ اختلاف دارند مثل نماز و تلاوت
قرآن و مختار وصولِ ثواب است و
امام عبداللہ شریانی در روضۃ الریاحین
مے گوید کہ شیخ اہل اکرم عز الدین
عبدالسلام را بعد از وفات او در خواب
دیدند کہ گفت ما در دنیا حکیم میکردیم
بعدم وصولِ ثواب تلاوت قرآن و

مذہب حق جو کہ اہل سنت و جماعت ہے
یہی ہے کہ مالی عبادات کا ثواب پہنچتا ہے
اور عبادات بدنیہ میں اختلاف ہے مثل
نماز اور تلاوت قرآن کے اور مختار یہ
ہے کہ ان کا ثواب بھی پہنچتا ہے اور
امام عبداللہ شریانی روضۃ الریاحین میں فرمایا
ہیں کہ شیخ عز الدین کو کسی نے خواب
میں دیکھا وہ فرماتے تھے کہ میں دنیا
میں کہتا تھا کہ تلاوت قرآن کا

دریں عالم بر خلاف آن یا فتم۔
(اشعۃ المعات ج ۲ ص ۶۹)

کا ثواب نہیں پہنچتا اور اب اس کے
خلاف پاتا ہوں۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

نزد علماء حنفیہ ثواب عبادتِ
بدنی و مالی بہ میت سے رسد۔ چنانچہ
در ہدایہ مرقوم است۔

علماء حنفیہ کے نزدیک عبارت مالی
اور بدنی دونوں کا ثواب میت کو پہنچتا
ہے جیسا کہ ہدایہ میں مرقوم ہے۔

ان الانسان لمان يجعل ثواب
عمله لغيره صلوة او صوما او
صدقة او غيرها عند اهل سنت
والجماعت وفي شرح الصدا
للسيوطى۔

بے شک اہل سنت کے نزدیک انسان
کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے عمل کا ثواب
غیر کو پہنچا دے۔ خواہ وہ عمل نماز ہو یا روزہ
یا صدقہ یا اس کے سوا۔ علامہ سیوطی فرماتے
یہاں کہ:

اخرج الطبرانی في الاوسط
عن انس رضی اللہ عنہ قال سمعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
يقول ما من اهل میت يموت
منهم میت یتصدقون عنہ بعد
موتہا الا اھا لہ جبرائیل علی
طبق من نور ثم یقف علی سفر القبر
فیقول یا صاحب القبر العیتق
ہذا ہدیۃ اھا
ایک فاقبلھا فتدخل
علیہ فیفرح بہا ویستبشر
ویحزن جیرانہ الدین

طبرانی نے اوسط میں اپنی سند کے ساتھ
حدیث ذکر کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے
بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم سے سنا۔ آپ فرماتے تھے کسی گھر کا
کوئی شخص نہیں مرتا پھر اس کے گھر والے اس
کی طرف سے صدقہ کریں۔ مگر اس صدقہ کو جبریل
ایک نورانی طبق میں رکھتا ہے پھر برب قبر
کھڑا ہو کر کہتا ہے اے صاحب قبر عیتق یہ
ہے ہدیہ۔ جسے تیرے اہل خانہ نے پیش
کیا ہے اس کو قبول کر لے۔ پس وہ ہدیہ اس
میت پر پیش ہوتا۔ پس وہ متوفی اس سے
مسرور ہوتا ہے اور اس کے وہ ہمسائے

لا يهدى البصر وايضا فيه
عن ابى هريرة رضى الله عنه
قال قال رسول الله صلى الله عليه
وسلم ان الله تعالى يرفع الدرجات
للعبد الصالح في الجنة فيقول يا رب
انى لى هذه فيقول باستغفاس
ولداك -

نمکین ہوتے ہیں جن کی طرف کسی نے ہدیہ نہیں
بھیجا اور اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ
عنه سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک اللہ تعالیٰ
عبد صالح کا درجہ جنت میں بلند فرماتا ہے پس
وہ بندہ کہتا ہے کہ اے رب یہ مرتبہ کہاں سے
ظاہر ہوا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیری اولاد

(مسائل اربعین ص ۳۳)

کی دعا کی وجہ سے۔

ایصالِ ثواب میں تعین کی توضیح
گذشتہ سطور میں ہم نفس ایصالِ ثواب کا
شرعی ثبوت فراہم کر چکے ہیں۔ جس کا

اقرار بظاہر سرفراز صاحب نے بھی کیا ہے۔ اب اختلاف اس بات میں رہ گیا کہ سوئم
گیارہویں اور عرس وغیرہ کی معین تارہ نخوں میں بھی ایصالِ ثواب جائز ہے یا نہیں۔
پس ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ بلاشبہ جائز ہے۔ کیونکہ دلائل شرعیہ سے ایصالِ ثواب
کے حکم کلی کا جواز ثابت ہے۔ اور ایسا عوجی کے طالب علم سے بھی یہ امر مخفی
نہیں ہے۔ کہ کلی اپنے افراد کے ضمن میں پائی جاتی پس سوئم۔ چلم۔ عرس اور گیارہویں
وغیرہ ایصالِ ثواب کے افراد ہیں۔ اور جس طرح کلی بغیر افراد کے پایا جانا باطل ہے
اسی طرح نفس ایصالِ ثواب کا بغیر کسی معین دن کے پایا جانا باطل ہے۔

سرفراز صاحب نے اعلیٰ حضرت اور دوسرے فقہائے کرام کے حوالہ
سے بیان کیا ہے کہ تعین بدعت ہے۔ گناہ ہے کہ مطلق تعین بدعت نہیں
ہے بلکہ تعین شرعی بدعت ہے۔ یعنی کوئی شخص یوں اعتقاد کرے کہ اگر گیارہ تاریخ
کو ایصالِ ثواب کیا گیا تو صحیح ہے۔ اور اگر بارہ تاریخ کو کیا گیا تو حرام ہے۔ اور ان
تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو فرمنا یا واجب سمجھے تو یقیناً تعین بدعت سیئہ اور
باطل محض ہے۔

اور اگر آپ کو ہماری اس تحقیق کے ماننے میں تاثر ہو لیجئے ہم آپ کے پیر
روشن ضمیر کی زبان سے کہلوائے دیتے ہیں۔ دیکھئے حاجی امداد اللہ مہاجر کی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں:

”نفس ایصالِ ثواب ارواحِ اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں
بھی تخصیص و تعین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھنے یا فرض و واجب اعتقاد
کرنے تو ممنوع ہے۔ اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث
تقلید ہیئت گزائیہ ہے۔ تو کچھ حرج نہیں۔ جیسا کہ مصلحت نماز میں
سورہ خاص معین کرنے کو فقہار و محققین نے جائز رکھا ہے“
(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)

اہل سنت ان عرفی تاریخوں کو فرض یا واجب اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں
کو حرام نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کے علاوہ دوسرے ایام میں بھی ایصالِ ثواب کو نہ صرف
جائز سمجھتے ہیں بلکہ اس پر بھی عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ سرفراز صاحب کو بھی طوعاً و کرہاً
اس کا اقرار کرنا پڑا۔ لکھتے ہیں:

”اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ حیلہ شروع
کر دیا۔ کہ کسی جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منایا جیتے ہیں۔ اور کسی دوسری
جگہ بارہویں تیرہویں کو۔“ (تنقید متین ص ۵۰)

اس عبارت سے بہر حال یہ
ثابت ہو گیا کہ ہمارے نزدیک

گیارہویں کو حرام کہنا بدعت ہے

عرفی تاریخوں میں ایصالِ ثواب کرنا واجب اور ان کے غیر میں ایصالِ ثواب حرام
نہیں ہے اور ہم اطلاق شرعی کو اس کے اطلاق پر رکھتے ہیں۔ آپ اور آپ کی
پوری جماعت خدا و رسول کے سامنے یقیناً جواب دہ ہوگی کہ آپ نے ان معین
تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دے کر شرعی اطلاق کو باطل کر دیا۔ رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں ہر دن ایصالِ ثواب جائز ہے۔ لیکن آپ اور

آپ کی جماعت نے سوئم - منہتم - چہلم - گیارہویں اور عرس کے ایام میں ایصالِ ثواب کو حرام کر کے رسول اللہ کی تغلیط کی ہے عافانا اللہ تعالیٰ من ذالک۔
 نیز جب آپ نے تیجا - ساتواں - دسواں - گیارہویں - بارہویں - چہلم - عرس کی معین تاریخوں میں ایصالِ ثواب کو حرام قرار دیا۔ اور باقی ایام میں ایصالِ ثواب جائز رکھا۔ تو پھر باقی ایام ایصالِ ثواب کے لئے آپ نے معین کر دیئے۔ سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے اگر ہم پر سات دنوں کی تعیین کا اعتراض تھا تو آپ پر تو تین سو اٹھاون دنوں کی تعیین کا سوال ہے۔ اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ ان سات دنوں کو آپ نے ایصالِ ثواب کی تحریم کے لئے معین کر لیا اور یہ کوئی تعیین عرفی نہیں۔ جس سے آپ کی جان چھوٹ جائے۔ بلکہ تعیین شرعی ہے۔ کیونکہ آپ کہتے ہیں کہ ان معین دنوں میں ایصالِ ثواب کرنا شرعاً حرام ہے۔ بتلائیے اس شرعی حرمت اور تعیین شرعی پر آپ کے پاس کون سی صحیح اور صریح دلیل ہے۔ بیشک تعیین بدعت ہے۔ آپ نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں میں سے تین سو اٹھاون دنوں کو ایصالِ ثواب کے جواز کے لئے معین کر لیا۔ اور سات دنوں کو حرمت کے لئے معین کر لیا۔ اور یہ تعیین بہر حال تعیین شرعی ہے۔ اور تعیین شرعی کے بدعت ہونے میں کسی کو شبہ نہیں۔ سرفراز صاحب ذرا ہوش میں آ کر جواب دیجئے کہ تعیین شرعی اہلسنت بریلویوں کی بدعت ہے یا وہابی دیوبندیوں کی۔

تعیین عرفی گذشتہ سطور میں ہم بیان کر چکے ہیں کہ سوئم - چہلم اور عرس وغیرہ ایصالِ ثواب کے حکم کلی کے افراد ہیں اور ان تاریخوں کی تعیین شرعی نہیں عرفی ہے۔ اور اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ اور یہ حکم مطلق ہے۔ ظہر کی نماز اپنے پورے وقت میں سے جس وقت بھی پڑھ لی جائے ادا ہو جائے گی۔ لیکن اس کے باوجود مساجد میں ادائیگی کا وقت معین کر دیا جاتا ہے۔ کہیں ظہر ڈیڑھ بجے ہوتی ہے اور کہیں دو بجے اور کہیں دو بجے اور کہیں ڈھائی بجے۔ لیکن یہ تعیین عرفی ہوتی ہے اور

اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ ان معین اوقات کے علاوہ اگر پہلے یا بعد نماز ادا کی گئی تو نماز ناجائز ہوگی۔ اسی طرح سوئم۔ چہلم وغیرہ کا معاملہ ہے ان ایام کی تعیین عرفی ہے۔ اور ان ایام کے پہلے یا بعد بھی ایصالِ ثواب جائز ہے۔

تعیین عرفی کی تزییح | اگرچہ ایصالِ ثواب کرنا ہر دن جائز ہے لیکن چونکہ لوگوں میں تیسرے چالیسویں اور سالانہ عرس کی رسم پڑھ چکی ہے اس لئے اموات کو ان ایام میں اپنے اقرباء کے ایصالِ ثواب کا انتظار رہتا ہے اس لئے ان ایام میں ایصالِ ثواب کرنا باقی ایام کی نسبت راجح قرار پائے گا دیکھئے شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ متوفی ۱۲۵۲ھ فرماتے ہیں؛

وَمَدَدُ زَنَدَکَانَ بِلَمَدَکَانَ دَرِیْ سَحَالَتِ
زَوْدُ تَرْمِیْرُ سَدِّ مَرُوکَانَ مُنْقَطِرُ لِحَوَقِ مَدَدِ
اَزِیْ طَرَفِ مَے بَاشَنَدِ چَنَّاں گَمَاں
مَے بَرَنَدَ کَہ ہَنُو زَنَدَہ اَیْمِ اَلِی اِن قَالِ و
صَدَقَاتِ وَاَدِیْعَہ فَاتْحَہ دَرِیْیْ وَتِ
بَسِیَارَ کَارِ اَدْمِیْ اَیْدِ وَاَزِیْیْ جَااَسَتْ
کَہ طَوَالِفِ نَبِیْ اَدْمِ تَاہِیْ کِساَلِ وَعَلِی اَلْمُخْصَوصِ
تَاہِیْ کِ چَلہ بَعْدِ مَوْتِ دَرِیْیْ نَوْعِ اَمَدَادِ
کُو شَشْ تَمَامِ مَے نَمَانِیْدَ۔
عالم برزخ میں زندوں کی مدد اموات
کو بہت جلد پہنچتی ہے اور اموات کو
زندوں کی مدد کا انتظار رہتا ہے اور
وہ لوگوں سمجھتے ہیں کہ وہ ابھی زندہ ہیں اور
صدقات فاتحہ دعائیں اس وقت بہت
کام آتی ہیں۔ اسی وجہ سے لوگ ایک
سال تک اور بالخصوص چالیس دن
تک اسی قسم کی مدد کرتے رہتے ہیں۔
(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۱۱۲)

شاہ عبدالعزیز کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ تعیین عرفی کی تزییح پر مبتدعین دیوبند کے مسلم شیخ حاجی امداد اللہ کا کلام بھی ہدیہ ناظرین کیا جائے تاکہ شریعت و طریقت ہر دو طریق سے عرفی تعیین کا رجحان واضح ہو جائے۔ ملاحظہ فرمائیے حاجی امداد اللہ تحریر فرماتے ہیں؛

”رہا تعیین تاریخ! یہ بات تجربہ سے معلوم ہوتی ہے کہ جو امر کسی خاص وقت میں معمول ہو یعنی کسی معین وقت میں اس کام کو کرنا

معمول بن چکا ہو۔ سعیدی غفرلہ! اس وقت وہ یاد آجاتا ہے۔ اور ضرور آتا رہتا ہے اور نہیں تو سالہا سال گذر جاتے ہیں۔ کبھی خیال بھی نہیں ہوتا۔ اسی قسم کی مصلحتیں ہر امر میں ہیں جن کی تفصیل طویل ہے محض بطور نمونہ تھوڑا سا بیان کیا گیا ہے۔ ذہن آدمی غور کر کے سمجھ

سکتا ہے، (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۶)

کاش سرفراز صاحب بھی غور کر کے سمجھ جائیں۔ ورنہ ہم تو ان کی ذہانت سے

ہاتھ دھویں گے۔ نیز شاہ ولی اللہ صاحب فرماتے ہیں:

ازینجاست حفظ اعراس مشائخ و
اور اسی ضمن میں بزرگوں کی عرسوں کی حفاظت
کرنا ہے اور ان کی قبروں پر ہمیشہ جاتے
رہنا اور ان کے لئے فاتحہ پڑھنے کو لازم کرنا
نواذین و صدقہ دادن برائے ایشاں۔
(ہمعات ص ۵۸)

اور ان کے لئے صدقہ کرنا ہے۔
اب دیکھئے ذہین آدمی سمجھ جائے گا کہ شاہ ولی اللہ جو مشائخ کے عرسوں کی حفاظت
کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ یہ حفاظت اسی صورت میں ہو سکے گی۔ جب عرس کے
لئے ایک تاریخ معین ہو جائے۔ لوگ اس میں شریک ہوں۔ فاتحہ پڑھیں اور صدقہ
کا ایصال ثواب کریں۔ اور اگر تاریخ معین نہ ہوئی تو کسی کو کیا معلوم کہ عرس کب ہوا۔
کب نہ ہوا۔ پس لوگ نہ وہاں جائیں گے نہ عرس ہوگا۔

معلوم ہوا کہ شاہ صاحب کے نزدیک بھی عرفی تاریخوں کی تعیین راجح ہے۔
مگر یہ باریک بینی سرفراز صاحب کے بس کاروگ نہیں۔ اس لئے ہم ان کی خدمت
میں شاہ رفیع الدین صاحب کا ایک فتویٰ پیش کرتے ہیں۔ جس میں صاف الفاظ میں
اس ترمیم کو بیان کیا گیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے شاہ رفیع الدین لکھتے ہیں:

در حدیث است کہ یهود عرض
در حدیث میں ہے کہ یہود نے جناب نبوت
کردند در حضور جناب نبوت کہ حق
میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ
تعالیٰ نصرت حضرت موسیٰ و عرق فرعون
علیہ السلام کی مدد اور عرق فرعون

دیں روزِ کردہ است برائے شکرانہ
 اور روزہ میکیریم۔ جناب نبوت صلی اللہ
 علیہ وسلم فرمودند۔ انا حق من وفا
 بذمتہ الی موسیٰ۔ فصام یوم عاشورا
 و امر الناس بصیامہ و نیز حضرت
 بلال را وصیت فرمودند بصوم روز
 دو شنبہ و فرمودند فیہ ولدت و فیہ
 انزل علی و فیہ ہجرت و فیہ اموت
 بنا بریں یاد کردن تاریخ و آن ماہ رسم
 مردم افتاد و اگر چہ فی الحقیقت یاد
 داشتن آن روز فائدہ ندانست زیرا کہ
 وقت تصدق و دعا ہمیشہ است لیکن
 چوں مردمان ازین چنان محافظت
 این رسم گذشتہ اندایشان را انتظار
 بر بسوئے والدین یا اقارب مے باشد
 رفع انتظار ایشان فائدہ است معتد
 بہ معاملات مکاشفہ دریافت شد
 کہ در چینین روز اجتماع ارداھے
 دوستاں در بر زرخ مے شود پس
 امداد دعا و ختم و اطعام بدعت مباح
 است و صبر فبیح ندارد۔

(فتاویٰ شاہ رفیع الدین ص ۱۴)

بحمد اللہ تعالیٰ ہم نے شاہ ولی اللہ شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین اور حاجی

امداد اللہ کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ عرفی تعین راجح ہے اور اول الذکر میں حضرت
ان لوگوں میں سے ہیں جن کی عبارات سے سرفراز صاحب نے تنقید متین میں استدلال
اور استشہاد کیا ہے اور مؤخر الذکر تمام مبتدعین دیوبند کے متفق علیہ ہیں اور مسلم شیخ
ہیں۔ اب آپ کے لئے دو ہی راستے ہیں۔ یا تو تعین یوم کو مباح مان کر عرسِ رسوم
اور پہلے کو جائز مان لیجئے یا پھر ان تمام حضرات کو بدعتی اور مشرک قرار دے کر جہنم میں
پہنچا دیجئے۔

اس مسئلہ کی توضیح مزید

کے لئے شاہ عبدالعزیز

شاہ عبدالعزیز صاحب کی تعین یوم پر تصریح

کا ایک فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

سوال :- سال کے بعد ایک دن
کو زیارت قبور کے لئے معین کر لینا
جائز ہے یا نہیں۔

جواب :- سال کے بعد ایک دن معین
کر کے قبر پر جانے کی کئی صورتیں ہیں۔
اول :- ایک یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع
کے قبر پر جائیں اور زیارت اور دعا
وغیرہ کریں۔ اور یہ از روئے روایات
ثابت ہے تفسیر درمنثور میں نقل ہے
کہ ہر سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
مقابلہ میں اہل قبور کی دعا کے لئے
تشریف لے جاتے تھے۔

(امام رازی کی تفسیر کبیر ج ۵ ص ۲۰ پر بھی
اس قسم کی روایات موجود ہیں۔ سجدی)

سوال :- تعین و تقریر یک روز بعد
سالے بنا برت زیارت قبور بزرگان
جائز است یا نہ

جواب :- رفتن بر قبور بعد سالے
یک روز معین کردہ سے صورت است
اول :- آنکہ یک روز معین نمودہ یک
شخص یا دو شخص بغیر ہیئت اجتماع
مردمان کثیر بر قبور محض بنا برت زیارت و
واستغفار بر وند این قدر از روئے روایات
ثابت است و در تفسیر درمنثور نقل نمودہ
کہ ہر سال آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
بر مقابلہ میرفتند و دعا برائے مغفرت
اہل قبور سے نمودند۔ این قدر ثابت و
مستحب است۔

دوم۔ ہیئت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن کریں۔ اور شیرینی یا طعام پر فاتحہ پڑھیں حاضرین کے درمیان تقسیم کریں۔ یہ قسم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس اور عہد خلفاء راشدین میں معمول نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی اس طرح کرے تو حرج نہیں کیونکہ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے سوم۔ لباس فاخرہ پہن کر عید کی طرح شاداں و فرجاں قبر پر ایک معین دن جمع ہوں۔ اور قبر پر رقص و سرود کی محفل سجائیں اور قبر پر سجدہ و طواف کریں۔ یہ قسم حرام و ممنوع ہے۔ بلکہ حد کفر تک پہنچتی ہے۔ اور یہی ان دو حدیثوں کا مطلب ہے۔ جن میں ہے میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ اے اللہ میری قبر کو پوجا کئے جانے والا بت نہ بنانا۔ یہ دونوں حدیثیں مشکوٰۃ شریف میں بھی مذکور ہیں۔

دوم۔ آنکہ ہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شونند و ختم کلام اللہ کنند و فاتحہ بر شیرینی یا طعام نمودہ تقسیم در میان حاضران نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نمود اگر کسی این طور بکند پاک نیست۔ زیرا کہ دریں قسم قبح نیست بلکہ فائدہ اجار و اموات را حاصل مے شود سوم۔ طرز جمع شدن بر قبور نیست کہ مردمان بکروز معین نمودہ و لباسہا کے فاخرہ و نفیس پوشیدہ مثل روز عید شاداں شدہ بر قبر ہا جمع میشونند رقص و مزایرود و دیگر بدعات ممنوعہ مثل سجدہ برائے قبور و طواف کردن قبور مے نمایند این قسم حرام و ممنوع است بلکہ بعضے سجد کفر میر سندد میں است محل این دو حدیث ولا تجعلوا قبری عیدا۔ چنانچہ در مشکوٰۃ شریف موجود است۔ و اللہم لا تجعل قبری وثنا یجید این ہم در مشکوٰۃ است۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۸)

شاہ صاحب کے اس تفصیلی جواب سے ظاہر ہوا کہ عرس کے لئے دن معین کر کے

ایصال ثواب کرنا۔ طعام و شیرینی پر فاتحہ پڑھنا ختم قرآن کرنا یہ سب جائز ہیں۔ اور مدارِ حرمت قبر کے لئے سجدہ و طواف کرنا اور تفصی و سرود کا ارتکاب ہے۔ نہ کہ تعین یوم۔ ممکن ہے سرفراز صاحب کی آنکھیں کھل گئی ہوں۔ اور اب بھی اگر ان کے سر سے بدعت کا بھوت نہ اترتا ہوتا ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

شاہ عبدالعزیز کے ایک معاصر نے ان پر ہر سال شاہ ولی اللہ کا عرس منانے پر اعتراض کیا۔

و عرس بزرگسال خود بخود مثل
فرض دانستہ۔ سال بسال بمقبرہ اجتماع
کردہ طعام و شیرینی در آنجا برود تقسیم
نمود و مقابر را و شنائے عبدے کند
انہوں نے اپنے بزرگوں کے عرس کو اپنے
اوپر لازم کر لیا ہے سال کے سال مقابر پر
جاتے ہیں، طعام و شیرینی تقسیم کرتے ہیں
اور انسانوں کی تعریف میں مشغول ہوتے ہیں۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۵)

اب آپ اس سوال کا جواب شاہ صاحب کے قلم سے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ اعتراض ہمارے حال سے ناواقفیت
پر مبنی ہے۔ کیونکہ غیر فرائض شرعیہ کو
کوئی شخص بھی فرض نہیں جانتا۔ ہاں قبور
صالحین کی زیارت اور ان سے برکت
حاصل کرنا اور ثواب سے ان کی امداد کرنا
اور تلاوت قرآن و دعائے خیر کرنا اور
کھانا اور شیرینی تقسیم کرنا باجماع علماء امر
متحسن اور خوب ہے اور روز عرس کی تعین
اس لئے ہے کہ اسی دن انکار وصال ہوا اور
یہ دن انکے وصال کی یاد دلاتا ہے۔

اس طعن مبنی است بر چہل احوال
مطعون علیہ زیرا کہ غیر فرائض شرعیہ
را هیچ کس فرض نمی دانند آئے زیارت
و تبرک بقبور صالحین و امداد ایشان
باندن ثواب و تلاوت قرآن و دعائے
خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و
خوب است باجماع علماء و تعین روز
عرس برائے آنست کہ آن روز مذکور
انتقال ایشان ہے باشند دار العمل
بدار الثواب (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۹)

شاہ عبدالعزیز کی اس عبارت سے کئی فوائد حاصل ہوئے۔

اولاً شاہ عبدالعزیز ہر سال تارنخ معینہ پر اپنے والد کا عرس کیا کرتے تھے۔ علماء اہل سنت کو تو آپ ہمیشہ کوستے رہتے ہیں کہ یہ معین تارنخ پر سوئم چہلم عرس کیا رہیں وغیرہ کرتے ہیں۔ اور تعین بدعت ہے اور کل بدعتہ ضلالتہ وکل ضلالتہ فی النار۔ اب اپنے مسلم شیخ و مرشد کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دے کر جہنم میں پہنچائے گا۔ اور اگر آپ کے موعوم شیخ عرس کی تارنخ معین کرنے سے بدعتی نہیں ہوئے تو آپ اہل سنت کو کیوں تعین یوم کی وجہ سے اہل بدعت کہتے ہیں۔ وجہ فریق بیان ہو۔ ورنہ لوگوں کو آپ کی اصل میں شبہ پڑ جائے گا۔ کیونکہ اسرائیلی نسل ہی کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک کو اپنے احبار و رہبان (علماء اور پیرا) کے لئے جائزہ قرار دیتے۔ اور اسی کام کو جب مسلمان کرتے تو اسے غلط کہا کرتے تھے۔ پھر آپ ہی بتلائے کہ ہم آپ کو کیا سمجھیں۔

ثانیاً اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شاہ صاحب صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کیا کرتے تھے۔

شاہ عبدالعزیز کی عبارتوں پر تکیہ کرنے والے گھڑوی کے لئے مقام عبرت ہے کہ وہ کیا رہیں کو اس لئے حرام وغیرہ قرار دیتے ہیں کہ بڑے پیر تو ویسے ہی نیکیوں سے مالا مال ہیں۔ انہیں ایصالِ ثواب کی کیا ضرورت ہے۔ اسی طرح صالحین بھی نیکیوں سے مالا مال ہوتے ہیں۔ اب شاہ صاحب سے پوچھئے۔ کہ وہ صالحین کے لئے ایصالِ ثواب کو کیوں جائزہ قرار دیتے ہیں

ثالثاً۔ اس ہیئتِ مخصوصہ کے ساتھ عرس کیا۔ خیر القرون میں موجود تھا۔ اگر نہیں تھا تو پھر شاہ صاحب کے بارے میں کیا فتویٰ ہے جو آپ کے مسلمہ حرام کو حلال کئے جا رہے ہیں۔

رابعاً۔ علماء اہل سنت کو تو آپ اپنی روایتی بدگمانی کی وجہ سے کہہ دیتے ہیں کہ۔

آڑ تو بظاہر مسئلہ کی ہے۔ مگر انتظام سب پیٹ کا ہے۔ اور عوام

الناس کو وہ آئے دن بجائے دلائل و براہین کے چاروں اور مٹھابوں
مطہین کرتے رہتے ہیں۔ (تنقید تین ص ۵۱)

اب شاہ صاحب کے بارے میں کیا کہئے گا۔ جو فرماتے ہیں۔

”نقسیم طعام و شیرینی امر متحسن و خوب است“۔ (کھانے اور مٹھائی کا
نقسیم کرنا بہت اچھا کام ہے)

اگر یہ مسئلہ واقعی پیٹ کے انتظام کے لئے ہے۔ تو گستاخی معاف اس
کی بنیاد تو آپ کے حکمی باپ دادا نے رکھی ہے اور من سن فی الاسلام سنہ
ستینۃ فعلیہ و ذرہا و ذرہ من عمل بہا (جو شخص کسی برے کام کی بنیاد
رکھے اس پر اپنا اور آئندہ نسلوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا) کے فارموسے کے تحت
ان امور کا وبال آپ کے معنوی آباء کے قرطاس عمل کی رسوائی قرار پائے گا۔ اہل
سنت پر تبرا کرنے سے پہلے کاش آپ نے ایک نگاہ اپنے اسلاف پر
کی ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ نے کھانے والے
منہ نہیں دیکھے یا پھر مسئلہ کی آڑ میں پیٹ

پیٹ کا منتظم کون ہے

کا انتظام کرنے والے کاریگروں سے تجاہل عارفانہ برت رہے ہیں۔ بہر
حال اب وقت آ گیا ہے کہ اس راز سے پردہ اٹھا ہی دیا جائے۔ ملاحظہ فرمائیے۔
رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں:-

سوال۔ ہندو تہوار ہولی یا دیوالی میں اپنے استاد یا حاکم یا نوکر کو کھلیں
یا پوری یا کچھ کھانا بطور تحفہ بھیجتے ہیں۔ ان چیزوں کا لینا اور کھانا
استاد و حاکم و نوکر مسلمان کو درست ہے یا نہیں۔

جواب۔ درست ہے۔ رشید احمد غفنی عتہ (فتاویٰ رشیدہ ص ۲۸۸)

ہولی اور دیوالی معین تاریخوں میں منائی جاتی ہیں۔ اور ہندوں کے مذہب
میں ان کا تاریخ معینہ سے پہلے یا بعد منانا جائز نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ

جب آپ کے نزدیک گیارھویں کا کھانا تعیین کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے۔ تو ہولی اور دیوالی کی پوریاں تعیین کی وجہ سے کس طرح جائز ہو جاتی ہیں نیز آپ کے قطب عالم نے سپیل حسین کے شربت کو شیعہ حضرات سے مشابہت کی وجہ سے حرام قرار دیا ہے۔ تو گتار شہ ہے کہ جب کوئی حلال کھانا مسلمانوں کے ایک گمراہ فرقہ کے شعار سے محض مشابہت کی وجہ سے حرام ہو جاتا ہے تو جو طعام بجائے مشابہت کے خود کفار کا شعار ہو۔ اس کا کھانا کس طرح جائز ہو جائے گا۔ علاوہ ازیں آپ کے مفتی علی الاطلاق نے بغیر کسی دلیل اور شرعی شہادت کے ہندوؤں کے ہاتھ کا پکا ہوا کسی قید یا استثناء کے بغیر حلال کر دیا۔ گکھڑوی صاحب نے حق فرزند ہی ادا کرتے ہوئے گنگوہی صاحب کی وکالت میں لکھا کہ:-

” فقہاء کرام نے تصزیح کی ہے کہ جو رقم کافر کے پاس ہو خواہ اس نے شراب فروخت کی ہو یا سود لیا ہو۔ اور عام اس سے کہ اس نے خنزیر فروخت کر کے رقم حاصل کی۔ یا عصمت فروشی کے بعد رقم حاصل کی۔ جب وہ رقم مسلمان کے ہاتھ میں آجائے گی اور تبدیل ملک ہو جائے گا۔ تو وہ حلال و طیب ہو جائے گی“

سبحان اللہ کیا کہتے ہیں اس استدلال کے، اگر آپ کو کافر کتا اور خنزیر بھی پکار کر پیش کرے۔ تو تبدیل ملک کے بعد وہ بھی آپ کے لئے حلال اور طیب ہو جائے گا۔ بریں عقل و دانش بیاید گر بیست

پتہ نہیں سرفراز صاحب نے خود مغالطہ کھایا ہے یا لوگوں کو بیوقوف بنانے کی کوشش کی ہے۔ کفار کی رقم حرام کی کمائی ہی سہی لیکن بنفسہا رقم کو تو نہیں چایا جاتا۔ بلکہ اس سے خرید کر کوئی چیز کھانی جائے گی۔ بخلاف کافر کے ہاتھ سے پکی ہوئی چیز کے کہ اس کو خود کھایا جائے گا۔ پس ان دونوں کا حکم ایک کس طرح ہو سکتا ہے۔ اور ہندو لوگ جن کا عام حال یہ ہے کہ وہ گائے کے پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں۔ اس کے پینے کو سعادت جانتے ہیں۔ کتا ان کے برتنوں کو چاٹتا

رہتا ہے۔ خود دن رات انواع و اقسام کی نجاستوں میں ملوث رہتے ہیں۔ ان کے ہاتھ سے معین دن میں پکے ہوئے کھانے کو بلا کسی قید و استثناء کے جائز قرار دینا رشید احمد گنگوہی جیسے فقیہ ہی کا کام ہو سکتا ہے۔

ایں کاراز تو آید و مرداں چنین کنند

اب پتہ چلا کہ مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام کرنے والے کون لوگ ہیں اور اگر اب بھی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو تو ایک اور حوالہ بھی پیش خدمت ہے۔ شبیر احمد صاحب عثمانی، حفظ الرحمن صاحب کے جواب میں لکھتے ہیں۔

”دیکھئے مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے آپ کے مسلم بزرگ و پیشوا تھے۔ ان کے متعلق بعض لوگوں کو یہ کہتے ہوئے سنا گیا کہ ان کو چھ سو روپیہ حکومت کی جانب سے دیئے جاتے تھے۔ اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے تھے کہ گو مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا علم نہ تھا کہ روپیہ حکومت دیتی ہے۔ مگر حکومت ایسے عنوان سے دیتی تھی کہ ان کو اس کا شبہ بھی نہ گذرتا۔ اب اسی طرح اگر حکومت مجھے یا کسی شخص کو استعمال کرے مگر اس کو یہ علم نہ ہو کہ اسے استعمال کیا جا رہا ہے۔ تو ظاہر ہے کہ وہ شرعاً اس میں مانو ذہب نہیں ہو سکتا۔“

مکالمۃ الصدرین ص ۱۶

دیکھا آپ نے یہ ہے مسئلہ کی آڑ میں پیٹ کا انتظام۔ تھانوی اور عثمانی اپنے پیٹ کا انتظام بھی کرتے رہے اور شرعاً مانو ذہب نہ ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ عثمانی صاحب اپنی اور تھانوی صاحب کی برأت میں خواہ کچھ کہتے رہیں۔ لیکن سوچنے والے ضرور سوچیں گے کہ حکومت برطانیہ آخر ان مولو پولو کو اس قدر رقوم کیوں مہیا کرتی تھی اور دیوبند کی چار دیواری میں ان سے وہ کونسا کام لیا جاتا تھا۔ جس کے لئے حکومت کو اتنی بھاری قیمت ادا کرنی پڑتی تھی۔

امید ہے کہ آئینہ میں اس قدر واضح خدو خال دیکھنے کے بعد سرفراز صاحب

کے لئے اب یہ حقیقت راز نہ رہی ہوگی۔ کہ کھانے پینے کا رسیا کون ہے اور فقہی رعایتوں سے کس نے فائدہ اٹھایا ہے۔

ضابطہ سنت بیان کرنے میں سرفراز صاحب کی فائش غلطی | گیارہویں شریف

کو خلاف سنت اور بدعت قرار دینے کے لئے گھڑوی صاحب نے ایک ورمذوم کوشش کی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔

”کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے گیارہویں دینے کا حکم فرمایا

ہے۔“ (تنقید تین ص ۵۲)

اس کے جواب میں عرض ہے کہ اگر کسی جزئیہ کے سنت ہونے کا مدار اس امر پر ہو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بالخصوص اس جزئیہ کا حکم فرمایا ہو تو دنیا میں بے شمار جزئیات سنت ہونے سے رہ جائیں گے۔ مثلاً وعظ و تبلیغ کرنا سنت ہے۔ پس اب کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ کیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص سرفراز صاحب کو وعظ کرنے کا حکم فرمایا ہے اگر ایسا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ ورنہ ثابت ہوا کہ گھڑوی کا وعظ کرنا بدعت ہے، اس کے بعد سرفراز صاحب نے دوسرا سوال یہ قائم کیا ہے کہ

”ایصالِ ثواب کے لئے کیا کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد

فرمایا ہے؟“ (تنقید تین ص ۵۲)

جواباً التماس ہے کہ:-

”دروغ گور حافظہ نباشد“

ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ اہل سنت سوئم و چہلم وغیرہ کرتے ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ عام افراد امت کے لئے ہوتے ہیں پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب کے لئے ایک ہی شخصیت کا انتخاب کر لیا ہے۔ ارے صاحب۔ اگر آپ کے خیال میں اہل سنت صرف گیارہویں دیتے ہیں۔ تو نتیجہ۔ چالیسواں اور عرس کا نام نہ

لیجئے۔ اور اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اہل سنت سوئم وغیرہ بھی کرتے ہیں۔ تو یہ نہ کہئے کہ سنیوں نے ایصالِ ثواب کو صرف بڑے پیر کے ساتھ خاص کر لیا ہے۔ آپ ہی غور کریں کہ آپ کے کلام میں کس قدر تضاد پایا جاتا ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ اہل سنت پر تبرا کرنے وقت آپ کی عقل، ہوش و حواس سب ماؤف ہو گئے تھے۔ اور ندیان کی شکل میں آپ الٹا سیدھا لکھتے چلے گئے پھر لکھتے ہیں۔

”کسی کے ایصالِ ثواب کے لئے دنوں کی تعیین کا فرمان دیا گیا ہے۔ تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے اور پھر کیا رہیں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں“ (تنقید متین ص ۵۲)

اس کے جواب میں گزارش ہے کہ آپ جو جمعہ میں خطبہ سے پہلے وعظ کرتے ہیں۔ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تعیین کا حکم دیا ہے۔ اگر دیا گیا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ تب یہ سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔ چلئے آپ کے جمعہ کا وعظ بھی بدعت ہو کر جہنم کی نذر ہو گیا۔ بلکہ سنیت کا جو قاعدہ آپ نے باندھا ہے۔ اس سے تو خدا کے فضل سے آپ کا ہر وہ کام جسے آپ سنت سمجھ کر کرتے ہیں۔ بدعت قرار پائے گا۔ کیونکہ ہم کہیں گے کہ آپ کے اصول سے یہ سنت تب ہوگا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالخصوص اس کی تعیین کا حکم دیا ہو۔ ورنہ بدعت ہوگا۔ اور تعیین پر صحیح سند باحوالہ آپ لائیں سکتے۔ لہذا سر سے پاؤں تک بدعت آپ کا احاطہ کرے گی، اور ابتدا سے انتہا تک آپ کا ہر عمل بدعت کی زد میں آجائے گا۔ اور پھر آپ کا ٹھکانا کہاں ہوگا۔ یہ آپ سوچیں۔ ہم اگر عرض کریں تو شکایت ہوگی۔

سرفراز صاحب نے اپنی نا سمجھی اور نادانی سے تعیین کو بدعت قرار

شاطہ کی عبارت کی وضاحت

دینے پر علامہ شاطہ کی ایک عبارت پیش کی ہے ہم اسے نقل کر کے ان کی غلط فہمی دور کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

فالتقييد في المطلقات التي
لم يثبت بدليل الشرع تقييداً
مها راى في التشريع فكيف اذا
عارضه الدليل الخ -

ان مطلق احكام في قيد مكانا كه جنكى
قيد كسى شرعى دليل سے ثابت نہیں اپنى
رائے سے شرعیت بنا نا ہے خصوصاً
جبکہ اس کے معارض کوئی دلیل موجود ہو

(الاعتصام ج ۱ ص ۲۸۴)

علامہ شاطبی کے قول میں تقييد سے مراد وہ جو بنی قيد ہے۔ مثلاً ایصال ثواب کے لئے کوئی شخص سوئم کو اس طرح مقرر کرے کہ اگر اس دن ایصال ثواب ہوا تو جائز ہوگا اور اگر اس سے پہلے یا بعد ہوا تو ناجائز۔ اور ظاہر ہے کہ یہ شرع میں زیادتی ہے جس کا کوئی قائل نہیں۔ علامہ شاطبی کے کلام کا اس کے سوا اور کوئی صحیح محل نہیں ہے، کیونکہ اطلاق شرعی کا تحقق ظاہر ہے۔ بغیر کسی فرد کے متصور ہو ہی نہیں سکتا۔ ورنہ گکھڑوی ہی ہم کو کسی اطلاق شرعی پر بغیر اسے کسی فرد کے ضمن میں تقييد کئے عمل کر کے دکھا دیں۔ نیز اس کی مزید وضاحت شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس کلام سے ہوتی ہے جسے ہم تعین عرس کے سلسلہ میں نقل کر چکے ہیں۔

گکھڑوی صاحب

کے ناقص مطالعہ

کیا غینۃ الطالبین غوث اعظم کی تصنیف ہے

اور انتہائی بے باکی کی ایک اور بین مثال یہ ہے کہ انہوں نے غینۃ الطالبین کو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ العزیز کی تصنیف قرار دیا۔ حالانکہ شیخ ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں علامہ عبدالعزیز نے ہر اس میں علامہ ملتانی نے حاشیہ ہر اس میں اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے ترجمہ غینۃ الطالبین میں تصریح فرمائی ہے کہ یہ کتاب آنجناب کی تصنیف نہیں ہے۔ طوالت کے خوف سے ہم نے اصل عبارات پیش نہیں کیں۔ علاوہ ازیں غینۃ الطالبین میں بعض حنفیہ کو فرقہ مرجیہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اس میں ایسے مسائل شامل ہیں جو جمہور اہل سنت کے معتقدات کے خلاف ہیں مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے دکھائی دینے کو قرار دیا گیا ہے حالانکہ

کا کلام پڑھنا ان کی مشابہت نہیں مخالفت ہے۔ ورنہ آپ کے قاعدے سے تو ذبح پر اللہ کا نام لینا طواف میں اللہ ربیب لا شریک لا شریک لك کہنا یہ سب کفار کی مشابہت فرار پائے گا۔ ممکن ہے سرفراز صاحب اپنی روایتی کج روی سے یہ عذر پیش کریں کہ ذبح پر اللہ کا نام لینا اور طواف میں تلبیہ کے احکام تو مخصوص ہیں۔ طعام پر کلام پڑھنے کی کوئی نص موجود ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس مخصوص طریقہ پر نص نہ تھی۔ مشرکین کی مخالفت تو ثابت ہے اس قسم کی مخالفت کی نظیر بھی پیش کی چکی ہے اور فاتحہ و طعام دونوں کے ثواب پہنچانے کے دلائل بھی ہم حدیث شریف سے پیش کر چکے ہیں۔ باقی رہا یہ عذر کہ دونوں کا ثواب اکٹھا کیوں پہنچایا جاتا ہے۔ الگ الگ فاتحہ اور طعام کا ثواب کیوں نہیں پہنچایا جاتا جواب یہ ہے کہ الگ الگ ثواب پہنچانا بھی جائز ہے اور لوگ پہنچاتے ہیں آپ اپنی کوری بنی اور بدگمانی کا علاج کیجئے اور دونوں کو جمع کر کے طعام پر فاتحہ پڑھ کر ثواب پہنچانا بھی جائز ہے، الگ الگ پہنچانا تو آپ بھی مانتے ہیں۔ دونوں کو جمع کر کے ثواب پہنچانے کے بارے میں گزارش ہے کہ جمع بین العبادات بھی ثابت ہے۔ جیسے قرآن میں سح اور عمرہ کو جمع کرنا حالت جہاد میں جنگ اور ذکر کرنا۔ عید گاہ جاتے ہوئے بکیرات پڑھنا حضرت علی کا حالت نماز میں زکوٰۃ ادا کرنا۔ اہل مکہ کا تراویح اور طواف کو جمع کرنا۔ اہل مدینہ اور امام مالک تراویح کی بیس رکعات کے ساتھ طواف کے قائم مقام سولہ رکعتوں کو جمع کرنا نیز شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے ہیں۔

” ایک عمل خیر میں ثواب ہائے متعددہ کی نیت کو جمع کیا جا سکتا ہے چنانچہ

مسجد میں جانا ایک فعل ہے۔ اور اس میں بارہ نیت جمع کی جا سکتی ہیں۔

(۱) زیارت حق (۲) انتظار نماز (۳) اعضا کو گناہوں سے پاک رکھنا (۴)

اعتکاف (۵) قصد درود (۶) ذکر کے لئے نہنائی (۷) حج اور عمرہ کے ثواب پانے

کا ارادہ (۸) افادہ و استفادہ (۹) دینی بھائی کی زیارت (۱۰) سلام (۱۱)

تفکر و مراقبہ (۱۲) قصد مشاہدہ حق۔ (الشعرۃ للمعات ج ۱ ص ۳۴)

اور نیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

نیتہ المؤمن خیر من عمدہ یعنی مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے

پس نیت بھی عبادت ہے اور مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر عبادت ہے۔ اور جب ایک وقت میں بارہ عبادتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ تو طعام اور تلاوت کے ایصالِ ثواب کی دو عبادتیں جمع ہونے میں کوئی چیز مانع ہے۔

دابعاً۔ انصاف پسند حضرات کے لئے تو سطور بالا میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے کافی ہے۔ لیکن مبتدیین دیوبند چونکہ دلائل سے زیادہ اپنے آباء کے اقوال کو سند سمجھتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے اطمینان کے لئے ان کے مرکزی پیر حاجی امداؤ اللہ مہاجر مکی کا کلام پیش کرتے ہیں۔ جس کے ضمن میں طعام پر فاتحہ پڑھنے کی مکمل وضاحت ہو جائے گی۔ انشاء اللہ العزیز۔ ملاحظہ فرمائیے۔

حاجی صاحب لکھتے ہیں۔

”سلف میں تو یہ عادت تھی کہ مثلاً کھانا پکا کر مسکین کو کھلا دیا اور دل سے ایصالِ ثواب کی نیت کر لی۔ متاخرین میں کسی کو خیال ہوا کہ جیسے نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب و لسان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے۔ اسی طرح اگر یہاں زبان سے کہہ لیا جائے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جائے۔ تو بہتر ہے۔ پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر رو برو ہو تو زیادہ مستحضر قلب ہو کھانا رو برو دلانے لگے کسی کو خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا کہ جمع بین العبادتین ہے۔

چہ خوش بود کہ برآید بیک کرشمہ دو کار

قرآن شریف کی بعض سورتیں بھی جو لفظوں میں مختصر اور ثواب میں بہت زیادہ ہیں پڑھی جانے لگیں۔ کسی نے خیال کیا کہ دعا کے لئے رفع یدین

سنت ہے ہاتھ بھی اٹھانے لگے۔ کسی نے خیال کیا کہ کھانا جو مسکین کو دیا جاوے گا۔ اس کے ساتھ پانی دینا بھی مستحسن ہے۔ پانی پلانا بڑا ثواب ہے۔ اس پانی کو بھی کھانے کے ساتھ رکھ لیا۔ پس یہ ہیئت کذا ایہہ حاصل ہوگئی۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۸)

خامساجی صاحب آپ کے ہاں طریقت کے شہنشاہ کہلاتے ہیں اور شاہ عبدالعزیز شریعت کے بادشاہ۔ اس لئے آئیے اب آپ کو بادشاہ شریعت کی زبان سے بھی طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز کا حکم سنو ادیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ کے نصیب سے گمراہی نہ مٹ سکے تو ہمارا کیا چارہ ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

ختم قرآن کریں اور طعام یا شیرینی پر فاتحہ پڑھنے اور اس کو حاضرین میں تقسیم کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفاء راشدین کے زمانہ میں رواج نہ تھا لیکن اگر کوئی مسلمان کسے تو اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ اس میں زندوں اور مردوں دونوں کا فائدہ ہے۔

ختم کلام اللہ کند و فاتحہ بر شریعی یا طعام نمود تقسیم در میان حاضران نما بند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفاء راشدین نبود اگر کسے اس طور بکند باک نیست۔ زیرا کہ درین قسم فیج نیست بلکہ فائدہ اجبار و اموات حاصل می شد۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸) مزید لکھتے ہیں۔

جس طعام کا ثواب امام حسن و حسین کی نیاز ہو۔ اور اس پر سورہ فاتحہ اور قل شریف اور درود شریف پڑھا جائے وہ تبرک ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے۔

طعامیکہ ثواب آل نیاز حضرت امامین نماید و بران فاتحہ و قل و درود خواندن تبرک می شود و خوردن بسیار خوب است۔ (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۴۱)۔

سادسا۔ ہم طعام پر فاتحہ پڑھنے کے جواز اور اباحت کے قائل ہیں، اس کو فرض یا واجب نہیں سمجھتے۔ اور آپ اسے حرام کہتے ہیں۔ اسی طرح ہم تعیین عرفی کو

جانز کہتے ہیں۔ اسے فرض یا واجب نہیں سمجھتے اور آپ اس تعین کو حرام کہتے، اب گذارش یہ ہے کہ ہم سے تو ایک اس کے اباحت پر اس قدر شد و مد سے نص صریح اور حدیث صحیح کا مطالبہ ہے۔ لیکن آپ جو حرام ہونے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ آپ کے پاس اس مخصوص حکم کی حرمت پر کونسی صریح اور متواتر حدیث یا قرآن کریم کی نص قطعی موجود ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے طعام پر فاتحہ پڑھنے کو سبک جنبش قلم حرام کر دیا۔ اگر کوئی دلیل قطعی ہے تو پیش کیجئے کہ قرآن کریم کی فلاں آیت یا فلاں حدیث متواتر سے سوئم، چہلم عرس۔ گیارہویں اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کا حرام ہونا ثابت ہے۔ ان امور کی حرمت پر آپ دلیل قطعی تو بجائے خود خبر واحد بھی نہیں لا سکتے۔ میں قیامت تک کی مہلت دے کر مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ اپنی حرمت کے دعویٰ پر کوئی صاف اور صریح نص پیش کریں۔ فان لم یفعلوا ولن تفعلا و قاتقوا النار التي وقودها الناس والحجارة۔

بغیر کسی دلیل کے اپنی خواہش نفسانی سے اللہ کے حلال کردہ کو حرام کرنا۔ اللہ اور رسول کے منصب پر غاصبانہ قبضہ ہے۔ مشرکین کا شعار ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک آپ دیکھیں گے کہ اہل دیوبند کے پاس کوئی صریح دلیل ایسی موجود نہیں ہے جس سے وہ کھانے پر فاتحہ یا سوئم یا چہلم کی حرمت ثابت کر سکیں۔ کہیں۔ کل بدعت ضلالتہ (ہر بدعت گمراہی ہے) کے عموم سے استدلال ہوگا۔ کہیں محض بدعت کہہ کر روکیا جائے گا۔

۱۵ ملاحظہ فرمائیے۔ سرفراز صاحب لکھتے ہیں: ”کیا جناب رسول اللہ نے کیا ہوئی دینے کا حکم اجرا فرمایا ہے؟ یا ایصال ثواب کے لئے کسی ایک شخصیت کے انتخاب کا ارشاد فرمایا ہے؟ یا کسی کے لئے ایصال ثواب کیلئے دنوں کی تعین کا فرمان دیا ہے؟ اگر ایسا فرمایا ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے۔ پھر گیارہویں سنت ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں، (تنقیدتین ص ۵۲)

پس ہم بھی کہتے ہیں کہ آپ جو گیارہویں کو حرام کہتے ہیں۔ اور حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہوتی ہے تو بتلائے قرآن کریم کی کونسی نص قطعی یا خبر متواتر میں گیارہویں کو حرام کیا گیا ہے۔ اور اگر کوئی خبر متواتر ہے تو اس کی صحیح سند باحوالہ مطلوب ہے پھر گیارہویں حرام ہے۔ ورنہ ہرگز نہیں۔

کہیں من احدث فی امرنا هذا ایس منہ فرورد سے استدلال ہوگا۔ کہیں بدگمانی سے عقائد گھڑے جائیں گے۔ غرضیکہ دعویٰ کسی خاص چیز کی حرمت کا کہیں گے اور دلیل میں ایسے عموماً اور اطلاقاً شرعیہ کو لائیں گے جن کا دعویٰ سے دور کا بھی تعلق نہ ہوگا۔

گکھڑوی صاحب نے اگرچہ ایصالِ ثواب کا قرار کیا ہے لیکن ایصالِ ثواب کی جس قدر ممکنہ صورتیں تھیں۔ ان سب کا انکار کر کے حقیقت میں انہوں نے نفس ایصالِ ثواب کا ہی انکار کر دیا۔ کیونکہ وہ کسی تعین و قید کو ماننے پر تیار نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بغیر قید اور تعین کے نفس ایصالِ ثواب کا تحقق ممکن نہیں۔ پس قید اور تعین کا انکار کرنا حقیقت میں نفس ایصالِ ثواب کا انکار کرنا ہے۔ اور اب ہم ناظرین پر یہ امر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ ایصالِ ثواب نہ کرنے والے معتزلہ تھے دیکھئے طحاوی۔

علامہ طحاوی لکھتے ہیں۔

وقالت المعتزلة ليس للانسان ان يجعل ثواب عمله لغيره
اور معتزلہ نے کہا کہ کسی انسان کیلئے جائز نہیں کہ وہ اپنے عمل کا ثواب کسی اور کو پہنچائے۔

(حاشیہ طحاوی علی مرقا الفلاح ص ۳۷۶)

ملاحظہ فرمائیے کہ ایصالِ ثواب کا انکار کر کے گکھڑوی نے اپنا قاردرہ کن لوگوں سے جا ملایا ہے۔ نعوذ باللہ من تلك المخذافات الباطلة۔

عہد رسالت میں ایصالِ ثواب
سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”آپ کی دو ازواجِ مطہرات حضرت خدیجہ اور حضرت زینب ام المساکین اور آپ کے چچا سید الشہد حضرت حمزہ اور آپ کی صاحبزادیاں حضرت رقیہ، حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب اور جلیلہ صاحبزادے آپ کی زندگی میں دنیائے فانی سے رخصت ہو چکے تھے۔ مگر نہ تو

آپ نے ان کا تیجا کیا نہ ساتواں نہ دسواں نہ چالیسواں الخ -

(راہ سنت ص ۶۴)

اسی صفحہ پر سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”ایصالِ ثواب ہوتا تھا۔ مگر نہ تو دنوں کی تعیین ہوتی تھی“ الخ
شکر ہے کہ آپ نے ایصالِ ثواب کا اقرار کر لیا ورنہ اگر آپ اس کا بھی انکار کر دیتے۔ تو ہم
آپ کا کیا بگاڑ لیتے۔ رہی دنوں کی تعیین تو اگر آپ کا مطلب یہ ہے کہ عہد رسالت میں
جن دنوں میں ایصالِ ثواب ہوتا تھا وہ دن واقعہ میں معین نہ تھے۔ تو پاگل خانے جا کر اپنی
عقل کا علاج کریں۔ اور اگر مطلب یہ ہے کہ شریعت میں کسی دن کو معین کرنا واجب نہ
تھا تو بسرو چشم ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ شریعت میں ایصالِ ثواب کے لئے کوئی دن معین نہیں
ہے کہ سوئم چلم اور گیارہویں کو ایصالِ ثواب ان خاص روز میں کیا جائے۔ تو جائز ہو اور اس
کے سوا کسی اور دن میں کیا جائے تو ناجائز ہو۔ ہم ان دنوں اور تاریخوں کو ضروری نہیں سمجھتے
اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں بھی ایصالِ ثواب کرتے ہیں جس کا آپ کو بھی اعتراف
ہے۔ یہ اور بات ہے کہ آپ اس کی تعبیر ایسے ہی مکروہ انداز میں کرتے ہیں۔ جیسا کہ مکروہ آپ
کا مذہب ہے۔

چنانچہ آپ نے لکھا ہے۔

”اب کچھ ہوشیار قسم کے لوگوں اور بطن پروروں نے یہ جلیلہ شروع کر دیا۔ کہ کسی
جگہ تو گیارہویں تاریخ کو یہ دن منا لیتے ہیں۔ اور کسی دوسری جگہ بارہویں تو ہوں
کو۔ وہ بتلاتے تو یہ ہیں کہ لیجئے ہم گیارہویں تاریخ ہی کو ضروری نہیں سمجھتے۔
لیکن اصل بات وہ عوام الناس سے باسکل اوجھل رکھتے ہیں۔ وہ یہ کہ اس
طریقے سے ان کے بطن مبارک کے لئے متعدد جگہیں نکل آتی ہیں۔ اور

کوئی جگہ ہاتھ سے نہیں جاتی“ (تنقید متین ص ۵۰)

نیت کا حال تو بہر حال خدا کو معلوم ہے لیکن سرفراز صاحب کی بدگمانی سے یہ بات بہر کیف
معلوم ہو گئی کہ انہیں ایصالِ ثواب سے ہی ضد ہے اور زبان سے اگرچہ ایصالِ ثواب کا

اقرار کرتے ہیں۔ لیکن اپنے طرز عمل اور اندازِ تبلیغ سے وہ سنت ایصالِ ثواب ہی کو مٹا دینا چاہتے ہیں۔ غور فرمائیے کہ جب گیارہویں شریف کو ایصالِ ثواب کیا گیا۔ تو انہوں نے اوپلا مچایا۔ کہ تعین بدعت ہے۔ اس کا عہد رسالت میں کوئی ثبوت نہیں۔ داعیہ وفات تو زمانہ نبوی میں بھی تھا۔ لیکن ان تاریخوں میں ثواب نہیں پہنچایا جاتا تھا۔ اور جب انہیں بتایا گیا کہ گیارہویں تاریخ ضروری نہیں دوسری تاریخوں میں بھی ہم ایصالِ ثواب جائز سمجھتے ہیں تو کہنے لگے کہ بطن پروری کے لئے متعدد مواقع فراہم کر لئے۔ سرفراز صاحب آپ ہی بتلائیے کہ جب ایصالِ ثواب سنت ہے اور ثابت ہے تو وہ کس طریقے سے کیا جائے۔ معروف تاریخوں میں کیا جائے تو بدعت اور ان کے علاوہ دوسری تاریخوں میں کیا جائے تو بطن پروری اب ذرا ہوش میں آکر یہ بتلائیں کہ حضور نے یہ حکم بدعت کے لئے دیا ہے یا بطن پروری کے لئے۔

بدعت سیئہ کا غلط ضابطہ | سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

دو ایسے امور ہیں جن کے تمام اسباب و دواعی و محرکات اس وقت موجود تھے نہ قباس ہو سکتا ہے اور نہ بدعت حسنة کا درجہ پاسکتے ہیں۔ یہ امور قطعی طور پر بدعت قبیحہ اور سیئہ کی مد میں داخل ہیں اس میں ایک رتی برابر شک نہیں ہے چنانچہ علامہ قاضی ابراہیم الحنفی تحریر فرماتے ہیں۔ اور اگر آپ کے زمانہ میں سبب موجود ہو۔ لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک ہو اور حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو۔ تو ایسے امر کا احداث بھی جائز ہے۔ جیسے قرآن کا جمع کرنا۔ کیونکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں یہ مانع تھا۔ وحی برابر آتی رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا تھا بدل دیتا تھا۔ حضور کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا۔ اور جس فعل کا سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود ہو اور کوئی مانع بھی نہ ہو۔ باوجود اس کے حضور نے نہ کیا ہو۔ تو ایسا کام کرنا اللہ کے دین کو بدلنا ہے۔ کیونکہ اگر اس کام میں کوئی مصلحت ہوتی تو سرور کائنات اس فعل کو خود ضرور کرتے یا تم غیب فرماتے۔ اور جب

آپ نے خود نہ کیا۔ اور نہ کسی کو ترغیب دی تو معلوم ہوا کہ اس میں کوئی بھلائی نہیں وہ بدعت سیئہ قبیحہ ہے۔ (راہ سنت ص ۶۵)
سرفراز صاحب نے جو بدعت سیئہ کا یہ ضابطہ وضع کیا ہے۔ چند وجہ سے مرود اور باطل محض ہے۔

اولاً اس لئے کہ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وذكر السيوطي في رسالته انما يستحب لاهل المدينة ستا وثلاثين ركعة تشبيرا لاهل مكة حيث كانوا يطوفون بين كل تدويختين طواقا ويصلون ركعتين ولا يطوفون بعد الخامسة فاراداهل المدينة مساواتهم فجعلوا مكان كل طواف اربع ركعات ولو ثبت عدد هابالنص لم يجز الزيادة عليها۔ (مرقاة ج ۳ ص ۱۹۳)

علامہ سیوطی نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے کہ اہل مدینہ کے لئے اہل مکہ کی مشابہت کی وجہ سے چھتیس ۳۶ رکعات تراویح پڑھنا مستحب ہے کیونکہ اہل مکہ ہر ترویجہ کے بعد طواف کرتے ہیں۔ اور پھر دو رکعت نماز پڑھتے۔ اور پانچویں ترویجہ کے بعد طواف نہیں کرتے پس اہل مدینہ نے طواف کے قائم مقام دو رکعات کو کر لیا (اور اس طرح ہر ترویجہ کے بعد چار رکعات پڑھیں پس سولہ رکعات

زیادہ کیں) اور اگر تراویح کے عدد کی تعیین نص سے ثابت ہوتی تو یہ لوگ زیادتی نہ کرتے۔

سوال یہ ہے کہ طواف کا باعث کعبہ معظمہ ہے۔ اور وہ عہد رسالت میں بھی موجود تھا اور تراویح کا باعث رمضان ہے۔ اور وہ بھی دور نبوی میں کئی بار آیا اور پھر باوجود سبب اور عدم مانع کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو تراویح چھتیس رکعت پڑھیں۔ نہ دو ترویجوں کے درمیان طواف کیا پھر اہل مکہ کے لئے مع طواف کے اٹھائیس رکعات اور اہل مدینہ کے لئے بغیر طواف کے چھتیس ۳۶ رکعات کس طرح مستحب ہو گئیں۔ غور کیجئے۔ جس امر کو آپ بدعت سیئہ اور قبیحہ قرار دیتے ہیں۔ اسی کو علامہ سیوطی مستحب فرما رہے ہیں۔ اور یہی امام مالک کا مذہب ہے۔

ثانیاً چلئے ہم آپ کو ڈھیل دینے کے لئے خیر القرون کے احداث فی الاسلام

سے صرف نظر کئے لیتے ہیں۔ تب بھی گزارش ہے کہ قرآن پر اعراب حجاج بن یوسف نے لگائے اور وہ آپ کی تحقیق کے مطابق خیر القرون میں سے نہیں ہے کیونکہ آپ نے قرن کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔

” اس سے انسانوں کا بہترین طبقہ مراد ہے؛“ (راہ سنت ص ۴۷)

حجاج بن یوسف کے بارے میں علامہ بدر الدین حنفی متوفی ۸۵۵ھ نے لکھا ہے کہ کہ وہ اپنے زمانہ کا بدترین انسان تھا۔

وکان افسق اهل زمانہ ما سجاہ
حجاج بن یوسف اپنے زمانہ کا سب سے
بن یوسف۔ زیادہ فاسق شخص تھا۔

پس ثابت ہوا کہ وہ خیر القرون سے خارج ہے۔ اب فرمائیے کہ اس بدترین فاسق کا احداث فی الاسلام کس طرح جائز ہو گیا۔ اعراب لگاتے کا باعث اور سبب عمد رسالت میں بھی موجود تھا۔ کیونکہ آپ کے زمانہ اقدس میں بھی بے شمار عجمی اسلام لا چکے تھے اور عمد فاروقی اور عثمانی میں تو اسلام کا دائرہ اور بھی وسیع ہو گیا تھا پس ثابت ہوا کہ اعراب لگاتے کا سبب اور داعیہ عمد نبوی اور دور خلافت راشدہ دونوں میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا اس کے باوجود قرآن پر اعراب نہ لگائے گئے پس حجاج بن یوسف کا یہ احداث فی الاسلام بدعت سیئہ قبیحہ قرار پایا۔ حجاج کا توجہ حشر ہو گا سو ہو گا۔ اس بدعت قبیحہ کی جن صحابہ اور ائمہ دین نے تائید کی انہیں آپ کس کھاتے میں رکھیں گے؟ گانیر آپ کے حکمی دادا شاہ عبدالعزیز صاحب فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸ پر عرس کے بارے میں فرماتے ہیں۔

یہ بیعت اجتماعیہ مردان کثیر جمع شوند
و ختم کلام اللہ کنند فاتحہ بر شیرینی یا
طعام نموده تقسیم در میان حاضران
نمائند این قسم معمول در زمانہ
پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود

بیعت اجتماعیہ سے کثیر لوگ جمع ہوں
ختم قرآن کریں اور کھانے اور شیرینی پڑھتے
پڑھیں اور اسے حاضرین میں تقسیم کریں
یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء
راشدین کے زمانہ میں رواج نہ تھی۔

اگر آپ کو یہ طور بکند باک نیست۔ زیرا کہ
دریں قسم قبیح نیست۔
لیکن اسکے کرنے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ
اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۳۸)

بقول آپ کے عرس کا باعث عمد رسالت میں موجود تھا۔ اور مانع کوئی نہیں تھا
لیکن پھر بھی اس ہیئت کذائیہ سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرس نہ کیا نہ خلفائے
راشدین نے اور شاہ عبدالعزیزی کو بھی یہ تسلیم ہے کہ یہ صورت خیر القرون میں معمول
نہ تھی۔ اس کے باوجود آپ اس صورت کو بدعت سیئہ کہتے ہیں۔ اور آپ کے شاہ
صاحب کہتے ہیں کہ اس میں کوئی قباحت نہیں اب بتلایئے کہ آپ سچے ہیں یا شاہ
عبدالعزیزی صاحب۔

پس اب اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ آپ نے جو بدعت سیئہ قبیحہ کا
معیار مقرر کیا ہے۔ وہ باطل اور مردود ہے۔ اصل میں بدعت سیئہ ہر وہ
نیا امر ہے جو مزاج اسلام کے خلاف اور اس کا مغیر ہو جس کا منشا کتاب
سنت میں موجود نہ ہو۔ اور اس کو دین میں داخل کر لیا جائے۔

(محصہ شامی ج ۱ ص ۳۹۳)

اور جو شخص بھی کسی ایسی بدعت سیئہ کا ارتکاب کرے۔ وہ بدعتی اور گمراہ ہے خواہ
وہ کوئی بھی ہو۔ صحابہ کرام تابعین عظام اور ائمہ دین نے جن امور کا احداث کیا۔ ان سب
کی اصل کتاب و سنت سے ثابت ہے اور وہ منشا اسلام کے مطابق ہیں۔ ان پر بدعت
سیئہ قبیحہ کی تعریف کسی طرح سچی نہیں آتی۔ بدعت سیئہ کیا ہے۔ سینئے حیات انبیاء کے اکھار کا
عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ امکان کذب کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ عطائی علم غیب کے انکار
کا عقیدہ بدعت سیئہ ہے۔ علم الہی کو حادث ماننا۔ جیسا کہ بلغۃ الحیران میں حسین علی
دیوبندی نے لکھا ہے۔

”بدعت سیئہ ہے انبیاء کی شان میں تنقیصی اور توہینی کلمات کو صحیح کہنا بدعت
سیئہ ہے۔ الغرض مجموعی طور پر اس قسم کی تمام تعلیمات دیوبند بدعت سیئہ ہیں۔ کاش اپنے

بریلی کے کسی طالب علم ہی سے پڑھ لیا ہوتا تو یہ رسوائیاں آپ کا مقدر نہ بنتیں۔ اور ابراہیم حنفی کی عبارت ہمارے نزدیک ان امور پر محمول ہے جن کا منشاء شریعت میں ثابت نہ ہو۔ اور بیشک جس کا منشاء شریعت میں موجود نہ ہو وہ مردود ہے۔ اور جس کا باعث زمانہ رسالت میں موجود ہو اور مانع کوئی نہ ہو اور پھر بھی حضور اس کو نہ کہیں۔ یہ اسی وقت مردود ہوگا۔ جب اس کا منشاء اسلام میں موجود نہ ہو اور وہ مزاج اسلام کے خلاف ہو۔ اور یہی بدعت سیئہ ہے۔ بخلاف اہل سنت کے معمولات کے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کا منشاء اسلام میں موجود اور ثابت ہے۔

بدعت حسنہ کا استنباط

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”باقی غیر مجتہد کا اجتہاد خصوصاً اس زمانہ میں ہرگز کسی بدعت کو حسنہ

قرار نہیں دیتا“ (راہ سنت ص ۹۷)

المجواب۔ مجتہد سے کیا مراد ہے۔ مجتہد فی الشرع جس کا کام اصول کلیہ وضع کرنا ہے یا مطلقاً خواہ کسی درجہ کا مجتہد ہو۔ اگر پہلی صورت مراد ہے کہ مجتہد فی الشرع کا غیر کوئی بھی کسی ضرورت کے پیش نظر کسی اصل سے کوئی امر مستنبط نہیں کر سکتا۔ تو یہ بدعت باطل ہے۔ کیونکہ ہر نماز میں تثویب کو متاخرین فقہاء نے مستحسن قرار دیا اور ان میں سے کوئی بھی مجتہد فی الشرع نہیں ہے۔

نیز ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں۔ کہ موجودہ زمانہ میں جو نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ انہیں حل کرنے کے لئے اس زمانہ میں کونسا مجتہد ہے۔ مثلاً ریل اور ہوائی جہازیں پڑھنا۔ لاؤڈ اسپیکر پر نماز پڑھنا۔ ریڈیو اور ٹیلیفون پر چاند کی خبر۔ اعضاء پیوند کاری۔ بینک انشورنس اور پروانڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے مسائل اور ایسے صدھا مسائل جن کے بارے میں صریح نصوص موجود نہیں ہیں اور سب کو چھوڑیے۔ آپ کے قطب عالم نے جو کواکھانے کو کارِ ثواب اور ہولی دیوالی کی پوریوں کو جائز قرار دیا ہے۔

اس پر کونسی صحیح اور صریح نص موجود ہے۔ اور بغیر کسی نص صریح کے آپ کے پیشوا نے جو یہ اجتہاد کیا ہے اس کو کس کھاتے میں رکھئے گا۔

نیر آپ جو اپنے فاسد اجتہاد سے خدا رسول کے بے شمار حلال کردہ امور کو دن رات حرام کرتے ہیں۔ وہ کونسے شرعی اجتہاد سے انجام دیتے ہیں؟

سرفراز صاحب نے ”راہِ سنت“ میں بدعت کی بحث میں دیوبندی نظریئے کو جو سہارا دینے کی کوشش تھی۔ بفضلہ تعالیٰ ہم نے اسے پیوند زمین کر دیا ہے۔

نور و بشر

ومن الناس من يقول کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل تحریر فرماتے ہیں کہ ”من الناس“ فرماتے ہیں لطیف رمز یہ ہے کہ یہ گروہ بہتر صفات و کمالات سے ایسا عاری ہے کہ اس کا ذکر وصف و خوبی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا یوں کہا جاتا ہے کہ یہ بھی آدمی ہیں۔

مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کو بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم السلام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ اور درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان ایسا لفظ ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔

سرفراز صاحب اس پر تنقید کرتے ہیں !

تنقید۔ نہ تو یہاں لفظ بشر ہے۔ اور نہ حضرات انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے ہے بلکہ اس مقام پر (من الناس) کا لفظ ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہاں منافقین کی تردید کی ہے۔ اصل بات یہ ہے، کہ مولوی نعیم الدین مراد آبادی صاحب نے بزور اپنا گندہ عقیدہ یہاں مٹھونسے کی لٹا حاصل کوشش کی ہے اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے، قرآن و سنت، اجماع امت کے مسلمہ اصول اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف کہا ہے (اولاً) اس لئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا۔ ابلیس لعین کا کام ہے۔ نہ کہ مسلمان کا۔ معصوم فرشتوں نے بھی حکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس کی خداداد برتری۔ فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا ہے چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ تو فرشتوں سے فرمایا کہ میں بجنے والی مٹی

اور مڑے ہوئے گائے سے بشر کو پیدا کرنے والا ہوں جب میں اس کو بنا چکوں اور اپنی طرف سے اس میں روح پھونک دوں تو تم اسے سجدہ کرنا۔ فرشتوں نے بلائیل و قال تعیل حکم میں سجدہ کیا۔ مگر ابلیس لعین نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، (تفہیم منین ص ۶۵)

عقیدہ بشریت | علماء اہل سنت نے انبیاء علیہم السلام کے جنس بشر اور نوع انسان سے معوث ہونے کا کبھی انکار نہیں کیا ہے لیکن انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے شمار فضائل و کمالات کی حامل ہوتی ہے اور چونکہ کتاب و سنت سے نبی علیہ السلام کی نورانیت بھی ثابت ہے اس لئے ہمارے نزدیک نبی علیہ السلام بشریت اور نورانیت دونوں کے جامع ہیں اور اس اجتماع میں کوئی منافات نہیں ہے بلکہ کتاب و سنت میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں البتہ نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا صحیح نہیں ہے۔ اور یہی صدر الافاضل کا ^{مطلب} ہے۔ جس کی انہوں نے خود اپنی تفسیر میں جگہ جگہ تصریح فرمائی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورہ کف کے اخیر میں قل انما بشر مثکم کی تفسیر میں حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

”بہر حال آپ کی ذات و کمالات میں آپ کا کوئی بھی مثل نہیں۔ اس آیت کریمہ میں آپ کو اپنی ظاہری صورت بشریہ کے بیان کا اظہار اور تواضع کے لئے حکم فرمایا گیا۔ یہی فرمایا ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (خازن)

مسئلہ :- کسی کو جائز نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل بشر کہے کیونکہ جو کلمات اصحاب عزت و عظمت بر طریق تواضع فرماتے ہیں انکا کہنا دوسروں کے لئے روا نہیں ہوتا۔

دوئم یہ کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے فضائل جلیلہ و مراتب رفیعہ عطا فرمائے ہوں۔ اس کے ان فضائل و مراتب کا ذکر چھوڑ کر ایسے وصف عام میں ذکر کرنا

جو ہر کہہ و مہ میں پایا جائے۔ ان کمالات کے نہ ماننے کا مشعر ہے۔
سوئم یہ کہ قرآن کریم میں جا بجا کفار کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ وہ انبیاء کو اپنی مثل
بشر کہتے تھے۔ اور اسی سے گمراہی میں مبتلا ہوئے۔

سورہ حم سجدہ میں اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔
”قائدہ“ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا بلحاظ ظاہر انا بشر متلکھ فرمانا حکمت
ہدایت و ارشاد کے لئے بطریق تو واضح ہے۔ اور جو کلمات تو واضح کیلئے
کہیں جائیں۔ وہ تو واضح کرنے والے کے علو منصب کی دلیل ہوتی ہے
چھوٹوں کا ان کلمات کو اس کی شان میں کہنا یا اس سے برابر ہی ڈھونڈھنا
ترک ادب اور گستاخی ہوتا ہے تو کسی اس کو روا نہیں۔ کہ وہ حضور
علیہ السلام سے مماثل ہونے کا دعویٰ کرے۔ یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کہ
آپ کی بشریت سب سے اعلیٰ ہے۔ ہماری بشریت کو اس سے کچھ
بھی نسبت نہیں۔“

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی اس عبارت سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے (۱)
بشریت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ثابت ہے (۲) کمالات کے اعتبار سے آپ کی
بشریت میں کوئی آپ کا مثل نہیں ہے (۳) کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ حضور کو
اپنی مثل بشر کہے (۴) انبیاء کو اپنی مثل بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا طریقہ رہا ہے۔ پس
یہ ثابت ہوا کہ ومن الناس من يقول کے تحت جو صدر الافاضل نے فرمایا ہے کہ
”اس لئے قرآن پاک میں جا بجا انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بشر کہنے
والوں کو کافر فرمایا گیا۔ درحقیقت انبیاء علیہم السلام کی شان میں ایسا لفظ
ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔“

اس عبارت میں بھی بشر کہنے والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو انبیاء کو ام کو اپنی مثل

۱۔ ممکن ہے کسی کو شبہ ہو کہ صدر الافاضل نے یہاں صراحتاً بیان کیوں نہیں کیا کہ اپنی مثل بشر کہنا کفار کا
دستور ہے جو اب یہ ہے کہ یہاں کے پیش نظر جمالی کلام کیا گیا ہے اور جس جگہ اس موضوع پر بحث ہے
وہاں اس تفصیل کو پیش کر دیا ہے۔

بشر کہتے تھے۔ جیسا کہ خود صدر الافاضل نے دو جگہ تصریح فرمائی ہے۔ جس کو ہم نقل کر چکے ہیں۔ تیسری جگہ صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ:-

”اس امت میں بہت سے بد نصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر کہتے ہیں اور ہمسری کا خیال فاسد رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں گمراہی سے

بچائے،“ (خزائن العرفان ص ۳۲۳)

اس حوالہ سے بھی یہ ثابت ہو گئی کہ صدر الافاضل نفس بشر کے ثبوت کو جائز سمجھتے ہیں۔ البتہ ہم مثلی کے عقیدہ کو فاسد قرار دیتے ہیں۔ اصل تفسیر میں یونہی مرقوم تھا۔ ہمارے پاس مراد آباد کا قدیم مطبوعہ نسخہ موجود ہے۔ جس میں یہ عبارت اسی طرح ہے بعد میں جب تاج کمپنی سے یہ شائع ہوا۔ تو بعض بددیانت سرفرازوں نے اس میں اس طرح تحریف کر دی ہے۔

”اس امت میں بھی بہت سے بد نصیب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

کی بشریت کا انکار کرتے ہیں اور قرآن و حدیث کے منکر ہیں“

یہود کے جان نشینوں نے تاج کمپنی کے عملہ میں شامل ہو کر جس طرح صدر الافاضل کی تفسیر میں تحریف کی۔ اس کی تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں۔ تاج کمپنی کا معذرت نامہ بھی چھپ چکا ہے۔ اور یہ کوئی ایسی بات نہیں جس کی حقیقت نہ جانی جاسکے۔ ہمارے پاس قدیم نسخہ موجود ہے جس سے مقابلہ کر کے اصل حقیقت معلوم کی جاسکتی ہے۔

بہر حال صدر الافاضل رحمۃ اللہ کی یہ عبارت اس مقصد پر صریح دلیل ہے کہ بد نصیبی

اور گمراہی۔ بشر کہنا اور ہمسری کا خیال فاسد رکھنا ہے لیکن سرفراز صاحب کی دیانتداری

ملاحظہ فرمائیے۔ کہ وہ اس عبارت پر تبصرہ کرتے وقت لفظ ہم مثلی کے خیال کو شیر مادر

سمجھ کر ہضم کر گئے۔ حالانکہ مرکزی نقطہ یہی ہے۔ جیسا کہ ہم کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں سرفراز

صاحب کی دیانتداری اور دین و ایمان کی روشن ضمیری دیکھنے جس نے ان کو اس غاصباً

تبصرہ پر آمادہ کیا۔

لکھتے ہیں۔

”کرم فرما صحیح کی عبارت کے پیش نظر حضرات صحابہ سے لے کر بشمولیت
فقہاء عظام و صدوقیاء کرام اور خود فاضل سب ہر بلوی اور ان کے ہم مشرب
لوگ بھی بد نصیب قرار پاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت
کا کھلے لفظوں میں اقرار کرتے ہیں“ (تنقید متین ص ۹۲)

سرفراز صاحب! تحریف کے میدان میں آپ یہود کو بھی پیچھے چھوڑ گئے ہیں صدر
الافاضل رحمہ اللہ نبی علیہ السلام کی بشریت کی ہمسری کے خیال کو بد نصیبی اور گمراہی فرما
رہے ہیں اور آپ نے لفظ ہم سری کے خیال کو چھوڑ کر نفس بشریت کے اعتقاد کو بد نصیبی
بنا ڈالا۔ اور یہ دیوبند کی بازیگری کا ایک دنی کر تب ہے۔ جس سے کام لے کر وہ ہمیشہ
اہل حق پر تیسرا کرتے رہے ہیں۔ مولوی سرفراز صاحب کی عباری دیکھئے۔

جب بشریت کو ثابت کرنا چاہا تو انہوں نے اپنی کتاب میں اعلیٰ حضرت اور صدر
الافاضل کی کتابوں سے حوالے دے کر یہ بھی ثابت کر لیا ہے کہ اعلیٰ حضرت اور صدر
الافاضل بنی کی بشریت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور جب صدر الافاضل پر سب و شتم کا
شوق چرایا تو یہ بات گھڑی۔ کہ مولوی نعیم الدین بنی کی بشریت کا انکار کرتے ہیں۔ کیا آپ
نے اپنے قارئین کو بالکل ہی بیوقوف سمجھ لیا ہے کہ آپ انہیں فریب پر فریب دیتے رہیں
گے اور انہیں حقیقت سے آشنائی نہ ہو سکے گی۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارتیں نقل کر کے ہم نے سجداً اللہ یہ ثابت کر دیا ہے
کہ ان کے نزدیک نبی علیہ السلام میں بشریت ثابت ہے اور آپ کا ہمسر اور ہم مثل
کوئی نہیں ہے۔ اور نبی کو اپنے جیسا بشر کہنا ہمیشہ سے کفار کا دستور رہا ہے اور گھٹ
کے محرف نے اپنی کتاب میں یہ ظاہر کیا ہے کہ مولوی نعیم الدین بنی علیہ السلام کی بشریت
کا انکار کرتے ہیں اور بشر کہنا کفار کا دستور بتاتے ہیں۔ اور پھر علماء اسلاف کی عبارتیں
یہ ثابت کرنے کے لئے پیش کیں کہ آپ میں بشریت متحقق ہے۔ گذارش یہ ہے کہ اگر اس
تصنیف سے آپ کا مقصد محض بھرتی کرنا تھا تو وہ تو ماشاء اللہ چشم بد دور خوب پورا ہو
گیا۔ اور اگر مقصد صدر الافاضل کا رد کرنا تھا تو وہ معاف کیجئے۔ آپ کو حاصل نہ ہو

سکا۔ کیونکہ صدر الافاضل نے نفس بشریت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ وہ آپ کی ہمسری کا انکار کرتے ہیں اور محض بشر کہنے کو نہیں۔ بلکہ اپنا ہم مثل بشر کہنے کو کفار کا دستور قرار دیتے ہیں۔ اگر آپ میں جرات تھی تو اس امر کے رد کے لئے قلم اٹھاتے مگر یہ آپ سے نہ ہونکا۔ آئیے اب ہم اس امر پر قرآن کریم کے حوالے پیش کرتے ہیں کہ اپنے جیسا بشر کہنا۔ یہ واقعی کفار ہی کا دستور تھا۔

ملاحظہ فرمائیے۔ سورہ ہود میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت دی۔

فقال الملا الذین کفروا من قومہ
ما نراک الا بشر مثلنا۔

پس نوح علیہ السلام کی قوم کے کافر سرداروں نے کہا ہم تمکو اپنا ہم مثل بشر ہی سمجھتے ہیں۔

سورہ مؤمنون میں دوسرے رکوع کی دوسری آیت میں ارشاد ہے۔

فقال الملا الذین کفروا من قومہ ما هذا الا بشر مثکم۔

پس حضرت نوح کی قوم کے اکابر کفار نے کہا نہیں ہے یہ مگر تم جیسا بشر۔

اسی سورت کے تیسرے رکوع میں ہود یا صالح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ جب انہوں نے اپنی قوم کو دعوت تو جید دی۔

وقال الملا من قومہ الذین کفروا وکذبوا بقاء الاخرة و اتدرفناہم فی الحیوٰۃ الدنیا ما هذا الا بشر مثکم یا کل مہا تا کلون منه ویشرب ما تشربون ولئن اطعمتم بشر مثکم انکم اذا لخاسرون۔

اور ان کی قوم کافر سردار جو آخرت کے منکر تھے۔ اور جنہیں ہم نے دنیاوی آسائش دی تھی۔ وہ کہنے لگے نہیں ہے۔ یہ مگر بشر تمہارا ہمسر جو تم کھاتے ہو وہ کھاتا ہے۔ اور جو تم پیتے ہو وہ پیتا ہے اگر تم نے اپنے جیسے بشر کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گے۔

اس رکوع کے اخیر میں ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا۔

طرف فرعون اور اس سرداروں کے پس
انہوں نے تکبر کیا اور وہ قوم تھی ہی متکبر پس کہنے
لگے کیا ہم اپنے جیسے و بشروں پر ایمان لے آئیں

الی فرعون وملائکہ فاستکبروا
وکانوا قومًا عالین فقالوا انؤمن
لبشرین مثلنا۔

سورہ یس میں ہے۔

اور جب ہم نے اصحاب قریہ کی طرف دو رسولوں
کو بھیجا پس انہوں نے اس کی تکذیب کی۔ پھر
تیسرے رسول نے تائید کی پس تینوں نے کہا کہ
ہم تمہاری طرف رسول ہیں۔ پس کفار کہنے

اذا رسلنا الیہم اثنین فکانوا
ہما فحذرنا بثالث فقالوا انا الیکم
مرسلون قالوا ما انتہ الا
بشر مثلنا۔

لگے نہیں ہو تم مگر بشر ہم جیسے۔

قرآن کریم کی متعدد آیات سے ہم نے جملہ اثربہ امر واضح کر دیا ہے کہ انبیاء کو اپنے
جیسا بشر کہنا یہ کفار ہی کا دستور ہے۔ مولوی سرفراز صاحب میں اگر مہمت ہے تو وہ قرآن کریم
کی کسی ایک ہی آیت سے ثابت کر دیں۔ کہ انبیاء کو اپنے جیسا بشر کہنا مومنوں کا دستور ہے
مگر شرط یہ ہے کہ آیت بالکل صاف اور صریح ہو۔ کوئی ہیر پھیر اور صہیو چکر نہ ہو۔ سرفراز صاحب
نے صدر الافاضل کی تفسیر پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ :-

” اور انہوں نے یہ جو کچھ کہا ہے۔ قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول

اور عقائد اسلام کے سراسر خلاف ہے۔“

ہم دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ صدر الافاضل کا نبی علیہ السلام میں بشریت کو ثابت

اور جمیع عوارض میں اسے غیر مماثل ماننا قرآن و حدیث اجماع امت کے مسلمہ اصول اور
عقائد اسلام کے عین مطابق ہے۔ بلکہ خود اکابر دین بد کو بھی اس حقیقت کا اقرار ہے۔

خلیل احمد اینٹھوی نکھتے ہیں۔

” پس کوئی ادنیٰ مسلمان بھی فخر عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تقرب و شرف

کمالات میں کسی کو مماثل آپ کا نہیں جانتا البتہ بشریت میں مماثل آپ کے

جملہ نبی آدم ہیں۔“ (براہین ہاطعہ ص ۷)

بشریت محضہ اور بشریت بحیثیت نبوت کا فرق

اس کے بعد
سرفراز صاحب

لکھتے ہیں۔

”اولاً۔ اس لئے کہ بشر و انسان کو حقیر و ذلیل سمجھنا ابلیس لعین کا کام ہے۔

نہ کہ کسی مسلمان کا۔ محصوم فرشتوں نے بھی حکم خداوندی بشر کو سجدہ کر کے اس

کی خداداد برتری فوقیت اور فضیلت کا اقرار کیا۔“ (تفسیر متین ص ۶۶)

حقیقت یہ ہے کہ دروغ گوئی ابلیس لعین کا کام ہے۔ صدر الافاضل نے اپنی

پوری تفسیر میں کہیں بشر و انسان کو حقیر اور ذلیل نہیں کہا۔ پس ہم سوائے لغتہ اللہ علی

الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ رہا سرفراز صاحب کا یہ مغالطہ دینا کہ فرشتوں نے سجدہ

کر کے اس کی فضیلت کا اعتراف کیا۔ دلائل کی روشنی میں کوئی دعوت نہیں رکھتا۔ فرشتوں

نے بشر کو سجدہ کیا تھا۔ لیکن بشر کو بحیثیت بشر کے سجدہ نہیں کیا۔ بلکہ بشر کو بحیثیت نبی و

خلیفۃ اللہ سجدہ کیا تھا۔ غور کیجئے کہ اگر نفس بشریت میں کوئی ایسی اہم فضیلت ہوتی تو

آدم علیہ السلام کو صورت بشری میں پیدا کرتے ہی سجدہ کا حکم دے دیا جاتا۔ لیکن ایسا

نہیں ہوا بلکہ پہلے آدم علیہ السلام کی علمی فضیلت اور برتری منوائی گئی اس کے بعد فرشتوں

کو سجدہ کا حکم دیا گیا۔ پس ثابت ہوا کہ آدم کی فضیلت اور برتری کا سبب محض بشریت

نہ تھی۔ بلکہ وہ ان کی جلالت علمی اور خلافت الہیہ اور نبوت تھی جس نے فرشتوں کی گردنوں

کو سجدہ ریز کر دیا۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ نفس بشریت ہی ملائکہ پر برتری

کا سبب ہے۔ تو ہم پوچھتے ہیں کہ نفس بشریت تو ابوہبل اور ابولہب میں بھی متحقق ہے۔

پھر کیا آپ کے عقیدہ میں وہ بھی جبرائیل حملہ عرش اور دیگر ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور اگر

ابوہبل اور دوسرے کفار فرشتوں سے افضل اور برتر نہیں اور یقیناً نہیں ہیں۔ تو پھر

آپ کو ماننا پڑے گا۔ کہ فضیلت اور برتری کا منشاء محض بشریت نہیں۔ بلکہ صفات

نبویہ فاضلہ کاملہ ہیں۔ آدم علیہ السلام میں دو جہتیں تھیں۔ ایک نبوت اور خلافت کی

اور ایک بشریت کی۔ فرشتوں کی نظر صفت نبوت پر پڑی۔ اور سجدہ میں گر گئے۔ ابلیس

کی نظر بشریت پر پڑی اور اس نے سجدہ سے انکار کر دیا۔

قال لو ان لا سجدا لبشر خلقته

من صلصال من حماء مسنون

کہنے لگا میں اس بشر کو سجدہ کرنے والا نہیں ہوں جس کو
تو نے بھتی ہوئی مٹی اور کاسے سے پیدا کیا۔

مبتدعین دیوبند دیدہ عبرت سے دیکھیں اور غور کریں کہ ابلیس کے سفر کی بنیاد یہ
تھی کہ اس نے نبی کی بشریت کو ملحوظ رکھا۔ اور کمالات نبوت کو نہ دیکھا آج بھی ابلیس لعین
کے طریقہ کو اپنانے والے ہر جگہ ہر موقع پر نبی کی بشریت پیش کرتے ہیں۔ اور نبی کی باقی
خصوصیات و کمالات کے لئے اپنی نگاہوں کے درپے بند کر لیتے ہیں۔

آئیے اب امام رازی کی نگاہ سے دیکھئے کہ فرشتوں نے کس کو سجدہ کیا تھا۔
الدابع ان الملائكة امر و اب السجود
لا دم لاجل ان نور محمد عليه السلام
فی جہتہ آدم (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۰۲)
فرشتوں کو آدم کے سجدہ کا اس لئے حکم دیا گیا
تھا کہ نور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم کی
پیشانی میں تھا۔

اور اب یہ حقیقت بالکل بے غبار ہو کر سامنے آگئی کہ جن کی نظر نبی کے نور پر تھی وہ
سجدہ میں گر گئے۔ اور قرب خداوندی حاصل کر لیا۔ اور جس کی نظر نبی کی بشریت پر تھی۔
وہ تکبر کر کے ابلیس لعین ہوا۔ اور ابدی لعنت کا طوق پہن لیا۔ سابقہ حوالوں سے نظرین
پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ نبی علیہ السلام کی بشریت کوئی مختلف فیہ مسئلہ نہیں ہے۔
بلکہ اختلاف اس امر میں ہے کہ کیا نبی علیہ السلام کی بشریت کو اپنی بشریت پر قیاس کر
کے یوں کہا جاسکتا ہے کہ آپ ہم جیسے بشر تھے۔ پس علماء اہل سنت کا مسلک یہ ہے
کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔
مبتدعین دیوبند کے روح رواں اسماعیل دہلوی نے نبی علیہ السلام کی بشریت
کو عام بشریت پر قیاس کر کے پیغمبر اسلام کی شان میں انتہائی ناشائستہ کلمات استعمال
کئے اور آپ کی تنقیص کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ
مبتدعین دیوبند تنقیص رسالت کے لئے آپ کی بشریت کو بنیاد بناتے ہیں۔ اور پھر
اس بنیاد پر وہ تنقیص رسالت کا محل تعمیر کرتے ہیں۔ جہاں تک بشریت کا تعلق ہے۔

ہم اکابر اہل سنت کے حوالوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اور سرفراز صاحب کا نفس بشریت کو نزاعی مسئلہ بنا کر اس پر حوالے پیش کرنا محض مغالطہ آفرینی ہے۔ البتہ بشریت کی بنا پر مبتدعین دیوبند اس پر اپنی خواہش نفسانی سے تنقیص رسالت کا جو قلعہ تعمیر کرتے ہیں۔ اسے ماننے سے ہم کو پہلے بھی انکار تھا آج بھی انکار ہے۔ اور انشاء اللہ ہمیشہ انکار رہے گا۔ اب ہم آپ کے سامنے ذریت دیوبند کے معنوی جد امجد اسماعیل دہلوی کی بدنام زمانہ کتاب ”تقویتہ الایمان“ سے چند حوالے پیش کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین پر واضح ہو جائے کہ ہر جگہ اور ہر موقع پر نبی علیہ السلام کی بشریت پیش کرنے سے اہل دیوبند کا اصل مدعا کیا ہے۔

اسماعیل دہلوی مشکوٰۃ شریف سے ایک حدیث نقل کی جس میں نبی علیہ السلام نے تو اصغاً چند کلمات فرمائے ہیں۔ اس کے بعد اس سے فائدہ کا عنوان قائم کر کے مولوی اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

ف ”یعنی کسی بزرگ کی تعریف میں زبان سنبھال کر بولو اور جو بشر کی سی تعریف ہو سو ہی کرو۔ سو اس میں بھی اختصار ہی کرو (تقویتہ الایمان ص ۴۴) ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ نبی علیہ السلام کے بارے میں تو ان کا یہ فتوے ہے کہ بشر کی سی تعریف میں بھی کمی کرو! اور اپنے مولویوں کی شان میں اس طرح رطب اللسان ہیں۔

تمہاری تری تربت کو دے کر طور سے تشبیہ

کہوں ہوں بار بار انی مری دیکھی بھی نادانی (مرتبہ گنگوہی ص ۱۲)

اسماعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”جیسا کہ ہر قوم کا چودھری اور گاؤں کا زمیندار سوان معنوں کو ہر پیغمبر

اپنی امت کا سردار ہے“ (تقویتہ الایمان ص ۴۴)

نبی علیہ السلام کی تنقیص کی یہ ایک انتہائی خطرناک کوشش ہے ہمیں کوئی سمجھائے کیا گاؤں کے چودھری اور زمیندار کی اطاعت گاؤں والوں پر فرض ہوتی

بے کیا چوہدری کو نہ مانتے سے گاؤں والے کافر ہو جاتے ہیں۔ پھر اس لغو تشبیہ سے کیا حاصل؟
نیز اسمعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”یعنی جو خوبیاں اور کمالات اللہ نے مجھ کو دیئے ہیں، سو بیان کرو۔ وہ سب رسول کہہ دینے میں آجاتے ہیں۔ کیونکہ بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں“ (تقویت الایمان ص ۲۴)

یہ ٹھیک ہے رسالت سے بڑھ کر بشر کا کوئی مرتبہ نہیں۔ مگر حضور کو صرف رسول کہہ دینے سے آپ کے تمام کمالات کس طرح آجاتے ہیں۔ رسول تو تین سو تیرہ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تِلْكَ الْمُرْسَلُونَ فَضَلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ سَوَاءٌ لَّكَ لِبَعْضٍ عَلَىٰ فَضِيلَةٍ بَعِثْنَاكَ لِنُبَيِّنَ لِقَوْمٍ أَعْرَضُوا لَكَ لِيُذَكِّرَ الَّذِينَ لَمْ يَرْسَلْنَا إِلَيْكَ الْبُرْهُانَ أَنَّكَ لَعَلَىٰ خَلْقٍ عَظِيمٍ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ قرآن کریم کی بے شمار آیات اور احادیث کا وافر ذخیرہ کس کی فضیلت میں وارد ہے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضور حسان کو منبر پر بٹھا کر ان سے صرف لفظ رسول کی گردان سنا کرتے تھے۔ بتلائیے بھلا آپ کو حضور کی اس تنقیص اور فضائل کی قطع برید سے کیا حاصل ہوا؟

اسمعیل دہلوی لکھتے ہیں۔

”یعنی انسان آپس میں سب بھائی ہیں۔ جو بڑا بزرگ ہو وہ بڑا بھائی ہے اس کی بڑے بھائی کی سی تعظیم کیجئے۔ الی ان قال اولیاء انبیاء امام و امام زادہ پیر و شہید یعنی جتنے اللہ کے مقرب بندے ہیں وہ سب انسان ہی ہیں اور بندے عاجز اور ہمارے بھائی ہیں مگر ان کو اللہ بڑائی دی وہ بڑے بھائی ہوئے۔ (تقویت الایمان ص ۲۲)

اسماعیل دہلوی حضور علیہ السلام کے بارے میں لکھتے ہیں۔

”یعنی میں بھی ایک دن مکرہ مٹی میں ملنے والا ہوں“

(تقویت الایمان ص ۲۲)

نیز لکھتے ہیں۔

”اور جس کا نام محمد یا علی ہے۔ وہ کسی چیز کا مختار نہیں“ (تقویت الایمان ص ۲۸)

مزید لکھتے ہیں۔

”ہر مخلوق بڑا ہو یا چھوٹا اللہ کی شان کے آگے چار سے بھی ذلیل ہے“

(تقویت الایمان ص ۱۱)

قارئین کرام آپ ان عبارتوں کو پڑھیے اور سوچئے کہ نبی علیہ السلام کے فضائل اور کمالات کو مسلمانوں کو لوگوں کا شعار ہے اور کیا نبی علیہ السلام کی بشریت اسی لئے دن رات پیش کی جاتی ہے کہ آپ کی شان میں اس طرح توہین کی جائے اور آپ کے تمام فضائل کا انکار کر دیا جائے۔

نبی علیہ السلام کی بشریت پر سیر حاصل

بحث کرنے کے بعد اب ہم آپ کی

نبی علیہ السلام کی نورانیت

نورانیت کا ذکر کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف

قد جاء کرم من اللہ نور و کتاب

سے نور اور کتاب مبین۔

مبین۔

قرآن کریم کی اس دلیل پر سرفراز صاحب کا ارشاد ہے کہنے والے کہتے ہیں کہ اس میں لفظ نور سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے اور چونکہ واو عطف سے کتاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ منائر ہوتے ہیں۔ لہذا نور الگ شے ہے اور کتاب جدار

الجواب۔ اس میں لفظ نور سے خود قرآن کریم مراد ہے۔ اور عطف محض

تفسیر ہے“ (تفہیم ص ۱۰۵)

آئیے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ کہنے والے کون ہیں۔ کہ نور سے مراد نبی علیہ السلام کی ذات گرامی ہے۔ ملاحظہ ہو۔ امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

وفيه اقوال (الاول) ان المراد
بالنور محمد وبالكتاب القران
(والثاني) ان المراد بالنور الاسلام
وبالكتاب القران (الثالث) النور
والكتاب هو القران وهذا ضعيف
لان العطف يوجب المغايرة :-
اور اس آیت میں کئی اقوال ہیں۔ پہلا یہ کہ بیشک
نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے
قرآن کریم۔ دوسرا یہ کہ نور سے اسلام مراد
ہے اور کتاب سے قرآن تیسرا یہ کہ نور اور
کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم ہو اور یہ کمزور
بات ہے کیونکہ عطف تغاير کو چاہتا ہے۔

اب غالباً سرفراز صاحب کو پتہ چل گیا ہوگا۔ کہ جس قول پر انہوں نے اپنے عقیدہ کی
عمارت قائم کی ہے۔ وہ تیسرے درجہ کا قول ہے۔ جس کو امام رازی نہایت کمزور قرار
دیتے ہیں۔ ملا علی قاری حنفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(قد جاءكم من الله نور) ای لظہور
الحق وابطال الباطل واطلق عليه
الصلوة والسلام لانما يهتدى
بمن الظلمات الى النور (كتاب
مبين) بين الامجاز وبين الاحكام
وهذا شاهد للمدعى الاول وبيانه
ان الاصل في العطف المغايرة -

(تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور) یعنی حق کے
ظہور اور باطل کو ملامت کرنے کے سبب اور حضور
صلی اللہ علیہ وسلم پر نور کا اطلاق اسلئے کیا گیا کہ آپ
سے ظلمات میں نور کی طرف ہدایت حاصل کی جاتی
ہے (اور کتاب مبین) جسکا اعجاز ظاہر ہے اور وہ
احکام بیان کرنے والی ہے اور یہ پہلے مطلوب
کی دلیل ہے جس کا بیان یہ ہے کہ اصل
عطف میں مغايرہ ہے۔

(شرح شفاء ج ۱ ص ۱۲۲)

باقی رہا سرفراز صاحب کا یہ کہنا۔ کہ واو کا عطف تفسیری ہے اس کا ایک جواب تو یہ
ہے کہ واو عطف میں اصل مغايرت ہے اور عطف تفسیر مجاز ہے اور کاش کہ آپ نے اصول
التشاشی، پڑھی ہوتی۔ تو آپ کو معلوم ہوتا کہ اصل الفاظ میں حقیقت ہے۔ تاوقتیکہ تعذر

عقلی یا شرعی لازم آئے پس آپ کا بغیر تعذر کے واو کو عطف تفسیری پر محمول کرنا علم سے تہی دستی کے سوا اور کیا ہے اور اسی عطف تفسیری کا جواب ملا علی قاری حنفی سے ملاحظہ فرمائیے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وقد حال بعض المفسرين
 يانه من باب الجرح بين الوصفين
 باعتبار تغايرهما اللفظي وان المراد
 هما القدران وقد يقال في مقابلهم
 واي مانع من ان يجعل النعتان
 للرسول صلى الله عليه وسلم فاتما
 نور عظيم لكمال ظهوره بين الانوار
 وكتاب مبين من حيث انما
 جامع لجميع الاسرار ومظهر
 للاحكام والاحول والاحياس
 (شرح شفا ۱۶ ص ۲۲)

اور تحقیق بعض مفسرین نے یہ ارادہ کیا کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد قرآن کریم ہے اور عطف میں تغاير لفظی بلحاظ صفات ہے اور بلا خوف و خطر ان کے مقابلہ میں یہ بات کہی جائے گی کہ (جب نور اور کتاب دونوں سے مراد قرآن کریم لیا جا سکتا ہے) تو اس سے کیا چیز مانع ہے کہ نور اور کتاب مبین دونوں لفظوں سے رسول اللہ کی ذات کریم مراد لی جائے بایں طور کہ نور اور کتاب مبین ہونا دونوں آپ کی صفات ہوں۔ کیونکہ آپ نور اس لحاظ سے ہیں۔ کہ انوار میں کامل ظہور رکھتے ہیں۔ اور کتاب

مبین اس اعتبار سے ہیں کہ آپ تمام اسرار الہیہ کے جامع احکام شریعیہ کے مبین اور اخبار و حالات کے بتلانے والے ہیں۔

اسی طرح علامہ آلوسی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

اور بعید نہیں کہ نور اور کتاب مبین دونوں سے نبی علیہ السلام کی ذات مقدسہ مراد ہو۔ اگر عطف کو جباٹی کی طرح عطف تفسیری پر محمول کیا جائے اور بلا ریب نبی علیہ السلام پر نور اور کتاب مبین دونوں کا اطلاق صحیح ہے۔

ولا يعبدان ايراد بالنور والكتاب
 لمبين النبي صلى الله عليه وسلم
 العطف عليه كالعطف على ما قاله
 لجباٹی ولا شك في صحة اطلاق
 بل عليه عليه الصلوة والسلام۔

آپ نے غور فرمایا۔ مداح نبی ملا علی قاری حنفی اور علامہ آلوسی حنفی تو مدحت رسول اور عظمت نبی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

نور اور کتاب مبین دونوں سے مراد حضور کی ذات ہے اور رفعت نبی اور عظمت رسالت کے منکر کہتے ہیں کہ دونوں تو کجا ایک سے بھی مراد آپ کی ذات نہیں ہے سرفراز صاحب نے ذکر رسول کو قطع کرنے کے لئے جس طرح مقراض دیوبند کو استعمال کیا ہے۔ اس نے ان کی نظرت کے نقوش کو خوب اُبھار کر عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ اور اب عوام کو غور کرنے کا موقع ملے گا کہ دیوبند کے اسلام اور عشق نبی کے نعروں میں کتنی اصلیت ہے۔ کیا یہ حقیقت اب واضح نہیں ہو گئی ہے کہ دیوبندی نصاب اپنے فضلاء کے سینوں میں کوٹ کوٹ کر بغض رسالت کی چنگاریاں بھردیتا ہے جس کا ایک اندازہ دیوبند کے اس فاضل کی تحریر سے کیا جاسکتا ہے۔

ملا علی قاری حنفی کے بعد سید محمود آلوسی حنفی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

(قد جاء كرم من الله نورا) عظیم
 وهو نور الانوار والنبی المختار صلی
 الله علیه وسلم والی هذا ذهب قتاده
 واختاره الزجاج . (روح المعانی)
 (تحقیق آیا اللہ کی طرف سے نور عظیم اور وہ
 تمام نوروں کا نور ہے اور نبی مختار ہیں صلی
 اللہ علیہ وسلم اسی طرف قتادہ گئے ہیں
 اور اسی کو زجاج نے اختیار کیا۔)

علامہ آلوسی کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضور تمام انوار کی اصل ہیں اور یہ عبارت مبتدعین دیوبند کے اس فاسد عقیدہ پر ضرب کاری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فقط ہدایت کے لحاظ سے نور ہیں۔ اور حسی نورانیت آپ کو نہیں ملی۔ حق یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حسی اور معنوی ہر قسم کی نورانیت کے جامع اور تمام انوار ہیں۔ اور مختلف اوقات میں آپ سے مختلف انوار کے مقتضیات ظہور میں آئے۔ جب بشریت کا غلبہ ہوا تو بشری عوارض پائے گئے۔ اور جب نور معنوی یا حسی غالب ہوا تو اس کے مظاہر پائے گئے۔
 علامہ جلال الدین سیوطی شافعی نے فرمایا۔

(قد جاءكم من الله نور) هو نور النبي

قد جاءكم من الله نور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کا ذکر ہے۔

صلی اللہ علیہ وسلم (تفسیر جلالین)

شیخ احمد صادی مالکی رحمہ اللہ اس کی شرح میں لکھتے ہیں!

وسہی نور الانما بنور البصائر و

آپ کو نور سے اس لئے موسوم کیا گیا ہے کہ آپ بصائر کو منور کرتے ہیں اور انہیں راہ ہدایت عطا فرماتے ہیں اور اس لئے کہ آپ ہر نور کی اصل ہیں خواہ حسی ہو یا معنوی۔

یہدیبھا للرشاد ولانہ اصل کل نور حسی و معنوی۔

شیخ ابوسعود اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

کہا گیا ہے کہ اول یعنی نور سے مراد رسول کریم کی ذات اور ثانی یعنی کتاب سے مراد قرآن عظیم ہے۔

قیل المراد بالاول هو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم وبالثانی القرآن۔

(تفسیر ابوسعود)

سرفراز صاحب نے نور سے ذات نبی مراد نہ ہونے پر ایک

حضور کی نورانیت پر اعتراض کا جواب

دلیل قائم کی ہے۔

لکھتے ہیں۔

”اس کا ایک قرینہ تو یہ ہے کہ آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا ذکر اسی آیت کے شروع میں مستقل ہو چکا ہے۔ (تنقید متین ص ۱۰۵)

اے اہل کتاب تحقیق سے آیا تمہارے پاس ہمارا رسول ظاہر کرتا ہے تم پر۔ اور آخر میں کتاب کا ذکر ہے جو روشن بھی ہے اور بین بھی۔

یا اهل الكتاب قد جاءكم رسولنا

بین لکم الایمان۔

اس بے سرو پائے کے جواب میں مفسرین کی عبارات لانے کی بجائے بہتر ہو گا۔ کہ مبتدعین و یوبند کے حکیم علی الاطلاق اشرف علی تھانوی کی عبارت پیش کیا جائے۔ لکھتے ہیں۔

”قد جاءكم من الله نور وكتاب مبين يهدي به الله ابيك تفسير یہ ہے کہ نور سے مراد (حضور صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں اور اس تفسیر کی وجہ یہ ہے کہ اس سے اوپر بھی قد جاء کم رسولنا فرمایا ہے۔ تو یہ قرینہ ہے اس پر کہ دونوں جگہ جاء کم کا ایک فاعل ایک ہو۔ (رسالۃ النور ص ۳۱)

اب آپ غور فرمائیے کہ سرفراز صاحب کے نزدیک عبارت میں قد جاء کم رسولنا کا ذکر نور سے حضور کی ذات مراد نہ ہونے پر قرینہ ہے اور ان کے حکیم الامت کے نزدیک عبارت میں اسی قد جاء کم رسولنا کا ذکر نور سے آپ کی ذات مراد ہونے پر قرینہ ہے۔ اب کس کا بتلایا ہوا قرینہ صحیح ہے اور کس کا غلط یہ فیصلہ ہم سرفراز صاحب کے فوق سلیم پر چھوڑتے ہیں۔ خواہ خود کو جاہل بنا کر تھانوی صاحب کی تصحیح کریں۔ یا اپنے کلام کو صحیح قرار دے کر امت دیوبند کے حکیم کو بہالت کی بھٹی میں جھونک دیں۔

نور سے حضور کی ذات اقدس
مراد لینے پر مولوی سرفراز

حضور کی نورانیت پر ایک اور اعتراض

صاحب کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ:-

”اگر نور سے آپ کی ذات گرامی اور کتاب مبین سے انگ چیز مراد ہوتی۔

تو ضمیر ثننیہ کی بہا مناسب تھی۔ (تنقیدتین ص)

قرآن کریم میں ایسی بے شمار نظریں موجود ہیں۔ جن میں امور متعدد کی طرف ضمیر واحد کا بطور بدل ٹوٹا یا گیا ہو۔ لیکن بغض رسالت کا کیا علاج سرفراز صاحب کو پوسے قرآن میں صرف یہی ایک مقام کھٹکا ہے۔ بہر حال جواب حاضر ہے۔ علامہ ابوسعود آیت مذکورہ کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

ضمیر مجرور کو واحد یا تو اسلئے لایا گیا ہے کہ انکا مرجع متحد بالذات ہے (کیونکہ احکام قرآنی کی جامع انسانی صورت اگر متصور ہو سکتی ہے۔

توحید الضمیر المجرور لاقتراب المرجح بالذات اولکونھا فی حکم الواحد اوارید یھدی بما ذکرہ الخ

(تفسیر ابوسعود)

تو وہ آپ کی ذات مقدسہ ہے اور اگر آپ کی ذات و صفات کی اگر کوئی جامع عبارت
 حاصل ہو سکتی ہے۔ تو وہ قرآن کریم ہے، یا اس لئے کہ دونوں کا حکم ایک ہے کیونکہ
 دونوں واجب الطاعت ہیں، اور ضمیر دونوں کی طرف مذکور کی تاویل میں راجح ہے اور
 یہی وہ جواب ہے جو اس قسم کے مواقع پر بالعموم مفسرین اور شارحین دیا کرتے ہیں،
 شیخ ابوسعود کی طرح علامہ عبداللہ بن عمر بیضاوی نے انوار التنزیل میں علامہ اسماعیل حقی
 نے روح البیان میں اور دیگر اکابر علماء نے بھی اپنی اپنی تفاسیر میں اسی قسم کے جوابات
 دیئے ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے، کہ معاندین رسالت اپنے تو بہات کے تیر برسائے
 ہیں۔ اور نبوت کے پروانے دلائل و براہین کی سپر بن کر ان کے مقابل آ رہے ہیں۔

علاوہ ازیں اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ جب ضمیر واحد ہے تو مرجح بھی واحد ہونا چاہئے
 تو چلئے یہی سہی۔ لیکن یہ کب ضروری ہے کہ اگر مرجح واحد ہو تو نور اور کتاب مبین دونوں
 سے مراد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہو۔ اور یہی جواب ملا علی قاری نے
 شرح شفا میں اور علامہ آلوسی نے روح المعانی میں دیا ہے جسے ہم ابھی نقل کر چکے ہیں
 منصف مزاج کے لئے یہ جاندار حوالے کافی ہیں اور جن کے دل ظلم سے مردہ ہو
 چکے ہیں۔ ان کا ہم کوئی ذمہ نہیں لیتے۔ اب اس ضمن میں علامہ بیضاوی کا کلام ملاحظہ
 فرمائیے۔

آیت مبارکہ میں نور سے مراد محمد
 صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
 گرامی ہے۔

(قد جاءكم من الله نور) هو
 النبي صلى الله عليه وسلم يريد بالنور
 محمداً صلى الله عليه وسلم۔

(تفسیر بیضاوی)

صاحب تفسیر خازن لکھتے ہیں:-

نور سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اور آپ
 کو نور سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے
 اسی طرح ہدایت حاصل کی جاتی ہے جیسے نور سے

(قد جاءكم من الله نور) یعنی

محمداً صلى الله عليه وسلم انہما

سماه الله نوراً لانا يهتدى بها

کما یھتدی بالتور فی الظلام

(تفسیر فازن)

اندھیروں میں ہدایت حاصل ہوتی ہے۔

علامہ نسفی حنفی زیر نظر آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

یا نور سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ آپ کو قرآن کریم میں دوسری جگہ سراج سے موسوم کیا ہے۔

أو النور محمد علیہ السلام لانما یھتدی بہ کما سہی سراجا۔

(مدارک التنزیل)

ان مختصر اور مضبوط حوالوں کے بعد ہم اس آیت پر علامہ اسماعیل حنفی کا نورانی اور روح پرور کلام پیش کرتے ہیں۔ لیجئے آپ بھی ملاحظہ کر کے اپنے قلوب اور روح کو منور فرمائیے۔

اور یاد رکھو کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو بحیثیت نور مبعوث فرمایا۔ اور آپ نے انسان کے لئے عطیۃ الہی بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو اپنے قول "اللہ نور السموات والارض" میں نور سے موسوم فرمایا کیونکہ ارض و سما، ظلمت عدم میں مستور تھے پس اللہ تعالیٰ نے اُصفت ایجاد سے انہیں ظاہر فرمایا۔

اور نبی علیہ السلام کو نور فرمایا کیونکہ وہ پہلی مخلوق جسے اللہ تعالیٰ نے نور قدرت سے ظاہر فرمایا۔ نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ جس طرح آپ نے خود فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عالم کے بعض انوار کو بعض سے پیدا فرمایا۔ پس جب آپ کے نور سے موجودات ظاہر

واعلم ان اللہ تعالیٰ بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم نوراً بین حقیقۃ حظ الانسان من اللہ تعالیٰ وانہ تعالیٰ سہی نفسہ نوراً بقولہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض لانہما کانا مخفیین فی ظلمۃ العدم فاللہ تعالیٰ اظہرہما بالایجاد وسہی الرسول نور الان اول شی اظہرہ الحق بنور قدرتہ من ظلمۃ العدم کان نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کما قال اول ما خلق اللہ نوری ثم خلق العالم بہا فیہ من نورہ بعضہ من بعض فلما ظہرت الموجودات من وجود نورہ سماہ

ہو گئے تو آپ کا نام نور رکھا اور پھر شے جو
اقرب الی الایجاد ہو وہ اسم نور کے زیادہ
مناسب ہے۔ کیونکہ عالم ارواح جبکہ ایجاد کے
زیادہ قریب تھا تو اسی وجہ سے اسے عالم انوار
کا نام دیا۔ اور عالم علوی نورانی ہے نسبت
عالم سفلی کے پس نور نبی جبکہ تمام موجودات
کی نسبت ایجاد کے سب سے زیادہ قریب ہے
لہذا نور کا نام سب سے زیادہ آپ ہی کی ذات
مقدسہ کے مناسب ہے۔ اسی لئے آپ نے
فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے نور کی (تجلی) پیدا ہوا
اور مومنین مجھ سے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بے
شک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور آیا اور
نبی علیہ السلام سے مروی ہے کہ میں اپنے بچے کے پاس
بجھیت نور آدم کی پیدائش سے چودہ ہزار برس پہلے
موجود تھا اور یہ نور اللہ کی حمد و ثنا کرتا تھا اور
فرشتے اس حمد سے تسبیح کیا کرتے تھے پس جب آدم
علیہ السلام پیدا ہوئے تو یہ نور انکی پشت میں
رکھا گیا اور ابن عباس سے مروی ہے۔ وہ کہتے
ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
جب آدم کو پیدا کیا تو مجھے انکی پشت کے ضمن میں
زمین پر اتارا پھر کی پشت کے ضمن میں کشتی میں اتارا
اور ابراہیم کی پشت میں رکھا پھر اسی طرح مجھے
کریمانہ پشتوں سے پاکیزہ ارحام کی طرف نقل

نور اوکل ما کان اقرب الی الاختراع
کان اولی باسم النور کما ان عالم
الارواح اقرب الی اختراع من
عالم الاجسام فلذلک سمی عالم الانوار
والعلویات نوراً بنا بالنسبة
الی السفلیات فاقرب الموجودات
الی الاختراع لما کان نوراً فالنبی صلی
اللہ علیہ وسلم کان اولی باسم النور
ولہذا کان یقول انا من اللہ و
المؤمنون منی وقال تعالیٰ قد جا کم
من اللہ نور وروی عن النبی علیہ
السلام انما قال کنت نوراً بین یدی
و بی قبل خلق ادم باربعة عشر الف
عام وکان یسبح ذالک النور و تسبیح
الملائکة بتسبیحہ فلما خلق ادم
القی ذالک النور فی صلبہ وعن
ابن عباس رضی اللہ عنہما عن
النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه قال
لما خلق اللہ ادم اھبطنی فی
صلبہ الی الارض وجعلنی فی صلب
نوح فی السفینة و قد اقی فی صلب
ابراہیم ثم لم یزل تعالیٰ ینقلنی من
الاصواب الکریمۃ الی الارحام

فرماتا رہا۔ یہاں تک کہ مجھے میرے والدین
کی طرف بھیجا۔ جو کبھی زنا پر اکٹھے نہیں
ہوئے۔

الطاهرة حتى اخذ جنی من
ابوی لہو یلتقی علی سفاح قط۔
(روح البیان)

مسئلہ نورانیت محمدی میں جہور
مفسرین کا کلام سپرد رقم کرنے

حضور کی نورانیت اکابر دیوبند کی نظر میں

کے بعد ہم اس موضوع پر ان ستونوں کی عبارت پیش کرتے ہیں جن کے کاندھوں پر عمارت
دیوبند کا بوجھ ہے۔ اور ظاہر ہے ان عمائد کو گہرا نا دیوبند کو مسما کرنے کے مترادف ہے اب
سرفراز صاحب یا نو علماء دیوبند کی پوجا چھوڑ دیں اور یا تو یہ کر کے اہل سنت کے مسلک کو
قبول کر لیں۔

رشید احمد صاحب گنگوہی کا کلام ملاحظہ فرمائیے۔

لکھتے ہیں۔

حق تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان
میں فرماتا ہے کہ آیا تمہارے پاس اللہ کی
طرف سے نور اور کتاب مبین اور نور سے
مراد حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
اقدم ہے۔

حق تعالیٰ در شان حبیب خود صلی اللہ
علیہ وسلم فرمود کہ آمدہ نزد شما از
طرف حق تعالیٰ نور و کتاب مبین و مراد
از نور ذات پاک حبیب خدا صلی اللہ
علیہ وسلم است۔

(ادوا و اسلاک ص ۸۶)

مولوی اشرف علی تھانوی اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔

”اب لیجئے کہ نور کی حقیقت ہے ظاہر بنفسہ مظہر لغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کی شان مظہر کے بہت مناسب ہے کہ مراد نور سے آپ ہوں۔“

(رسالہ النور ص ۳۱)

سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں
”شاید نور سے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب مبین سے قرآن کریم

مراد ہے۔“

شاید کی یہ ہڈی ان کے گلے میں جا کر اس طرح پھنسی ہے نہ صاف اقرار کر سکتے ہیں اور نہ واضح انکار کی ہمت ہو سکی عجیب محضے میں پھنسنے ہوئے ہیں۔
مشتاق احمد نے رسالہ التوسل میں لکھا۔ اور اسے محمود الحسن مفتی کفایت اللہ مفتی محمد شفیع جیسے اکابر دیوبند کی تائیدات سے مزین کیا۔ اس میں اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔
”نور سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔“

(التوسل ص ۲۳)

ہم نے آپ کے سامنے کھلی کتاب کی طرح علماء دیوبند کی عبارات کو پیش کر دیا ہے کہ رؤسا دیوبند آیت مذکورہ میں نور سے رسول کریم کی ذات اقدس مراد لیتے ہیں۔ اور ساتھ ہی سرفراز صاحب کا قول بھی نقل کر دیا ہے کہ وہ نور سے رسول اللہ کے مراد ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ دونوں میں کون غلط اور گمراہ ہے۔ اس پر ہم ناظرین کی بصیرت کو منصف بناتے ہیں۔

سرفراز صاحب نے اپنے
ضعیف مطالعہ اور علمی فقدان

حضور کی نورانیت پر قرآن سے مزید دلائل

سے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ قرآن کریم میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت پر یہی ایک دلیل ہے۔ یہ ان کی خوش فہمی بلکہ غلط فہمی ہے۔ دیدہ بینا کے لئے قرآن شریف میں انگنت آیات نبی علیہ السلام کی نورانیت کی حامل ہیں۔ ہم چند آیات مع تفسیری حوالوں کے ندر رقم کرتے ہیں۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ آسمانوں و زمینوں کا نور ہے۔ کعب احبار اور ابن جبیر نے کہا کہ یہاں نور ثانی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں! اور اللہ تعالیٰ کے قول مثل نورہ کا معنی ہے

وقال اللہ تعالیٰ اللہ نور السموات والارض الایتہ۔ قال کعب الاحبار وابن جبیر المراد بالنور الثانی ہنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ تعالیٰ مثل نورہ

نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مثال اور سہل بن عبد اللہ نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کا ہادی ہے پھر کہا مثال نور محمد کی جبکہ وہ پشتوں میں بطور امانت تھا مثل اس طاق کے ہے جس کی ایسی ایسی صفت ہو اور مصباح سے آپ کے قلب کا ارادہ کہا۔ اور زجاجہ سے سینہ اقدس کا گویا کہ وہ ایک روشن ستارہ ہے جو ایمان و حکمت سے بھر پور ہے۔ اور ایک درختِ روشن ہے۔ یعنی خود ابراہیم علیہ السلام سے اور شجر مبارک سے محض مثال دی گئی ہے۔ اللہ عزوجل کے قول بکا وزیتھا یضیٰ کا مطلب ہے کہ قریب ہے کہ نبوت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دعویٰ نبوت سے پہلے لوگوں پر ظاہر ہو جائیں گی مثل اس لیتون کے اور اس آیت میں اور بھی مضمون بیان کئے گئے ہیں۔ واللہ اعلم اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن میں اس مقام کے علاوہ نور اور سراج میرے موسم فرمایا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا قد جاہلکم من اللہ نور و کتاب بین اور فرمایا۔ انا ارسلناک شہدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا۔ اور اسی ضمن میں فرمایا۔ الم نشرح

ای نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم وقال سہل بن عبد اللہ المعنی اللہ ہادی اهل السموات والارض ثم قال مثل نور محمد اذا كان مستودعا فی الاصلاب کمشکوۃ صفتھا کذا و اراد بالمصباح قلبہ والترجاجة صدارة ای کانه کوكب دري لما فیہ من الايمان والحکمة یوقد من شجرة مبارکة ای من نور ابراهیم علیہ الصلوۃ والسلام و ضرب المثل بالشجرة المبارکة وقوله یکا ذریتھا یضیٰ ای تکاد بنوۃ محمد صلی اللہ علیہ یتبین للناس قبل کلامہ کهذا الذیت وقد قیل فی هذه الایة غیر هذا واللہ اعلم وقد سماہ اللہ فی القرآن فی غیر هذا الموضع نور او سراجا منیرا۔ فقال تعالیٰ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین وقال تعالیٰ انا ارسلناک شہدا و مبشرا و نذیرا و داعیا الی اللہ باذنہ و سراجا منیرا و من هذا قوله تعالیٰ الم نشرح

لك صدرك الى اخر السورة شرح
وسم و المراد بالصدر هنا القلب
قال ابن عباس رضى الله عنهما
شرحه بنور الاسلام وقال
سهل بنور الرسالت الخ -
کما نور رسالت سے ۔

لک صدرك الى اخر السورة شرح
وسم و المراد بالصدر هنا القلب
قال ابن عباس رضى الله عنهما
شرحه بنور الاسلام وقال
سهل بنور الرسالت الخ -
کما نور رسالت سے ۔

(الشفاد ص ۱۰)

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ اسی مضمون کی شرح کرتے ہوئے ارتقام
فرماتے ہیں۔

اور خلاصہ یہ ہے کہ بیشک نور محمد صلی اللہ علیہ
وسلم اپنے ابا و کرام سے منتقل ہوتا رہا یہاں
تک براہیم علیہ السلام کی پشت مبارک میں ظاہر
ہوا۔ جبکہ وہ توحید میں علامت کی حیثیت رکھتے
تھے۔ اور خاص طور پر تسلیم و رضا کے باب
میں پس وہ کثیر خیر کے حامل شجر تھے۔ کیونکہ
بعد کے تمام انبیاء آپ کی اولاد میں سے تھے
اور ان میں سے اکثر ملک شام سے
مبعوث ہوئے۔ جس کی زمین میں اللہ تعالیٰ
نے برکت رکھی تھی اور ممکن ہے کہ زمینوں
سے اسی طرف اشارہ ہو۔

والحاصل ان نور محمد صلی اللہ
علیہ وسلم انتقل من ابائنا الکرام
الی ان ظهر ظہور ابینا فی ظہر ابراہیم
علیہ الصلوٰۃ والسلام اذ صار علما
فی علم التوحید ولا یما فی باب لتفویض
والاسلام فهو شجرة کثیرة الخیر
لان من بعد من الانبیاء کلهم
من ذریته وکان اکثرهم من جهة
الشام من الارض التي بارک الله تعالی
حولها وکان الزيتونه اشارة
الیها۔ (شرح شفا ج ۱ ص ۱۲۱)

صاحب تفسیر خازن میں سراج منیر کے تحت فرماتے ہیں۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے نور
بنوت سے بصائر کے نور کی مدد فرمائی جیسے نور سراج
سے نور البصائر کی مدد کی جاتی ہے۔

معناه امد الله بنور بنوته
نور البصائر كما یمد بنور السراج نور
الابصار۔ (تفسیر خازن)

امام رازی رحمہ اللہ اسی آیت کے تحت ارقام فرماتے ہیں۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں چراغ
فرمایا اور شمس نہ فرمایا۔ حالانکہ سورج کی روشنی
زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں۔ ایک
وجہ یہ ہے کہ شمس سے عموماً استفادہ نہیں کیا
جاتا بخلاف چراغ کے کیونکہ اس سے انوار کثیر
حاصل کئے جاتے ہیں۔

قال فی حق النبی صلی اللہ علیہ وسلم
سراجا ولم یقل انہ شمس مع ان
النہار اشہد اضاءة من السراج
لفوائد منہا ان الشمس نورہا لا
یؤخذ منہا شیء والسراج یؤخذ
منہ انوار کثیرة۔ (تفسیر کبیر)

قد جاءکم من اللہ نور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کی نفی کر نیوالے کون تھے

ہم نے گذشتہ سطور میں یہ امر انتہائی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے۔ کہ اہل سنت
کے نزدیک نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک حقیقت ثابتہ ہے اور جمہور مفسرین کے نزدیک
”قد جاءکم من اللہ نور“ میں نور سے مراد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اب یہ بھی دیکھئے
کہ اس آیت میں نور سے مراد قرآن کریم لے کر نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نفی کرنے والے
کون لوگ ہیں۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں۔

ابوعلی جبائی نے کہا نور سے مراد قرآن کریم ہے
کیونکہ وہ حقائق کا کشف و بیان اور ہدایت
کے طریقوں کو ظاہر کرتا ہے اور زخم شری
نے اسی تفسیر پر اکتفا کیا ہے۔

وقال ابوعلی الجبائی عنی بالنور
القرآن لکشفہ واظہارہ طوق
الهدای والیقین واقتصر علی
ذالک الذمخشری۔ (روح المعانی)

اور زخم شری صاحب کشف کا کیا مذہب ہے۔

علامہ پرہاروی لکھتے ہیں۔

وکان صاحب الکشاف بکنی نفسہ ابا ملتزلتا (نیز اس ص ۲۸)
صاحب کشف نے اپنی کینت ابو معتزلہ رکھی تھی۔

نیز علاء پر مہاروی ابوعلی جبائی کے تعارف میں لکھتے ہیں۔

ابی علی جبائی ھو محمد بن عبد الوھاب من معتزلت بصرۃ۔

(نبراس ص ۲۹)

ابوعلی جبائی کا نام محمد بن عبد الوہاب تھا اور وہ معتزلہ بصرہ سے تھا۔ نبراس کے ان حوالوں سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ ابوعلی جبائی اور زحشتری دونوں معتزلہ تھے اور روح المعانی کی عبارت سے واضح ہو گیا کہ یہی معتزلہ نورانیت نبی کا انکار کر کے تور کا قرآن میں انحصار کرتے ہیں۔ پس اب غور فرمائیے۔ کہ سرفراز صاحب گکھڑی نے نورانیت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کن لوگوں کے برازیں اپنے عقیدہ کو شامل کر لیا ہے۔

حدیث جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”نورانیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر دوسری دلیل حدیث جابر سے دی جاتی ہے۔ اور یہ بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ امام عبدالرزاق شیعہ تھے۔ اور یہ حدیث سند کے لحاظ سے مجروح ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔“

(تفیدتین ص ۱۰۷)

اس جرح کا جواب دینے سے پیشتر ہم آپ کے سامنے اہل سنت کے ان اکابر علماء کی عبارات پیش کرتے ہیں جنہوں نے اس حدیث کو روایت اور اس سے استدلال کیا ہے۔ امام احمد کے استاذ اور امام بخاری و امام مسلم کے استاذ الامام عبدالرزاق اپنی تصنیف میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں۔

حضرت جابر بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرا باپ فدا ہوں مجھے بتلائیں کہ سب سے پہلے اللہ نے کس کو پیدا کیا۔ فرمایا کہ جابر بے شک اللہ تم سب سے پہلے تمہارے نبی صلی

قال قلت یا رسول اللہ بانی
انت و اہی اخبرنی عن اول شیئ
خلقه اللہ تعالیٰ قبل الاشیاء قال
یا جابر ان اللہ تعالیٰ قد خلق قبل

اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا فرمایا۔ پھر وہ نور خدا کی قدرت سے جہاں چاہا گھومتا رہا۔ اس وقت لوح، قلم، جنت، دوزخ، فرشتے، آسمان زمین، سورج، چاند، جن و انس کچھ نہیں تھے پھر جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کرنا چاہا۔ تو اس نور کے چار حصے کئے۔ پہلے سے قلم دوسرے سے لوح۔ تیسرے سے عرش بنایا۔ پھر چوتھے کے چار حصے کئے۔ الحدیث۔

الاشیاء نور نبيك من نوره فجعل ذلك النوريدا وربالقدرة حيث شاءالله تعالى ولحين في ذلك الوقت لوح ولاقلم ولاجنة ولا نار ولاملك ولاسما ولاشمس ولاقمر ولاجنى ولاانسى فلما ارادالله تعالى ان يخلق الخلق قسم ذلك النوراربعة اجزا فخلق من الجزء الاول القلم ومن الثاني اللوح ومن الثالث العرش ثم قسم الجزء الرابع اربعة اجزاء الحدیث بطولہ۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ مخلوق کو پیدا کرنے اور اس کا رزق مقرر کرنے کے ساتھ متعلق ہوا تو اس نے حقیقت محمدیہ کو صمدی انوار سے بارگاہ احدیت میں ظاہر فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت محمدی سے تمام عالم علوی اور سفلی کو اپنے ارادہ ازلی کے مطابق ظاہر فرمایا پھر اللہ تعالیٰ نے حقیقت محمدی کو نبوت کی خبر اور رسالت کی بشارت دی اور ابھی حضرت آدم فرمان نبوی کے مطابق روح اور جسد کے درمیان ہی تھے۔

لہا تعلقت ارادة الحق تعالى بايجاد خلقه وتقدير رزقه ايدز الحقیقة المحمديہ من الانوار الصمدية في الحضرة الاحدایة ثم قسم منها العوالم كلها علوها و سفلها على صورة حکمہ كما سبق في سابق ارادة وعلمہ ثم اعلمہ تعالیٰ نبوتہ وبشره و برسالتہ هكذا و آدم لم يكن الا كما قال صلی اللہ علیہ وسلم بین الروح والجسد (مواہب اللدینہ)

اس کی شرح میں امام زرقانی ارقام کھتے ہیں۔

اور جزیں نیست کہ حقیقت محمدیہ ہی تمام حقائق کی حقیقت ہے کیونکہ حقیقت محمدی کا ثبوت خلق وسطیہ میں ہے، جو کہ عین نور احمدی ہے جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس قول میں اشارہ فرمایا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرے نور کو پیدا کیا۔

بیتہ صائب اللہیہ

وانما كانت الحقيقة المحمدية هي صورة الحقيقة الحقائق لاجل ثبوت الحقيقة المحمدية في خلق الوسطية هي عين النور الاحمدى المشار اليه بقوله عليه السلام اول ما خلق الله نوري ...

امیر عبدالقادر الجزائری فرماتے ہیں۔

بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت وہ رحمتِ عظمیٰ ہے جس نے ہر شے کا احاطہ کر لیا ہے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ شانہ کے اسماء کو بھی یہ رحمت شامل ہے، کیونکہ ان اسماء کے مقتضیات اور آثار کا ظہور اس رحمت محمدی سے وجود میں آیا۔ اور اسی رحمت نے سب سے پہلے پردہ عدم کو چاک کیا اور یہ پہلی مخلوق ہے جو اللہ تعالیٰ سے بلا واسطہ صادر ہوئی اور اس وجود کا فیضان تمام موجودات کو شامل ہے اور بالتحقیق حدیث شریف میں وارد ہوا کہ اے جابر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تیرے نبی کے نور کو پیدا کیا۔

فان حقيقة صلى الله عليه وسلم هي الرحمة التي وسعت كل شئ وعمت هذه الرحمة حتى اسما الحق تعالى من حيث ظهور اثارها ومقتضياتها بوجود هذه الرحمة وهذه الرحمة هي اول شئى فتق ظلمة العدم واول صادر عن الحق تعالى بلا واسطه وهي الوجود المفاض على اعيان الممكنات وقد ورد في الخبر اول ما خلق الله نور - نبيك يا جابر -

(مواقف)

سیدی عبدالکیرم فرماتے ہیں۔

بے شک اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سعادتِ کبریٰ اور تمام لوگوں کے لئے ظاہری

ان الله تعالى خلق محمدا صلى الله عليه وسلم كثير السعادة

اور باطنی نمونہ بنا کر پیدا فرمایا اور وجود میں آپ کا مرتبہ اللہ نے سب سے پہلے جس کے بعد اور کوئی مرتبہ نہیں ہے۔

یاد رکھو کہ جب اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ اسماء الہیہ کے آثار کے ظہور سے بارگاہ الوہیت کی تجلیات کی معرفت کر لے تو اس نے سب سے پہلے روح محمدی کو جامع صورت پر پیدا کیا پھر اس نے جمیع عالم علوی، روحانی اور جمیع عالم سفلی جسمانی کو پیدا فرمایا۔ حتیٰ کہ خاتم صور نوعیہ یعنی آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا جیسا کہ حضرت جابر بن عبد اللہ انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا فرمایا۔ تو آپ نے فرمایا اے جابر وہ تیرے نبی کا نور ہے جس کو اللہ نے اپنے نور کے سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ پھر اس نور سے ہر چھ چیز کو پیدا فرمایا۔ اور اس کے بعد ہر چیز کو پیدا فرمایا۔

الكبرى وانمود جاللطائفة صورة
ومعنى فجعل مرتبته في الوجود
المرتبة العلية التي ليس فوقها
مرتبة الوجود (كتاب النور)

شیخ عبد اللہ ابو سنوی فرماتے ہیں۔

اعلم ان الحق تعالى لما اراد ان
يعرف من حيث ظهور آثار الاسماء
الالهية تخلياها من حضرة
اللوهية خلق اول الروح المحمدي
على الصورة الجمعية ثم منه جميع
العوالم العلوية الروحانية
العقلية والعوالم السفلية الخلقية
العنصرية الى خاتم الصور النوعية
الكونية وهو آدم عليه السلام كما
روى عن جابر بن عبد الله انصاري
قال سألت رسول الله صلى الله
عليه وسلم عن اول شئ خلقه الله
قال هو نور نبىك يا جابر خلقه
من نوره ثم خلق منه كل خير
ثم خلق بعده كل شئ الحديث .

(مطالع النور)

شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واما اول وے صلی اللہ علیہ وسلم اولست
بہر کیف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود میں

در ایجاد که اول ما خلق الله نوری و
اولست در نبوت که کنت نبیا و
آدم لمجدل فی طینتہ -

(مدارج النبوه)

اول ہونا پس وہ اس لئے ہے کہ پہلی
وہ چیز جس کو اللہ نے پیدا کیا۔ وہ میرا
نور ہے۔ اور نبوت میں اول ہونا اس لئے ہے
کہ اس وقت بھی نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام
ابھی زمین پر افتادہ تھے۔

ان اکابرین کے علاوہ امام ابن حجر مکی علامہ فاسی علامہ دیار بکری سیدی عبد الغنی
نابلسی امام ابوالحسن اشعری وغیرہم نے بھی اس مضمون جلیل کو اپنی تصانیف میں ذکر
کیا ہے اور اس پر اظہار اعتماد فرمایا ہے۔

سرفراز صاحب نے حدیث جابر کور ذکر کرنے کے
لئے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے کہ اس حدیث میں

صہور کے اول خلق ہونے کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ حضور اول خلق نہیں ہیں چنانچہ موضوعات
کبیر سے قلم کے اول خلق کی روایت کو لے کر سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

”اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تقدیر

کو پیدا کیا ہے جب صحیح روایت سے قلم کی اولیت ثابت ہے تو بلاوجہ
اس کو بجائے اول حقیقی کے اولیت اضافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں

ہے“ (تنقیدتین ص ۱۱۰)

چند سطریں آگے چل کر دینی زبان سے سرفراز صاحب اعتراف تو کرتے ہیں کہ :-

”ہاں ملا علی قاری نے مرقات ج ۱ ص ۱۲۹۔ اور جمع الوسائل میں اول مخلوقات

میں آپ کا نور ذکر کیا ہے لیکن خود ان کی کتابوں میں تصریح ہے کہ نور سے

مراد روح ہے“ (تنقیدتین ص ۱۱۰)

سرفراز صاحب کو چونکہ یقین تھا کہ اگر ملا علی قاری کی عبارت نقل کر دی تو قصردیوب بند

منہدم ہو جائے گا، اس لئے وہ ملا علی قاری کی اس ایمان افروز عبارت کو دیوالی کی پوریوں

سمجھ کر صاف ہضم کر گئے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے ملا علی قاری کی وہ عبارت

لاتے ہیں۔ جسے پیش کرنے سے سرفراز صاحب خوف کھاتے ہیں۔

ابن حجر نے کہا کہ اول مخلوق کے بارے میں روایات مختلف ہیں اور خلاصہ یہ ہے۔
جیسا کہ میں نے شرح شمائل ترمذی میں بیان کیا ہے۔ کہ بالیقین اول مخلوقات وہ نوہے جس سے نبی علیہ السلام کو پیدا کیا گیا پھر پانی کو پھر عرش کو۔

قال ابن حجر اختلف الروایات فی اول المخلوقات وحاصلها كما ينتهها فی شرح شمائل الترمذی ان اولها النور الذی خلق منه علیه الصلوة والسلام ثم الماء ثم العرش (مرقات ج ۱ ص ۱۲۶)

ملا علی قاری کے اس کلام سے ظاہر ہو گیا۔ کہ حضور کے نور کی اولیت کو حقیقی قرار دینے میں وہ تنہا نہیں ہیں۔ بلکہ ابن حجر نے بھی حضور کے نور کی اولیت حقیقی پر تصریح کی ہے۔ اور صاحب ازہار نے بھی جیسا کہ ہم ابھی انشاء العزیز نقل کریں گے۔ علاوہ ازیں بیچارہ جگہ علماء اسلام نے نور محمدی کی اولیت حقیقی پر نص صریح قائم کی ہے۔ جیسا کہ ہم پہلے آفتاب سے زیادہ روشن حوالے پیش کر چکے ہیں۔ پس ان تمام حوالوں کی موجودگی میں نور رسالت مآب کی اولیت حقیقی کا وہی انکار کر سکتا ہے۔ جو بغض رسالت سے اپنی بینائی کھو چکا ہو۔ ملاحظہ فرمائیے۔

ملا علی قاری حنفی **أَوَّلَ مَا خَلَقَ اللهُ الْقَلَمَ** کے تحت فرماتے ہیں۔

ازہار میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی مقادیر کو آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے سچاس ہزار سال پہلے سکھا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا یعنی قلم کی پیدائش اور کتابت سے پہلے عرش پیدا ہو چکا تھا اور وہ پانی پر تھا۔ اس کو مسلم نے روایت کیا اور ابن عباس سے روایت ہے۔ **وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْمَاءِ** کے بارے میں استفسار کیا گیا کہ عرش تو پانی پر تھا

وفي الازهار اول ما خلق القلم يعني بعد العرش. والماء والديج لقوله عليه الصلوة والسلام كتب الله مقادير المخلوق قبل ان يخلق السموات والارض بخمسين الف سنة وعرشه على الماء رواه مسلم وعن ابن عباس سئل عن قوله تعالى وكان عرشه على الماء على اي شئى كان الما قال على متن الديج

سوالیہ فی ذکرہ الابدی
فالاولیۃ اضافیۃ والاول الحقیقی
هو النور المحمدی علی ما بینۃ فی
المورد للمولد -

(مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۱۶۶)

شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ از قلم فرماتے ہیں۔

بدانکہ اول مخلوقات و واسطہ صدور
کائنات و واسطہ خلق عالم و آدم نور محمد
است صلی اللہ علیہ وسلم چنانچہ در حدیث
صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ توری
وسائر کمونات علوی و سفلی ازاں نورو
ازاں جو ہر پاک پیدا شدہ ازارواح
و اشباح و عرش و کرسی و لوح و قلم و
بہشت و دوزخ و ملک و فلک و
انس و جن و آسمان و زمین و بحار و
جبال و اشجار و سائر مخلوقات و در
کیفیت صدور ایں کثرت ازاں وحدت
و بروز و ظهور مخلوقات ازاں جو ہر
عبارت و تعبیرات غریب آوردہ اند
و حدیث اول ما خلق اللہ العقل نزد
محققین و محدثین بصحت نرسیدہ و
حدیث اول ما خلق اللہ القلم نیز گفتہ اند
کہ مراد بجد العرش و الماء است کہ واقع شدہ

پانی کس چیز پر تھا۔ تو فرمایا ہوا کی پیٹھ پر۔ اسے
بیہتی نے روایت کیا (پس ثابت ہوا کہ قلم کی پیدائش
ہوا۔ پانی اور عرش کے بعد ہے) اور جو چیز سب سے
پہلے پیدا ہوئی وہ نور محمدی ہے جیسا کہ میں نے
المورد للمولد میں بیان کیا ہے۔

جان نوکہ اول مخلوقات اور واسطہ خلق
کائنات وحدت آدم نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم
ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔
کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرے نور کو
پیدا کیا۔ اور باقی تمام کائنات علوی و سفلی اس
نور سے پیدا ہوئی، اسی وحدت سے یہ
کثرت صدور میں آئی اور مختلف ناموں سے
موسوم ہوئی چنانچہ یہ نور کہیں عرش و کرسی
سے موسوم ہوا۔ اور کہیں دریاؤں اور
درختوں سے۔ اور جس حدیث میں ہے کہ
سب سے پہلے عقل کو پیدا کیا اس کی
صحت محققین اور محدثین کے نزدیک ثابت
نہیں۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ پہلے
قلم کو پیدا کیا۔ (اس میں اولیت حقیقی
نہیں ہے) کیونکہ محققین نے کہا کہ مراد
یہ ہے کہ عرش اور پانی کے بعد قلم کو پیدا
کیا۔ کیونکہ اس طرح ثابت ہے۔ کہ

اس وقت عرش پانی پر تھا اور بعض احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ پانی عرش سے پہلے ہوا۔ پس جب قلم پیدا کیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا، کھ۔ قلم نے پوچھا، کیا کھوں۔ ارشاد ہوا، کھ جو کچھ ہو چکا ہے اور جو کچھ ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ قلم کی پیدائش سے پہلے جو کچھ ہو چکا تھا وہ عرش و کرسی اور ارواح تھیں اور نبی محمدی ان سب سے پہلے پیدا ہوا۔ پس اس اعتبار سے تقدیر پر یوں کہا جاسکتا ہے کہ قان سے مراد اس نور کے صفات و احوال ہیں اور مایکون سے مراد وہ امور ہیں جو بعد کو دنیا میں ظاہر ہوں گے۔

است وکان عرشہ علی الماء ودر بعضے احادیث تصریح ہوا واقع شدہ است و آمدہ است کہ خلق ماہ پیشتر از عرش است کہ چوں خلق کردہ شدہ قلم گفت بوی پروردگار تعالیٰ و تقدس بنویس گفت قلم چه نویسم گفت بنویس ماکان و مایکون الی آخده پس معلوم شد کہ پیش از خلق کائنات بود است کہ آن عرش و کرسی ارواح است و خلق نورے صلی اللہ علیہ وسلم ازاں سابق است و بریں وجہ تواند کہ مراد از ماکان صفات و احوال آن بودہ باشد کہ اول در آن عالم ثابت است و از مایکون آنچه در آخر ظاہر گردد در دنیا۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۲)

ملا علی قاری صاحب ازہار اور شیخ محقق کے اس محققانہ کلام کو دیکھئے۔ اور سرفراز صاحب کے کمزور مطالعہ پر تحسین و آفرین کیجئے۔ وہ تو عداوت رسول میں بروایت مسلم دیوانہ وار یہ ثابت کر چکے تھے کہ قلم سب سے پہلے پیدا ہوا اور ثابت یہ ہوا کہ قلم تو جو تھے نمبر پر بھی نہیں ہے۔ جب خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمادیا کہ قلم عرش اور پانی کے بعد پیدا ہوا اور آپ کے فرمان صریح سے اس کی اولیت۔ افعانی ثابت ہوگی تو انجناب کو رسول اللہ کی تردید کرنیکی کیونکر جرأت ہوئی آپ نے کہا کہ قلم کی اولیت حقیقی ہے اور اسے اولیت اصنافی پر محمول کرنا قابل سماعت نہیں۔ کیا آپ کے مذہب غیر مہذب میں فرمان نبوی بھی قابل سماعت نہیں ہوتا؟ ابھی تو یہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ ہمارا مخلصانہ

مشورہ ہے کہ آپ تنقیص نبوت اور تردید رسالت سے تائب ہو کر اپنی آخرت کی فکر کریں
ورنہ سیروں کے حساب سے جو آپ نے منقصدت رسول میں کتابیں لکھیں ہیں ان کا
وزن آپ کی لٹیا ڈبو دینے کے کئے کافی ہوگا۔ اور ان کی فروخت سے جو آپ نے
دنیاوی سکے حاصل کئے ہیں وہ اس دن کسی کام نہ آسکیں گے۔ رہا مولوی سرفراز صاحب
کا یہ کہنا کہ نور سے علی قاری کی مراد روح ہے۔ ہمیں اصلاً مضر نہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ
نور محمدی ہو یا روح محمدی مقصد تو یہ ہے کہ آپ اول خلق ہیں خواہ آپ کو روح سے
تجیر کیا جائے۔ یا نور سے۔

ثانیاً یہ کہ آپ کو نفع تب ہوگا۔ اگر نور اور روح میں تباہ ہوتا تب آپ کہہ
سکتے تھے کہ روح کی اولیت ثابت ہے نور کی نہیں۔ حالانکہ ملا علی قاری تو فرماتے ہیں۔
قولہ اول ما خلق اللہ نوری و فی
روایۃ روحی ومعناہما واحد
فان الارواح نورانیۃ
(مرقات ۱۶ ص ۱۶۷)

اسی بحث میں سرفراز صاحب نے کہا اور یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ
محققین شرح حدیث اور ارباب تاریخ نے جہاں اول المخلوقات کی تحقیق
اور بحث کی ہے۔ وہاں قلم عرش اور عقل وغیرہ کا ذکر تو کیا ہے مگر نور کا ذکر
وہ نہیں کرتے۔ (تنقید متین ص ۱۱۰)

جواباً عرض ہے کہ ہم مابستق میں امام عبدالرزاق۔ علامہ قسطلانی، علامہ زرقانی علامہ
عبدالقادر الجزائری، ملا علی قاری حنفی۔ شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی وغیرہم کی عبارت
نقل کر چکے ہیں۔ اس میں غور فرمایئے کہ یہ اکابر ائمہ حدیث مسئلہ اولیت خلق میں نور محمدی
کا ذکر کرتے ہیں۔ یا نہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جن کی آنکھوں پر ابلیس نے نبض رسالت
کی پٹی باندھ دی ہو۔ انہیں ان عبارات میں نور محمدی نظر نہیں آئے گا۔
حدیث جابر پر اعتراض کرتے ہوئے سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

” اس کی سند کا علم نہیں۔ کہ کیسی ہے۔ اور امام عبدالرزاق شیعہ تھے گو عالی نہ تھے مگر بعض چیزوں میں وہ منفرد ہیں۔ ان کا کوئی ساتھ نہیں دیتا اور خصوصاً فضائل کے بارے میں تو انہوں نے ایسی روایات بھی بیان کی ہیں جن میں ان کا ساتھ کسی نے نہیں دیا۔ (تنقید متین ص ۱۰۸)

محض تشیع کی طرف نسبت کی وجہ سے امام عبدالرزاق کی روایت کو قابل اعتبار قرار نہ دینا صحیح نہیں ہے۔ اہل بدعت کی روایات کے بارے میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ارقام فرماتے ہیں۔

صحیح بات یہ ہے کہ اہل بدعت کی روایت اگر اس کے مسلک کی تزمین اور ترویج میں ہو تو مقبول نہ ہوگی۔ اور خلافت ہو۔ تو قبول کی جائے گی۔

و مختار آنست کہ اگر داعی باشد ببدعت خود و در مقام ترویج و تزمین آن بود قبول نکنند و اگر نہ این چنین بود قبول کنند۔ (مقدمہ شرح مشکوٰۃ)

آگے چل کر فرماتے ہیں۔

در جامع الاصول نے گوید کہ اخذ کردہ اندائمہ حدیث از فرقہ خوارج و از آنها کہ منسوب اند بقدر و تشیع و رفض و دیگر اصحاب بدع و اہل ہوا۔

جامع اصول میں ہے کہ ائمہ حدیث نے فرقہ خوارج سے اور ان سے جو قدر یہ شیعہ اور رافضیوں کی طرف منسوب تھے احادیث حاصل کیں و رد دیگر اہل بدعت سے بھی۔

پس اب سرفراز صاحب کا اس حدیث میں امام عبدالرزاق پر تشیع کی وجہ سے طعن کرنا ارباب علم کی نظر میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ رہا یہ کہ بعض چیزوں میں امام عبدالرزاق منفرد ہیں تو صاحب جن چیزوں میں منفرد ہوں۔ پھر وہ ساقط الاعتبار ہوں۔ اس مسئلہ میں تو امام عبدالرزاق منفرد نہیں ہیں۔ ہم گذشتہ صفحات میں ان علماء و اعلام کی فہرست مع عبارتوں کے پیش کر چکے ہیں جو نور محمدی کے اول خلق ہوتے ہیں امام کے ساتھ ہیں لہذا آپ کا یہ قول بالکل غیر متعلق ہے۔ کہ:-

فضائل میں انہوں نے ایسی روایات بھی ذکر کی ہیں جن میں ان کا کوئی ساتھ

نہیں دیتا۔

ثالثاً یہ کہ علماء اصول نے تصریح کی ہے۔ کہ قبول علماء سے بھی حدیث توری ہو جاتی ہے۔ پس جبکہ اجلہ اکابر اسلام نے اس حدیث کو اپنی تصانیف میں ذکر کر کے اس سے استدلال کیا۔ تو اس حدیث کو تقویت حاصل ہو گئی۔

نور محمدی کے اول خلق ہونے کی روایات پر تبصرہ کرتے ہوئے سرفراز صاحب نے کہا۔
 ”ان باطل اور موضوع روایات کے چکر میں پڑ کر مسلمانوں کو کیا پڑی۔ کہ وہ قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح و متواتر حدیث کی تاویل بے جا کریں۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کر کے عذاب خداوندی کا شکار ہوں۔ اور آتش دوزخ کا

ایندھن بنیں۔“ (تفقیدتین ص ۱۱۴)

سرفراز صاحب کے اس کلام سے لازم آیا۔ کہ وہ تمام اکابر اسلام اور محدثین عظام جنہوں نے نور محمدی کو اول خلق قرار دیا۔ عذاب خداوندی کا شکار اور آتش دوزخ کا ایندھن ہیں۔ معاذ اللہ۔

آئیے اب ذرا سرفراز کے حکمی خاندان پر نظر ڈالیں کہ ان میں سے کتنے صاحب جبہ و دستار جہنم کا ایندھن بن چکے ہیں۔ یہ ہیں سرخیل دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”اب سنئے کہ روح پر فتوح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم جو اصل موصوف نبوت

ہے اور ارواح انبیاء باقیہ کے لئے موقوف علیہ ہے اور اسی وجہ سے

آپ کو تقدم بالخلق لازم ہوا۔ مگر مخلوقیت روحانی کو تولد جسمانی لازم نہیں اور

آپ کے نزدیک لازم ہو تو ثابت کیجئے اور اول ما خلق اللہ نوری

وغیرہ مضامین کی تغلیظ فرمائیے (الہی ان قال) اور اگر یہ سنا اس جرم کی

کی ہے کہ میں نے موقوف علیہ کیوں کہا۔ اول ما خلق اللہ نوری

کیوں نہ کہا تو اب سہی۔ محذورات عشرہ ص ۵)

معمار دیوبند کے اس مضمون سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوئے۔

(۱) نور محمدی اول مخلوق ہے (۲) نبی علیہ السلام تمام انبیاء کے لئے موقوف

علیہ ہیں (۳) آپ کی نبوت بالذات اور باقی انبیاء کی نبوت بالعرض ہے (۴) اول ما خلق الله نوری نہ صرف لائق استدلال ہے۔ بلکہ دیوبند کے پیرمغاں نے اس سے استدلال کر کے بقول آپ کے بیشتر نصوص قرآنیہ کو رد کر دیا۔

ایک اور جگہ قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”باقی رہا آپ کا وصف نبوت میں واسطہ فی العروض اور موصوف بالذات ہونا اور انبیاء ماتحت علیہ السلام کا آپ کے فیض کا معروض اور موصوف بالعرض ہونا وہ تحقیق معنی خاتمیت پر موقوف ہے جس کی شرح و بسط کما یشیخ او پر کر چکا ہوں۔ (تمذیر الناس ص ۳۹)

اہل علم پر مخفی نہیں جو موصوف بالعرض بواسطہ فی العروض ہو۔ اس کے ساتھ اس وصف کا قیام نہیں ہوتا۔ بلکہ وصف کا قیام تو موصوف بالذات کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور موصوف بالعرض کو مجازاً موصوف بالذات کے قرب کی وجہ سے مجازاً موصوف کہتے ہیں مثلاً کشتی میں بیٹھے ہوئے شخص کے ساتھ حرکت کا قیام نہیں ہوتا۔ لیکن اس کو بھی مجازاً متحرک کہتے ہیں کیونکہ وہ متحرک بالذات یعنی کشتی کے ساتھ ملا ہوا ہے۔ جو کہ واسطہ فی العروض ہے۔ پس اس بیان سے لازم آیا کہ باقی تمام انبیاء کے ساتھ وصف نبوت قائم نہ ہو۔ اور نبی علیہ السلام سے قرب کی بنا پر انہیں مجازاً نبی کہا گیا قاسم صاحب نے اپنی اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کر کے قرآن کریم کی صداہا نصوص کو رد کر دیا۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لا نفدق بین احد من رسلنا اس کے تحت علامہ ابوسعود فرماتے ہیں۔

لان المختبر عدم التفريق
من حيث الرسالتا دون سائر
الجثيات الخاصة۔ (تفسیر ابوسعود)

اس لئے کہ معتبر یہ ہے کہ رسولوں کے
در بیان نفس رسالت میں فرق نہ کیا جائے
نہ کہ باقی اوصاف مخصوصہ ہیں۔

اور اب پیغمبر دیوبند کی منطق ملاحظہ فرمائیے۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء علیہم السلام میں نفس رسالت میں کیا فرق کیا ہے۔ اور آپ کے لئے وصف

نبوت کو واسطہ فی العروض کے مرتبہ میں مان کر باقی انبیاء سے حقیقت نبوت کی نفی کر دی۔ اور اس کی بنیاد وہی مقدمہ ہے جس کو وہ کہیں موقوف علیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور کہیں اول ما خلق اللہ نوری سے۔ اب ہمیں سرفراز صاحب سے پوچھنے دیجئے۔ کہ اگر یہ روایت باطل اور موضوع ہے تو اس کو ماننے والوں میں جو آپ کے پیرمغاں شامل ہیں۔ ان کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا اور اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر بقول آپ کے نصوص قرآنیہ اور احادیث صحیحہ متواترہ کا انکار کون کر رہا ہے اور بقول آپ کے اس موضوع روایت کے سارے عقیدہ کی بنیاد کس نے رکھی ہے۔

اگر اجازت ہو تو اب ہم بھی کہہ دیں کہ قاسم نا تو توی نے اس ابلسی چکر میں پڑ کر قرآن پاک کی نصوص قطعیہ اور صحیح متواتر احادیث کی تاویل سجا کی۔ اور معاذ اللہ ان کو رد کے عذابِ خداوندی کا شکار ہوئے۔ اور اپنے آپ کو آتش دوزخ کا ایندھن بنا لیا اور سچ پوچھئے تو قاسم صاحب نا تو توی نے تحذیر الناس میں جس ظلی اور بروزی کا راستہ دکھایا ہے۔ اسی راہ پر چل کر مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور امت دیوبند آج تک مرزائیہ کے اس استدلال سے جان نہیں چھوڑا سکی۔ اگر اب بھی آپ کی طبیعت صاف نہ ہوئی ہو۔ تو لیجئے۔ دیوبند کے حکیم الامت حاضر ہیں۔ اب دیکھئے وہ بقول آپ کے اس باطل روایت کے چکر میں پڑ کر جہنم کے کس طبقہ میں جا پہنچتے ہیں۔ حضرت جابر کی اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد اشرف علی تھانوی نے ف سے فائدہ کا عنوان قائم کیا۔ کہتے ہیں۔ ف :- اس حدیث سے نور محمدی کا اول الخلق ہونا با اولیت حقیقیہ ثابت ہوا۔ کیونکہ جن جن اشیاء کی نسبت روایات میں اولیت کا حکم آیا ہے۔ ان اشیاء کا نور محمدی سے متاخر ہونا۔ اس حدیث میں منصوص ہے۔ (نشر الطیب ص ۱۷)

لیجئے ان حکیم صاحب نے تو آپ کے سارے کئے دھرے پر پانی پھیر دیا۔ آپ کسی طور پر اولیت حقیقیہ نہیں مانتے تھے اور تھانہ بھون کے حکیم الامت اولیت حقیقی کو منصوص قرار دیتے ہیں۔ اب یا تو اپنی جہالت کا اعتراف کر کے اپنے حکیم الامت کے پیر کو لیجئے یا انہیں جاہل اور عالی قرار دے کر جہنم میں جھونکئے۔ یہ آپ کا اور آپ کے آباء کا معاملہ ہے

ہم نے تو صلح صفائی کی غرض سے ایک معاملہ فہمی کی بات عرض کی ہے۔

علامہ یوسف النجفانی
بیان فرماتے ہیں۔

نور انبیت محمدی کی تابناک شعائیں

ورد فی حدیث عائشہ رضی
اللہ تعالیٰ عنہا انھا کانت مع رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی فراشہ
فی لیلۃ مظلمۃ فسقط . من یداکھا
ابرة الی الامراض فکشفت عن
وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم فوجدتھا بنور جبینہ
فرفعتھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی
ہے کہ میں ایک اندھیری رات میں وہ حضور کے ہمراہ
بستر پر بچھیں۔ اچانک انکے ہاتھ سے سوئی زمین
پر گر گئی۔ پس وہ حضور کے چہرہ انور کے نور
سے مل گئی۔ اور ام المؤمنین نے حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کے نور سے اس سوئی کو
دیکھا اور اٹھا لیا علامہ جلال سیوطی نے اس حدیث
کو ابن عساکر کی سند سے خصائص کبریٰ ج ۱ ص
۱۷۱ میں بھی بیان کیا ہے۔

(جوہر البحار ج ۳ ص ۲۲۶)

ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

قال بعض المحققین ان جمال نبینا
صلی اللہ علیہ وسلم کان فی غایۃ
الکمال وان من جملة صفاته وکثرة
ضیاءہ علی ما روی ان صورته
کان یقع نورھا علی الجدار بمجیث
یصیر کالمراة یحکی ما قابلہ من
مرور الماء لکن اللہ ستر عن صحابہ
کثیرا من ذالک الجمال للذاهر الکمال
الباهر اذ لو برز الیہم یصعب
النظر الیہ علیہم (جمع الوسائل ج ۲ ص ۱۷۱)

بعض محققین نے بیان فرمایا کہ ہمارے نبی
علیہ السلام کا جمال انتہائی باکمال تھا بعض آیات
سے ثابت ہے کہ آپ کے چہرہ کے نور کا عکس
دیواروں پر پڑتا تھا اور وہ دیوار آئینہ کی طرح
آپ کے چہرہ کے نور کو دکھاتی تھی۔ اور اللہ
تعالیٰ نے آپ کے جمال کو صحابہ
کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ رکھا
کیونکہ اگر ان پر آپ کا مکمل جمال ظاہر
ہو جاتا۔ تو وہ آپ کو دیکھنے کی تاب نہ
لا سکتے تھے۔

شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم سے حکایت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

شاہ عبدالرحیم فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں
حضور کی زیارت سے مشرف ہوا اور آپ
سے سوال کیا کہ جمال یوسف کے دیدار سے مصر
کی عورتوں نے انگلیاں کاٹ لی تھیں آپ کے
جمال سے کسی عورت نے انگلیاں نہ کاٹیں،

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیرت کی وجہ سے میرے جمال کو لوگوں کی نگاہوں سے مخفی رکھا
ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بہر کیف نبی السلام کا نور شرقاً وغرباً انتہائی
ظہور میں ہے اور جس کو سب سے پہلے اللہ
تعالیٰ نے پیدا کیا وہ آپ کا نور ہے اور
اللہ نے آپ کو اپنی کتاب نور سے موسوم
فرمایا۔

وقتے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم
را در واقعہ دیدم وازیں نکتہ استفسار
نمودم فرمودند جمال من از چشم مردم
مستور است غیرة من اللہ تعالیٰ
(انفاس العارفين ص ۳۹)

واما نوره عليه الصلوة والسلام
فهو في غابطة من الظهور شرقاً و
غرباً واول ما خلق الله نوره وسماه
في كتابه نوراً۔

(موضوعات کبیر ص ۸۶)

قد جاءكم برهان من ربكم وانزلنا اليكم نوراً جديداً کی تحریر کرتے ہوئے
سرفراز صاحب کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں۔

ہم انزلنا سے بھی رسول مراد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک اور مقام پر ہے
قد انزلنا اليكم ذكر رسولاً رسولاً بطلور تفسیر ہے۔ ذکر اسے یہاں بھی
انزلنا کا مفعول واقع ہوا ہے۔ پس اس سے بھی تفسیر مختار پر کوئی غبار
نہیں رہا۔ (رسالۃ النور ص ۳۴)

حضرت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔

نبی علیہ السلام چاند سے زیادہ حسین ہیں کیونکہ
آپ کا نور ظاہر اور باطن دونوں میں موجود ہے
اور آپ صوری اور معنوی دونوں قسم کے

(احسن من القمر) فی ان نوره ظاہر فی
الافاق و فی الانفس مع زیارة
الکمالات الصوریة و المعنویة بل

کمالات کے جامع بلکہ حقیقت میں ہر چیز آپ کے نور سے پیدا ہوئی۔ اسی طرح اللہ نور السموات والارض مثل نورہ میں مثل نورہ کی تفسیر نور محمد کے ساتھ کی گئی ہے پس نبی علیہ السلام کا نور ذاتی ہے جو دن رات میں سے کسی وقت بھی آپ سے جدا نہیں ہوتا اور چاند کا نور سورج سے حاصل شدہ ہے کبھی کم ہو جاتا ہے اور کبھی بگن گننے سے ملوب ہو جاتا ہے (اور دن کے اجالوں

فی الحقیقة کل نور خلق من نورہ
و کذا قبل فی قوله تعالی اللہ نور
السموات والارض مثل نورای نور
محمد فانور وجهہ صلی اللہ علیہ
وسلم ذاتی لا ینفک عنہ ساعة فی
اللیالی والایام ونور القمر مکتسب
ومستعار ینقص تارة ویخسف
اخری۔ (جمع الوسائل ج ۱ ص ۲۷)

میں ماند پڑ جاتا ہے) سعیدی

سائے کی نفی تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے جسم اقدس کے لئے تاریک سایہ ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نور ہیں۔ اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔ اور نور انبیت کا ثبوت یا سایہ کی نفی بشریت کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔ کیونکہ سایہ بشریت مطلقہ کے لوازم میں سے نہیں ہے۔ بلکہ بشریت کثیفہ کے لوازم میں سے ہے۔ اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہو کر اس درجہ لطافت میں تھی کہ تاریک سایہ کا موجب نہ ہوتی تھی۔ نیز یہ عقیدہ ظنی ہے۔ اور ظنیات کے باب میں دلائل ظنیہ کافی ہوتے ہیں۔

ہم اس بحث میں پہلے سایہ کی نفی پر دلائل کا ذکر کریں گے۔ اس کے بعد سرفراز صاحب کے شکوک و شبہات کا جواب دیں گے۔ محدث ابن جوزی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور آپ کبھی سورج کی روشنی میں کھڑے نہ ہوتے مگر آپ کا نور سورج کی روشنی پر غالب آ جاتا اور نہ کبھی چاند کی روشنی میں آئے مگر آپ کا نور چاند کی

عن ابن عباس قال لو یکن
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظل
ولو یقیم مع شمس قطا لا غلب
ضوءه ضوء الشمس ولم یقیم مع سراج
قطا لا غلب ضوءه علی ضوء السراج

(الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۴۰)

روشنی پر غالب رہا۔ اس حدیث کو ملا علی قاری نے

جمع الوسائل ج ۱ ص ۱۷۶ اور امام منادی نے شرح شمائل علی ہاشمی جمع الوسائل ج ۱ ص ۱۷۶، ۱۷۶ پر

بیان فرمایا ہے۔

علامہ نجفانی تحریر فرماتے ہیں۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نور تھے۔ پس

وكان رسول الله صلى الله عليه

جب دھوپ یا چاندنی میں چلتے تو آپ کا

وسلم نور افكان اذا مشى بالشمس

سایہ ظاہر نہ ہوتا۔

والقمر لا يظهر له ظل۔ (وسائل الوصول ص ۲۱)

سیدی محمد بن قاسم جسوس تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت ابن المبارک اور علامہ ابن الجوزی نے حضرت

وقداروى ابن المبارک وابن الجوزى

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ

عن ابن عباس رضي الله عنهما انه صلى الله

علیہ وسلم کبھی دھوپ میں نہ کھڑے ہوئے مگر

عليه وسلم لم يقم مع شمس قط الاغلب

آپ کا نور سورج پر غالب رہا اور نہ کبھی چاندنی

ضوءه ضوء الشمس ولم يقم مع سراج

میں کھڑے ہوئے مگر چاند پر آپ کا نور غالب

قط الاغلب ضوءه ضوء السراج۔

رہا۔ اسی لئے نبی علیہ السلام کا سایہ نہ تھا۔

ولهذا لم يظهر له صلى الله عليه

اور ابن سبغ نے شفا میں ذکر کیا اور اس کو

وسلم ظل۔ فقد ذكر ابن سبع في

قاضی عیاض نے شفا میں نقل کیا کہ آپ

الشفاء ونقله القاضى عياض فى

کے شخص کریم کا سایہ نہ تھا۔ نہ چاندنی

الشفاء انه لا ظل لشخصه فى شمس

میں نہ دھوپ میں اور سایہ نہ ہونے

ولا قمر ويوجه ذلك ايضا بحفظ

کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا سایہ (جو حقیقت

ظله الذى هو مثال صورته فى القدا

میں آپ کی مثال کے مرتبہ کا ہے) زمین

عن الامتداد على الارض اجلا لا

پر گرنے سے محفوظ رکھا جائے یا گندی

اولان الظل المرسم معروض الاريسام

جگہوں اور قدموں کے نیچے واقع ہونے

على اماكن القدره ولوط المارين

سے محفوظ رکھنے کیلئے یا اس لئے کہ سایہ

عليه وبيان الظل مستندم للظلمة فى

الجملة بالنسبة الى النور اذ هو
 حجاب له وهو صلى الله عليه وسلم
 النور المنير فلا تظهر منه
 ظلمة وبان الشمس والقمر منه
 ظلمة او عنه نشأ فلا يستبان له اذ
 المظهر للشيء يمنع ان يكون ساترا
 لما اظهره ولا يقال كيف يتاقي هذا
 مع انما صلى الله عليه وسلم بشر كما
 نطق به القرآن لانا نقول ليست
 بشرية كبشرية غيرة فهو بشر
 ليس كالبشر كما ان الياقوت حجر
 ليس كاللحم كما قال ابو الحسن شاذلي
 رضی اللہ عنہ فهو مع بشرية نور
 ولذا الذي مسمى نورا قاله شيخنا المحقق
 في شرح هبزيته وفي حديث عمر
 رضی اللہ تعالی عنہ يا عمر ابن
 الخطاب اتدري من انا انا الذي
 خلق الله عز وجل اول كل شئ نوري
 فسجد له فبقي في سجود سبعة ايام
 فاول كل شئ سجد له نوري و
 لا تخربا عمر اتدري من انا ان
 الذي خلق الله العرش من نوري
 والكرسي من نوري واللوح والقلوب

تاریکی کو مستلزم ہے اور نور کے لئے حجاب
 ہونا ہے اور نبی علیہ السلام تو نور منیر
 ہیں۔ پس آپ کا سایہ کس طرح
 متصور ہوگا۔ یا اس لئے کہ شمس و قمر
 تو آپ کے نور سے پیدا ہوئے اور آپ کے
 سبب ظہور میں آئے پس آپ کے سبب ان
 کی روشنی کس طرح چھپ سکتی ہے۔ حتیٰ کہ
 آپ کا سایہ ہو۔ کیونکہ جو کسی چیز کو ظاہر کر نیوالا
 ہو وہ اس کے لئے چھپا نیوالا ہو سکتا۔ اگر یہ کہا
 جائے کہ حضور تو بشر ہیں جیسا کہ قرآن میں ہے
 پھر آپ کیلئے سایہ کیونکر نہ ہوگا۔ تو اسکے
 جواب میں ہم کہیں گے کہ آپ کی بشریت عام
 بشریت کی طرح نہیں ہے۔ جیسے یاقوت
 پتھر ہے مگر عام پتھروں کی طرح نہیں ہے
 بقول ابو الحسن شاذلی آپ باوجود بشریت
 کے نور ہیں، اسلئے آپ نور سے موسوم ہوئے
 شیخ محقق نے شرح ہمزیرہ میں کہا کہ حدیث عمر
 میں ہے کہ آپ نے فرمایا اے عمر جانتے ہو میں
 کون ہوں، میں وہ ہوں کہ جس کو اللہ عزوجل نے
 سب سے پہلے پیدا کیا۔ وہ میرا نور تھا پس میرے
 نور نے اللہ کو سجدہ کیا اور سات سو سال سجدہ
 میں رہا پس پہلا ساجد میرا نور تھا اور مجھے اس پر
 فخر نہیں۔ اے عمر جانتے ہو میں کون ہوں میں وہ

ہوں کہ اللہ نے عرش کو میرے نور سے پیدا کیا اور کرسی
 و لوح و قلم کو میرے نور سے پیدا کیا اور آنکھوں کے نور کو میرے
 نور سے پیدا کیا اور عقل جو لوگوں کے دماغوں میں ہے۔ وہ
 بھی میرے نور سے پیدا کی اور معرفت جو مسلمانوں
 کے دلوں میں ہے وہ بھی میرے نور سے پیدا کی
 اور مجھے اس پر فخر نہیں الخ پس تمام انوار اور اضواء
 کو حضور کے نور سے پیدا کیا گیا۔ لہذا سب حضور
 علیہ السلام کے نور کی فرع ہیں اور آپ کا نور ان
 سب کے لئے اصل۔ بھلا فرع کا اصل کے ساتھ کیا

مقابلہ ہو سکتا ہے۔

اس مختصر سی گفتگو کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔
 جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تاریک سایہ ثابت کرنے کے لئے تنقید
 متین میں پیش کیا ہے۔ جس میں خود ہی اپنی طرف سے اہلسنت کی ایک دلیل وضع کی
 کہ اہلسنت حدیث ذکوان پر نفی سایہ کی بنیاد رکھتے ہیں اور پھر اسی پر جرح کر کے اپنے
 خیال میں آپ کے لئے تاریک سایہ ثابت کر لیا۔
 چنانچہ کھتے ہیں۔

ذکوان سے روایت ہے کہ آل حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تو سورج میں
 نظر آتا ہے اور نہ چاند میں۔

عن ذکوان ان رسول اللہ صلی
 اللہ علیہ وسلم لو یکن یدرای
 لما ظل فی شمس ولا قدر۔

(تنقید متین ص ۱۱۴)

حدیث نقل کرنے کے بعد سرفراز صاحب اپنی طرف سے اہلسنت کا استدلال
 گھڑ کے کھتے ہیں۔

اس روایت سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہ تھا اور جب

سایہ نہ تھا تو (معاذ اللہ) آپ بشر بھی نہ تھے۔ (تنقیدتین ص ۱۱۵)

جہاں تک سایہ نہ ہونے کا مسئلہ ہے۔ اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ آپ کا سایہ ثابت نہیں اور یہ ایک ظنی عقیدہ ہے۔ جس کے اثبات کے لئے دلائل ظنیہ کافی

ہیں۔ لیکن سرفراز صاحب نے اس پر اہلسنت کی طرف جو یہ تصریح کی ہے کہ:-

جب سایہ نہ تھا۔ تو آپ بشر بھی نہ تھے۔ یہ محض افتراء اور کذب فالص کی بدترین مثال ہے۔ اہلسنت کی کتابیں نبی علیہ السلام کی بشریت کے ثبوت اور تحقق کے ذکر سے بھری پڑی ہیں۔ ہم پچھلے صفحات میں صد الافاضل کی عبارت نقل کر چکے ہیں البتہ دیوبندیوں کی طرح نبی علیہ السلام کی بشریت کو عام بشریت کے مائل ماننا اہلسنت کا عقیدہ نہیں۔ ہم آپ کی بشریت کو بے مثل اور اوصاف و کمالات کے اعتبار سے متمنع النظیر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں باقی رہا یہ امر کہ جب بشریت مان لی۔ تو سایہ بھی ماننا ہوگا۔ عناد اور جہل کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ ہم ابھی کہہ چکے ہیں۔ کہ آپ کی بشریت کو عام انسانوں کی بشریت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

اولاً تو اس لئے کہ آپ کی ذات مقدسہ بشریت کے ساتھ ساتھ نورانیت کی بھی کامل ترین جامع ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

ثانیاً اس لئے کہ سایہ اس جگہ کی تاریکی کو کہتے ہیں جو کسی جسم کثیف کے نور کی راہ میں حائل ہونے کی وجہ سے واقع ہو اور نبی علیہ السلام کی بشریت کثافت سے منزہ ہے اور اس درجہ لطافت میں ہے کہ نور کے لئے رکاوٹ نہیں ہو سکتی۔

حتیٰ کہ تاریک سایہ کو ثابت کرے۔ سرفراز صاحب گکھڑی نے ذکوان کی روایت کو ذکر کرنے کے بعد کہا۔ المجواب اولاً یہ روایت قابل احتجاج نہیں (تنقیدتین ص ۱۱۵)

کسی ضعیف روایت کو عقیدہ قطعیہ کے اثبات میں تو بے شک پیش نہیں کیا جاسکتا۔

لیکن ظنی عقیدہ میں ظنی دلائل کافی ہوتے ہیں۔ لہذا اس باب میں یقیناً اس روایت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ثابِتاً اس لئے کہ کسی عقیدہ کا اثبات اور شکی ہے۔ اور اس کی تائید ایک اور چیز ہے۔ نبی علیہ السلام کی نورانیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اور نور کو سایہ نہ ہونا لازم ہے۔ پس تائید کے درجہ میں اس روایت کا اعتبار کسی ضعف کا حامل نہیں۔

ثالثاً یہ کہ آپ کا سایہ نہ ہونا امت کا تقریباً اتفاقاً مسئلہ ہے۔ اور قبول امت کو بھی ناقدین فن نے صحت کا سبب قرار دیا ہے۔

رابعاً یہ کہ خصائص کبریٰ میں علامہ سیوطی نے اس حدیث کو ذکر کر کے یہ ثبوت بہم پہنچا دیا ہے۔ کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل تسلیم و استدلال ہے۔ اور فن حدیث میں جو علامہ سیوطی کا مقام ہے، وہ اپنے پرانے سب تسلیم کرتے ہیں۔ خامساً یہ کہ اگر آپ کو اس روایت سے للہی بغض ہے۔ تو چلئے یہ نہ سہی۔ الوفا سے جو ہم ابن عباس کی متصل روایت پیش کر چکے ہیں۔ اسے مان لیجئے اور اگر اس میں بھی تامل ہو تو... حضرت عثمان کی مندرجہ ذیل حدیث مان لیجئے۔

تفسیر مدارک التنزیل میں لولا اذ سمعتہ کے تحت علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں۔

قال عثمان ان الله ما اوقع
ظلك على الارض لملا يضع انسان
قدمه على ذلك الظل.
بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر
واقع نہیں کیا۔ تاکہ کہیں کوئی شخص آپ کے
سایہ پر اپنا قدم نہ رکھ دے۔

(تفسیر مدارک علی ہامش الخازن ج ۳ ص ۳۳۲)

یہ کوئی ذکوان کا قول نہیں ہے کہ آپ کہہ دیں۔ اس کی براہ راست رسول اکرم صلی

اللہ علیہ وسلم سے سماعت نہیں اور حدیث مرسل دیوبند کے حنفیوں میں مقبول نہیں ہوتی۔ یہ حضرت عثمان ہیں جو سفر و حضر میں رسول اللہ کے جلس میں جن کے سر پر ما انا علیہ واصحابی کا تاج ہے۔ ہاتھ میں اصحابی کا لہجوم بایدا یہو اقتدایتو اہتدیتم کا پرچم ہے۔ ہاتھ پر علیکم بسنتی کی پتوں کی ایسے عظیم الشان صحابی کا قول جن کا قول بھی حدیث ہے اور فعل بھی۔ اور پھر وہ بھی بارگاہ نبوی میں پیش ہو کر تائید سے

لے علامہ سیوطی نے زیر بحث ذکوان کی روایت کو خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۶۹ میں بیان کیا ہے۔

حکما مرفوع ہو چکا ہے۔ اور اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی آپ کے ہاں پذیرائی حاصل نہ ہو تو ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے یہ ہیں مولوی رشید احمد گنگوہی سفینہ دیوبند کے ناخدا۔
کھتے ہیں۔

وہ تو اتر ثابت شد کہ آل حضرت
عالی سایہ نداشتند و ظاہر است کہ
تو اتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی
اللہ علیہ وسلم سایہ نہیں رکھتے تھے اور ظاہر
ہے کہ نور کے سوا تمام اجسام کا سایہ ہوتا ہے
بجز نور ہمہ اجسام ظل سے دارند۔

(امداد السلوک ص ۸۶)

حضرت عثمان اگر آپ کے ہاں مقبول نہیں۔ تو نہ سہی۔ ٹکسال دیوبند کا یہ سکہ تو
بہر حال آپ کے ہاں چلتا ہے، اب فرمائیے۔ کیا خیال ہے آپ کے ہاں جو عقیدہ تو اتر سے
ثابت ہو۔ وہ قطعی ہوتا ہے یا ظنی۔ یہ کیسا ظلم صریح ہے۔ کہ ہم عقیدہ کو اگر ظن کے درجہ
میں مان لیں۔ تو کافر مشرک اور بدعتی سے کم نہیں۔ اور آپ کے پیروں سے تو اتر سے
ثابت اور یقین کے درجہ میں مانیں۔ تو پھر شیخ کے شیخ۔ جو چیز شرک و بدعت ہو گنگوہی
مہر سے کیسے توحید و سنت بنا دیتی ہے۔ اور وہ کونسا منتر ہے جس کے عمل سے آپ
اپنے مولویوں کو شرک اور بدعت کے فتوؤں سے بچا لیتے ہیں۔ یہودی اپنے احبار و
رہبان کی عبادت چھوڑ چکے ہیں۔ آپ کے ہاں یہ پوجا کب بند ہوگی۔

شیخ ابراہیم

فہی روایۃ لابن المبارک و ابن
الجوزی لوریکن لہ ظل۔
ابن المبارک اور ابن جوزی روایت کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ نہ تھا۔

(المواہب اللدنیہ شرح شمالی محمدیہ ص ۲۳)

علامہ زرقانی لکھتے ہیں۔

روی ابن المبارک و ابن الجوزی
عن ابن عباس لوریکن لنبی صلی اللہ
علیہ وسلم ظل و لوریقہ مع
ابن مبارک اور ابن جوزی نے حضرت ابن
عباس سے روایت کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کا سایہ نہ تھا۔ اور آپ کبھی دھوپ

الشمس قط الاغلب ضوءہ
ضوء الشمس -
میں نہ کھڑے ہوئے مگر سورج کی روشنی
پر آپ کا نور غالب آیا۔

(ذرتانی شرح مواہب ج ۲ ص ۱۲۰)

اور یہ ذکوان کی طرح مرسل روایت نہیں۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی پیش کردہ
حدیث متصل ہے اور روایت کرنے والے ہیں۔ ابن جوزی جیسے ناقد حدیث جو اچھی
بھلی حدیث کو بھی موضوع بنا ڈالتے ہیں۔ پس ایسے شخص کی روایت میں تردد کرنا عناد
کے سوا کچھ نہیں۔ سرفراز صاحب کی خیانت اور گمراہ کن ذہنیت کا اندازہ اسی امر سے
بآسانی کیا جاسکتا ہے۔ کہ انہوں نے اہلسنت کے مسلک کی دلیل حدیث ذکوان کو فرار
دیا تاکہ رسول اللہ کے کمال نفی سایہ پر اچھی طرح دل کا بخار نکال سکیں۔ عظمت رسول کو کم کرتے
کا انہوں نے اپنے زعم میں خوب راستہ نکالا۔ مگر اس سے غافل تھے کہ یہ رسوائی خود ان کا
مقدر بن چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے مداحوں کے دامن پر گندگی
کا جو ہاتھ انہوں نے بڑھایا تھا۔ وہ اپنی تمام تر نجاستوں سمیت ان کی اپنی ذات کی طرف
لوٹ آیا ہے۔

قاضی عیاض مالکی فرماتے ہیں۔

وذكر من انه لا ظل تشخصه في
شمس ولا قمر لانها كان نوراً۔

(الشفا ج ۱ ص ۲۲۳)

اور وہ جو مذکور ہے کہ آپ کا چاند سورج
میں سایہ نہ پڑتا تھا پس وہ اس لئے ہے
کہ آپ نور ہیں۔

شہاب الدین خفاجی اس کی شرح میں فرماتے ہیں۔

لا ظل لشخصه ای جسدة الشريف
اللطف۔ (نیم الریاض ج ۳ ص ۳۱۹)

اور لطیف کے لفظ میں یہ لطیف اشارہ موجود ہے کہ آپ کی بشریت کثافت
سے منزہ ہو کر لطافت کے اس درجہ میں تھی کہ روشنی کے لئے رکاوٹ نہ ہوتی تھی۔
سختی کہ تاریک سایہ کا موجب ہوتی۔ اسی بحث میں آگے چل کر فرماتے ہیں۔

هذا رواه صاحب الوقا عن

ابن عباس رضي الله عنهما قال لو

يكن لرسول الله صلى الله عليه وسلم ظل

اس کو (ابن جوزی) صاحب کتاب الوقا

نے ابن عباس سے روایت کیا کہ آپ

کا سایہ نہ تھا۔

غور فرمائیے کہ ان تمام اکابر علماء نے نفی سایہ کی بنیاد حدیث ابن عباس پر رکھی
کی ہے لیکن سرفراز صاحب نے اس حدیث متصل کو چھوڑ کر اس عقیدہ کو حدیث ذکوان
پر مبنی قرار دیا تاکہ اسی روایت کے ضعف اور ارسال سے اصل مسئلہ میں ضعف
ثابت کر سکیں۔ انا لله وانا اليه راجعون۔ قاضی عیاض کے قول لانا کان
نورا۔ کی شرح میں ملا علی قاری حنفی تحریر فرماتے ہیں۔

یعنی حضور نور بذاتہ ہیں اور نور کا سایہ

نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں کثافت نہیں ہے اور

جو مضمون نورا در میں وارد ہے اس سے بھی

یہی مراد ہے اور اس کے لفظیہ ہیں نبی صلی

الله علیہ وسلم کا سایہ نہ دھوپ میں پڑتا تھا

نہ چاندنی میں۔ اس کو حلبی نے بھی ابن سنی سے

نقل کیا ہے۔

ای بنفسه والنور لا ظل له

لعدم جرمه وهذا معنى ما في

النوادرو لفظه لم يكن له ظل في

شمس ولا قمر ونقله الحلبي عن

ابن سبيع ايضاً۔

(شرح شفاء ج ۱ ص ۷۵۳)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

بنی علیہ السلام کے اسماء میں سے ایک

ونوری کے از اسماء آنحضرت است

اسم نور ہے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

ونورا سایہ نئے باشد۔

(مدارج النبوت ج ۱ ص ۲۱)

نیز یہی شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے

عرض کیا کہ حضور آپ کا سایہ زمین پر نہیں

پڑتا کہ کہیں ناپاک زمین پر نہ پڑے۔

وعثمان بن عفان رضي الله عنهما گفت

که سایه شریف تو بر زمین نمی افتد که

مبادا بر زمین نجس افتد۔

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۶۱)

شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں -

وسایہ ایشاں بر زمین نیفتاد اور آپکا سایہ زمین پر نہیں پڑتا تھا۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۱۹)

کیا سایہ ہونے کا عقیدہ شیعہ کا ہے؟
میرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ اصل میں آپ کا سایہ نہ ہونے

کا مسئلہ شیعہ کا ہے۔

کیا خیال ہے آپ کا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس - علامہ سیوطی، شافعی قاضی عیاض مالکی - علامہ ابوالبرکات نسفی حنفی ملا علی قاری حنفی - شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی - علامہ بیجوری - شہاب الدین خفاجی - ابن مبارک، ابن جوزی اور شاہ عبدالعزیز یہ تمام صحابہ اور اکابر ائمہ دین حضرات شیعہ تھے۔

جب عہد رسالت سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک تمام اکابر مسلمین حضور کے سایہ نہ ہونے کے قائل تھے۔ تو آپ کے انکار پر کون کان دھرے گا اور یہ جو آپ نے صحابہ سے لے کر شاہ عبدالعزیز تک تمام مسلمانوں کو بیک جنبش قلم شیعہ بنا ڈالا ہے۔ بھلا علم و تحقیق کی کسوٹی پر ایسی بے سرو پا بات کون مانے گا۔

اگر واقعی سایہ نہ ہونا شیعہ کا عقیدہ ہے تو جناب والا گستاخی معاف پھر سب سے بڑے شیعہ تو گنگوہی صاحب ہیں۔ جو لکھتے ہیں، آپ کا سایہ نہ ہونا تو ان سے ثابت ہے اور دوسرے نمبر پر اشرف علی تھانوی ہیں۔

لکھتے ہیں۔

”یہ بات مشہور ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ نہیں تھا۔“

(شکر النعمہ ص ۲۰)

یا پھر عزیز الرحمن مفتی دیوبند شیعہ ہیں لکھتے ہیں۔

امام سیوطی نے خصائص کبریٰ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ

زمین پر واقع نہ ہونے کے بارے میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

اخرج الحكيم الترمذي عن ذكوان ان رسول الله صلى الله عليه

وسلم لحي يدي لما ظل في شمس ولا قمر الخ (عزیز الفناوی ج ۸ ص ۲۰۲)

بہتر ہوگا کہ سرفراز صاحب خدا سے توبہ کر کے لوٹ آئیں، ورنہ جس راستہ پر انہوں نے چلنا شروع کیا ہے، وہ اس میں بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ حتیٰ کہ علماء دیوبند بھی ایک ایک کر کے ان کا ساتھ چھوڑ چکے ہیں، یہ خیر خواہی سے ایک نصیحت پیش کی گئی ہے ورنہ ذہن ان کا ہے، قدم ان کے ہیں، منزل ان کی ہے، جاہ ان کا۔

سرفراز صاحب نے سایہ
اثبات ظل کے دلائل وراں کے جوابات | ثابت کرنے کے لئے دو

حدیثیں پیش کی ہیں۔ پہلی حدیث کا خلاصہ یہ ہے، کہ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے درمیان نماز پڑھ رہے تھے، صحابہ نے آپ کو ہاتھ بڑھاتے ہوئے دیکھا اور چیخے بھاتے ہوئے دیکھا۔ بعد میں آپ سے اس کی حکمت پوچھی، تو آپ نے فرمایا کہ پہلے مجھ پر جنت پیش کی گئی، اور پھر دوزخ، حتیٰ رأیت ظلی وظلکم فیہا۔ یہاں تک کہ اس آگ میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ الحدیث۔

حدیث کافی طویل ہے، لیکن جس مرکزی نقطہ اور جن خاص الفاظ سے سرفراز

صاحب نے استدلال کیا گیا ہے۔ انہیں ہم نے پیش کر دیا ہے۔ (تنقیدتین ص ۱۱)

جواباً گذارش ہے کہ اگر قرآن کی طرف التفات کئے بغیر محض لفظ ظل کے اطلاق

سے تاریخ سایہ ثابت ہو جاتا ہے۔ تو حدیث مبارک میں سبعة یظلمہم اللہ بظلمہ

(سات شخص اللہ کے سائے میں ہوں گے) اور یوم لا ظل الا ظلمہ (جس دن کسی

کا سایہ نہ ہوگا اس دن اللہ کا سایہ ہوگا) سے کیا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے (العیاذ باللہ)

۱۔ اس حدیث کا صحیح ترجمہ ہی ہے کہ یہاں تک کہ میں نے آگ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا، لیکن سرفراز

صاحب نے اپنے فاسد عقیدہ کی جگہ بنانے کے لئے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ یہاں تک کہ میں

نے اس آگ کی روشنی میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔

سایہ ثابت کیجئے گا۔

ثانیاً یہ کہ سایہ ظلی و ظلکم فیہا۔ یعنی میں نے دوزخ میں اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ اس جملہ میں ظل اپنی حقیقت پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ دوزخ کی آگ دنیاوی آگ کی طرح روشن نہیں ہوتی۔ جیسا کہ آپ نے اپنے ناقص مطالعہ سے سمجھا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ مشکوٰۃ شریف۔ باب صفت النار فصل ثانی کی پہلی حدیث میں ہے۔ فہی سوداً مظلمة جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ پس سرفراز کا حدیث کے ترجمہ میں اپنی طرف سے یہ بڑھانا کہ اس آگ کی روشنی میں میں نے اپنا اور تمہارا سایہ دیکھا۔ علمی بے مائیگی کے سوا کچھ نہیں۔ کیونکہ جہنم کی آگ سیاہ اور اندھیری ہے۔ وہاں روشنی کا کیا کام۔ اور پھر کس قدر حیرت ہے کہ سرفراز صاحب نے اپنے ناپاک عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے حدیث میں تصرف کیا۔ اور روشنی کا لفظ بڑھا کر سایہ کے جواز کا چور دروازہ نکال لیا۔ اور اس طرح جو بات حضور نے نہیں فرمائی۔ اسے آپ کی طرف منسوب کر کے العیاذ باللہ جہنم کے سیاہ اندھیروں میں اپنا ٹھکانا بنا لیا۔ بہر حال دو طرح ثابت ہو گیا کہ یہاں ظل کا لفظ اپنے اصل معنی پر محمول نہیں ہے۔ ایک تو اس لئے کہ آپ نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا دوسرا اس لئے کہ جہنم میں سایہ دکھائی دینا معقول ہی نہیں ہے۔ کیونکہ جہنم تو سیاہ تاریکی ہے اور سایہ روشنی میں متحقق ہوتا ہے۔ پس ان دو قریبوں سے متعین ہو گیا کہ یہاں پر لفظ ظل مجاز پر محمول ہے۔ اور ظل مجازی طور پر شخص کے معنی میں آتا ہے۔

معالم التنزل میں ہے۔ وقیل ظلالہوا ای اشخاصہم۔ پس معنی حدیث یہ ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اور اس میں اپنے اور تمہارے اشخاص کو دیکھا اور جہنم میں دیکھنے سے حضور نے یہ تعبیر لی کہ آپ کے وصال کے بعد امت فتنوں میں مبتلا ہوگی۔ باقی جہنم میں دیکھنے کا مطلب مجازاً یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خود یا صحابہ کو جہنم کے قریب یا اس کے کنارے دیکھا ہو۔ اور اگر خود جہنم میں دیکھنا بھی وارد ہو۔ تو معاذ اللہ وہ کسی طرح تنقیص شان کا موجب نہیں کیونکہ جہنم میں ہونا صرف کفار کے لئے موجب عذاب و اہانت ہے۔ ہر ایک کے لئے نہیں۔ ورنہ جہنم کے فرشتے بھی تو جہنم میں موجود ہیں اور ما منکو الا وادھا کے

تحت مفسرین کہتے ہیں کہ تمام مومنین کا جہنم سے گذر ہوگا۔ مگر ان کے لئے یہ باعث نشاط و سرور ہوگا اور کفار کے لئے یہی گذر موجب عذاب و اہانت ہوگا۔
دوسری حدیث جس سے سرفراز صاحب نے نبی علیہ السلام کے لئے تاریک سایہ ثابت کیا۔ اس کا خلاصہ انہیں کے الفاظ میں یہ ہے۔

”حضرت زینب فرماتی ہیں کہ میں آپ سے ناامید ہو گئی اور میں نے اپنی چاچائی وہاں سے ہٹا دی۔ اذنا بطل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقبلانہ فرماتی ہیں کہ میں اسی حالت میں تھی کہ اچانک ایک دن دوپہر کے وقت میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ دیکھا جو میری طرف آ رہا تھا“ (تنقید متین ص ۱۱۹)
اس حدیث میں بھی ظل سے مراد شخص ہے کیونکہ ہم پہلے دلائل سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں اور نور کا سایہ نہیں ہوتا اس لئے ہمارے نزدیک اس حدیث میں بھی ظل شخص کے معنی پر محمول ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔
بادل کا سایہ فگن ہونا | سرفراز صاحب ایک شیعہ عالم کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ۔

”آپ کا سایہ نہ تھا کہ ہمیشہ بادل آپ کے درمیان اور سورج کی ٹکیا کے درمیان حائل رہتا تھا“ (تنقید متین ص ۱۲۲)
اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”ان کی اس تاویل سے ثابت ہوتا ہے کہ ظاہری الفاظ سے سایہ کی جو نفی ہو رہی ہے۔ اس سے وہ بھی مطمئن نہیں ہیں۔ اور تاویل پر مجبور ہیں لیکن قطع نظر اس کے کہ ہمیشہ آپ کے سر مبارک پر بادل کے سایہ کا کسی صحیح حدیث سے ثبوت نہیں اس لحاظ سے بھی مشکل ہے کہ پورے تریسٹھ سال تک سورج اور چاند میں دن اور رات کو سفر اور حضر میں ہمیشہ بادل کا سایہ آپ کے سر پر ہوتا رہا ہو۔“

ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں کہ نبی کریم کا سایہ نہ ہونا ہمارے نزدیک آپ

کی نورانیت پر مبنی ہے اور اس کو ٹھوس حوالوں سے ثابت کر دیا ہے۔ سرفراز صاحب کا شیعوں کی روایت سے حنور کے سایہ نہ ہونے کی وجہ۔ بادل کا سایہ نکلنا ہونا ذکر کرنا۔ اور پھر اس بحث کو طول دے کر بادل کے سایہ نہ کرنے پر حدیث پیش کرنا دراصل خلط و محبت کی ناکام کوشش ہے۔ بایں ہمہ ہم ان کے غور و فکر کے لئے دو حوالے پیش کرتے ہیں۔

ذریعہ دیوبند کے معنوی جد امجد شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ایک رات نبی اکرم علیہ السلام نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو ملاقات سے مشرف فرمایا اور ازراہ عنایت انہیں اپنے دو موئے مبارک بھی عنایت فرمائے۔ ایک مرتبہ شاہ صاحب نے وہ بال دکھلائے اور تین شخصوں نے اس بات کا انکار کیا کہ وہ حنور کے موئے مبارک ہیں اور سبٹ چل پڑی۔

چوں مناظرہ بامتداد انجامید آں
عزیزاں ہر دو موئے در آفتاب بردند
ہماں ساعت ابر پارہ ظاہر شد حال
آنکہ آفتاب بسیار گرم بود و موسم ابر
ہرگز نہ یکے توبہ کرد و دیگر گفتند قضیہ
اتفاق یہ است دیگر بار آور و تدا بر
پارہ ظاہر شد و دیگرے توبہ
کرد۔ سوئے گفت این نیز قضیہ اتفاق یہ
است۔ سہ بار بہ آفتاب بردند و دیگر
بار ابر پارہ ظاہر شد سیمے نیز در مسلک
تا ثبات مسلک گشت۔

جب مناظرہ طوالت کو پہنچا تو وہ لوگ
ہر دو موئے مبارک کو دھوپ میں لے
گئے۔ اسی وقت ابر کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا
حالانکہ اس وقت سونج خوف گرم تھا
اور موسم ابر کا نہ تھا تین میں سے ایک نے
توبہ کر لی اور باقی دو کہنے لگے کہ اتفاقاً
بادل آگیا تھا۔ دوسری مرتبہ لے گئے اور
دوسری بار بادل آگیا۔ دوسرا بھی تائب
ہو گیا۔ لیکن تیسرے نے کہا کہ یہ
بھی اتفاق ہو تیسری مرتبہ لے گئے تیسری بار
ابر پھر ظاہر ہوا اور تیسرا منکر بھی تائب ہوا۔

(الفاس العارفین ص ۳۰)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

و ہمیشہ ابرو در وقت تمازت گرما پر
ابیشال سایہ سے داشت۔
اور ابر ہمیشہ گرمی کے وقت آپ کے
اوپر سایہ کرتا تھا۔

(تفسیر عزیزی پ ۳۰ ص ۲۱۹)

اس موضوع پر بھی وسیع کلام کی گنجائش ہے لیکن چونکہ آپ کے ہاں شاہ ولی اللہ
اور شاہ عبدالعزیز کو بہت اہمیت دی جاتی ہے۔ اس لئے ان کے دو حوالے پیش کر
دیئے گئے ہیں۔ اب ذرا مٹھنڈے دل سے غور کیجئے گا کہ شاہ ولی اللہ اور تحفہ آشنا
عشریہ کے مصنف شاہ عبدالعزیز حضور کے لئے بادل کا سایہ مان کر شیعہ ہو گئے
یا تائب توبہ سنی ہے اگر وہ شیعہ ہو گئے تو اپنے جو اپنی کتاب میں ان کی عبارتوں سے اندھا
دھندلا استدلال کیا ہے۔ اس کی کیا وقعت رہ گئی اور اگر وہ سنی ہے تو کیا آپ اپنے
اس قول سے رجوع کریں گے کہ بادل کا سایہ کرنا شیعہ کا مسئلہ ہے؟

حاضر و ناظر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے دیکھ کر فرمایا: ”اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ“ اس پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے۔

”مفسرین کرام نے شہید کے معنی حاضر قائم بالشہادۃ ناصر اور امام وغیرہ کئے ہیں۔ خان صاحب نے جب یہ محسوس کیا کہ گواہ کے لئے مجلس میں موجود ہونا ضروری نہیں، بلکہ المشاہدہ بالتسامع (یعنی سن کر گواہی دینا) بھی درست ہے تو نگہبان کا لفظ خان صاحب نے زیادہ کیا تاکہ ان کے مسلک کے اختراعی عقیدہ حاضر و ناصر پر روشنی پڑے“

(تنقید متین ص ۱۲۳)

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے تمام تفاسیر سے یا تو تجاہل عارفانہ برتا ہے یا واقع میں جاہل ہیں۔ یا مفسرین کی وہ تمام عبارات جو ان کے عقیدہ فاسدہ کے خلاف تھیں۔ انہیں صہیونی ہانڈ کی مجھینٹ چڑھا کر تمام دنیا کی آنکھوں میں دھول دھونکنا چاہتے ہیں۔ بہر حال انہوں نے جو کچھ کیا اپنے حق میں اچھا نہیں کیا۔ کیونکہ دنیا کے سامنے جب ان کی تنقید کی حقیقت واضح ہوگی تو سوائے رسوائی کے آنسوؤں کے کوئی ان کا غمگسار نہ ہوگا۔

اس مقام پر مفسرین کرام نے شہید کے کس معنی پر اعتماد کیا ہے اور اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رضی اللہ عنہ نے نگہبان کے لفظ کو کس حکمت کے پیش نظر ترجمہ میں ذکر کیا۔ یہ ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے تفسیر روح البیان میں علامہ اسماعیل حقی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ان قلت ان الشاهد اذا اضر
 بشهادته عدیت الشهادة بكلمة
 علی و اذا نفع بها تعدی باللام
 فيقال شهيد له. والرسول عليه
 السلام لما زكى امنه وعد له
 بشهادة انتفعوا بها فالظاهر ان
 يقال ويكون الرسول كـ شهيدا
 بخلاف شهادة الامة على الناس
 فانها عليه حيث استضرو بها
 فكلمة على فيها واقعة في موضعها
 قلت هذا مبني على تضمين الشهيد
 معني الرقيب والمطلع فعدي
 تعديته -

اگر تم یہ کہو کہ شاید جب اپنی شہادت سے
 ضرر پہنچائے تو شہادت کو کلمہ علی سے
 متعدی کرتے ہیں اور جب اپنی شہادت سے
 نفع دے تو شہادت کو لام سے متعدی کرتے
 ہیں پس کہا جاتا ہے شہد له (اس کے حق میں
 گواہی دی) اور رسول کریم نے جب اپنی شہادت
 سے امت کا تزکیہ کیا اور ان کی تعدیل کی تو
 امت آپ کی گواہی سے نفعیاب ہوئی پس بظاہر
 ویكون الرسول کم شهيد اکنا چاہیے تھا بخلاف
 لوگوں پر امت کی گواہی کے کیونکہ ان کی شہادت
 ان لوگوں کے لئے باعث ضرر تھی پس اس کا کلمہ علی
 سے متعدی ہونا اپنی اصل پر ہے۔ تو میں اسکے جواب
 میں کہوں گا کہ شہید کا علی کے ساتھ متعدی ہونا اس

مے مبني ہے کہ شہید رقيب (نگہبان) اور مطلع کے معنی کو متضمن ہے اور رقيب چونکہ علی کے ساتھ متعدی
 ہوتا ہے اس لئے شہید کے ساتھ علی لایا گیا ہے۔

صاحب روح البیان کے اس بیان سے
 خوب واضح ہو گیا کہ شہید یہاں پر نگہبان کے

اعلیٰ حضرت کی جلالت علمی

معنی کو متضمن ہے۔ اور شہید کے ساتھ اگر نگہبان کے معنی کا لحاظ نہ کیا جائے اور اسے
 اپنے ظاہر پر چھوڑ دیا جائے، تو معنی یہ ہوگا کہ ”میں رسول تمہارے خلاف گواہ“ اور یہ معنی
 بالاجماع مراد نہیں۔ پس اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے کمال علمی پر واوینی پڑتی ہے کہ
 انہوں نے گواہ کے ساتھ نگہبان کا لفظ ذکر کر کے اس طرف اشارہ فرما دیا۔ کہ علی یہاں پر
 شہادت کا صلہ نہیں۔ بلکہ شہید جس رقيب کے معنی کو متضمن ہے۔ یہ اس کا صلہ واقع ہے۔
 علامہ بیضاوی اسی آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔

ولما كان الرسول عليه السلام
 اور چونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام امت کے
 کا لہر قیب المہین علی امتہ
 لئے نگہبان کی طرح ہیں۔ اس لئے (شہید)
 عدی بعلے۔
 کو علی سے متعدی کیا گیا۔

مدارک التنزیل میں علامہ نسفی ارقام فرماتے ہیں۔

ولما كان الشهيد كالرقيب
 اور جبکہ لفظ شہید رقیب (نگہبان) کی مثل ہے
 یعنی بکلمۃ الاستعلاء
 تو کلمہ استعلاء یعنی علی کو لایا گیا

تفسیر ابی سعود میں ہے۔

وكلمة الاستعلاء لما في الشهيد
 اور کلمہ استعلاء یعنی علی کو اس لئے لایا گیا کہ لفظ شہید
 من معنی الرقيب والمهين۔
 مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے۔

سرفراز صاحب سے گزارش ہے کہ اگر ترجمہ میں نگہبان کے معنی کا ملحوظ رکھنا ان
 کے نزدیک قرآن میں تحریف ہے تو علامہ بیضاوی علامہ نسفی اور ابو سعود نے جو رقیب اور
 مہین سے تفسیر کی ہے تو کیا یہ مفسرین آپ کے نزدیک محرف ہیں اور صاحب روح
 البیان نے جو اشکال قائم کیا ہے آپ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کے بغیر اس اشکال کا جواب دے
 سکتے ہیں دیدہ باید۔

مفسرین کرام کی عبارتوں کے سامنے آجاتے سے اب یہ بات پردہ میں نہیں رہی کہ
 شہید اس مقام پر مطلع اور نگہبان کے معنی کو متضمن ہے لیکن چونکہ اس معنی میں عظمت رسول
 علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلو ہے۔ اسی لئے سرفراز صاحب کو کسی تفسیر میں یہ لفظ نظر نہیں آیا اور
 انہوں نے اس لفظ کو اعلیٰ حضرت کی اختراع قرار دیا۔ اور اب چونکہ وہ روشنی میں آچکے ہیں
 اس لئے قارئین کرام پر واضح ہو جائے گا کہ اس مقام پر شہید کے معنی میں نگہبان کا ذکر کرنا اعلیٰ
 حضرت کی عظمت علمی ہے یا نگہبان کے ذکر پر چین بچیں ہونا گکھڑوی صاحب کی جہالت ہے،

صدر الافاضل کی تفسیر اور اس پر تائید | صدر الافاضل رحمہ اللہ نے زیر بحث
 آیت کی مندرجہ ذیل تفسیر ارقام فرمائی۔

” اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکرم نور الہی نور نبوت سے ہر شخص کے حال

اور اس کی حقیقت ایمان اور اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق سب پر مطلع ہیں (مسئلہ) اسی لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شہادت امت کے حق میں مقبول ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نے اپنے زمانہ کے حاضرین کے متعلق جو کچھ فرمایا۔

”مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضوان اللہ علیہم کے فضائل و مناقب یا غائبوں اور بعد والوں کے لئے مثل حضرت اویس علیہ الرحمہ اور امام مہدی وغیرہ اس پر اعتقاد واجب ہے“

اس تفسیر پر سرفراز صاحب تنقید کرتے ہیں اور مولوی نعیم الدین صاحب نے تو صاف لفظوں میں کچھ دیا کہ :-

آپ ہر شخص کی حقیقت ایمان اعمال نیک و بد اور اخلاص و نفاق پر مطلع ہیں۔ لیکن یہ نظریہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ و صحیحہ کے سراسر

خلاف ہے“ (تنقید تین ص ۱۲۲)

آئیے اب دیکھیں کہ نصوص قطعیہ اور احادیث صحیحہ کے خلاف تفسیر کرنے کے جرم میں اور کون کون شریک ہے۔ یہ ہیں ذریت دیوبند کے معتمد علیہ اور معنوی جد امجد شاد عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ جن کی عبارتوں کو مولوی گکھڑوی نے اپنی کتاب میں اندھا دھند پیش کیا ہے۔ وہ اسی آیت شریفہ کے تحت تفسیر فرماتے ہیں۔

یعنی تمہارے رسول تمہارے اوپر گواہ ہیں کیونکہ	یعنی و باشد رسول شما بر شما گواہ زیرا کہ
وہ نور نبوت سے ہر دیندار کے دین پر مطلع	او مطلع است بنور نبوت بر رتبہ ہر
ہیں کہ وہ میرے دین کے کس درجہ پر پہنچا ہوا	متدین بدین خود کہ در کد ام درجہ از
ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا	دین من رسیدہ و حقیقت ایمان او
ہے اور جس حجاب کی وجہ سے وہ دین	چہیت و حجابے کہ براں از ترقی
میں ترقی نہ کر سکا۔ وہ کونسا ہے پس وہ	مجبوب ماندہ است۔ کد ام است پس
تمہارے گناہوں اور ایمان کے درجات	اوسے شناسد گناہان شمار او درجات

ایمان شمار ادا اعمال نیک و بد شمارا
 و اخلاص و نفاق شمارا و لہذا شہادت
 اور دنیا بحکم شرع در حق امت مقبول
 و واجب العمل است و آنچه او از
 فضائل و مناقب حاضران زمان خود
 مثل اصحاب و ازواج و اہل بیت
 یا غائبان از زمان خود مثل اولیس و
 مہدی و مفتون دجال یا معائب و
 مثالب حاضران و غائبان میفرماید
 اعتقاد بران واجب است و ازین است
 کہ در روایات آمدہ کہ ہر نبی را بر
 اعمال امتیان خود مطلع میسازند
 کہ فلانے امروز چنین میکند و فلانے
 چنانے تا روز قیامت ادائے شہادت
 تواند کرد۔ (تفسیر عزیزی ج ۱ ص ۶۳۶)

اور تمہارے اچھے اور بُرے اعمال اور
 اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ اسی لئے
 امت کے دنیاوی امور میں آپ کی گواہی
 بحق شرع مقبول اور واجب العمل ہے اور
 نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے زمانے کے حاضرین
 مثلاً صحابہ و ازواج و اہل بیت رضی اللہ عنہم اجمعین
 یا غائبین مثلاً اولیس و مہدی اور مفتون دجال
 کے فضائل و مناقب بیان فرمائے ہیں یا
 اپنے زمانے کے حاضر و غائب لوگوں کے
 عیوب و قبائح بیان فرمائے ہیں ان پر
 اعتقاد رکھنا واجب ہے اور اسی قبیل سے ہے
 جو روایات میں آیا ہے کہ ہر نبی کو اپنی امت
 کے اعمال پر مطلع کیا جاتا ہے کہ فلانے آج یہ
 کرتا ہے اور فلانے یہ کرتا کہ قیامت کے دن
 ان پر گواہی دے سکیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے اس نورانی کلام کو ملاحظہ فرمائیے۔ اور دیکھئے
 کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ کی یہ تفسیر بعینہ شاہ عبدالعزیز کے مضمون کی تعبیر ہے یا نہیں
 پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بے انصافی ہے کہ یہی بات اگر شاہ عبدالعزیز فرمائیں تو وہ حق
 و صواب اور اگر صدر الافاضل وہی بات کہہ دیں تو وہ نصوص صریحہ کے خلاف ہو جاتی
 ہے سرفراز صاحب کو اگر صدر الافاضل رحمہ اللہ کے کلام پر سب و شتم کرنا ہی تھا تو پہلے
 شاہ صاحب کی تفسیر کے تمام نسخوں کو دربارِ دہلی میں لے کر دیتے۔ ورنہ جب تک دنیا میں تیکہ یوبند
 کی یہ تفسیر موجود ہے اور دیکھنے والوں کی آنکھیں سلامت ہیں تو اس وقت تک سرفراز
 صاحب کے اس دجل و فریب کو کوئی وقعت نہیں دے گا۔ اور اس کلام پر انکی تنقید

اہل حق کی نگاہوں میں ذلت و رسوائی کا آخری نشان بن کر رہ جائے گی۔
تفسیر عزیزی کے بعد روح البیان سے اسی مقام کی تفسیر میں ایک اور عبارت
ملاحظہ فرمائیں:-

ومعنى شهادة الرسول عليهم
اطلاعة على رتبة كل متدين بدائنه
وحقيقته التي هو عليها من دينه
وحجابه الذي هو محجوب عن كمال
دينه فهو يعرف ذنوبهم وحقيقته
ايمانهم واعمالهم وحسبهم و
سلباتهم واخلصهم ونفاقهم و
غير ذلك بنور الحق۔
اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کا
مطلب یہ ہے کہ آپ ہر دیندار کے دینی مرتبہ اور
اس کے دین کی حقیقت پر مطلع ہیں اور اس حجاب
سے بھی واقف ہیں جس کی وجہ سے وہ اپنے کمال
دینی سے محجوب ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں
کے گناہوں، ایمان کی حقیقت، انکی نیکیوں اور
برائیوں ان کے اخلاص و نفاق اور اسکے علاوہ باقی
تمام امور پر نور ربانی سے واقف ہیں۔

روح البیان کی یہ شہادت ان دلوں پر یقیناً گراں گذرے گی۔ جو تنقیض نبوت
کی تیسح پر اپنے ایمان کے درجات کا شمار کرتے ہیں۔ جن کی نگاہیں فضائل رسالت
کی تیز روشنی میں چمکا ڈر کی طرح بینائی کھودیتی ہیں۔ اور بعض نبوت کے سیاہ نام اندھیلوں
میں جن کا دیدہ غارت گر مستعد اور فعال ہو جاتا ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضائل پر جو مشق ستم سرفراز صاحب نے کی ہے اور
آپ کی وسعت علمی پر جو گکھڑ سے تیر چھینکے ہیں انہیں ہم سطور ذیل میں پیش کر رہے ہیں۔
(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ میں رہنے والے بعض منافقین کے نفاق کو
بھی نہ جانتے تھے۔

(۲) سورہ نور میں حضرت عائشہ پر اتمام کا اور پھر ان کی صفائی کا ذکر ہے اگر آپ
ہر شخص کی حالت سے واقف ہوتے تو ام المؤمنین کو سچھے چھوڑتے ہی کیوں۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سچے صحابی (حضرت زید ابن ارقم رضی اللہ عنہما)
کو چھوٹا فرمایا اور منافقین کو سچا فرمایا لیکن نزول وحی کے بعد حقیقت منکشف ہوئی

(۴) سورہ تحریم میں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی ایک خاص کارروائی کا ذکر ہے۔ جس کی وجہ سے آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا۔ اور انکی اصل کارروائی اور حالات کا علم نزول سورت کے بعد ہوا۔

(۵) حضرت عائشہ کا ہار گم ہو گیا تھا جس کو خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تلاش کیا۔ اور دیگر صحابہ کرام نے بھی تلاش کیا۔ مگر نہ ملا۔ حاضر و ناظر سے بھی بھلا کوئی چیز مخفی رہتی ہے۔

(۶) کتب میں خیبر کے مقام پر آپ کی زہر خورانی کا واقعہ موجود ہے جس سے صاف طور پر یہ بات واضح سے واضح تر ہو جاتی ہے۔ کہ آپ کو غیب کا علم نہ تھا اور نہ آپ نگہبان ہیں (تنقید متین ص ۱۲۳، ۱۲۵)

اس سے پہلے کہ ہم ان سوالوں کے جوابات پیش

علم رسالت پر طعن طریقہ منافقین ہے

کریں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کو اس معدن پر مطلع کریں۔ جہاں سے بعض رسالت کا یہ لاوا پہلی بار پھوٹا تھا۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبحر علمی پر جن سوالات کا اعادہ ککھڑ سے کیا گیا ہے۔ ان کی اختراع کس ذہن نے کی تھی ماکان اللہ لیذر المؤمنین علی ما انتم علیہ کے شاہین نزول میں علامہ خان فرماتے ہیں۔

قال السدی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عرضت علی امتی فی صورہا فی الطین لما عرضت علی آدم واعلمت من یومن بی ومن یکفر بی قبلہ ذلک المنافقین فقالوا استہزاء زعم محمد صلی اللہ علیہ وسلم انہ یعلم من بہا ومن یکفد سدی کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر میری امت اپنی خاکی صوت میں اس طرح پیش کی گئی جس طرح حضرت آدم پر پیش کی گئی تھی اور مجھے بتلا دیا کہ مجھ پر کون ایمان لائے گا اور کون نہیں لائے گا جب بات منافقین پہنچی تو انہوں نے استہزاء کہا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یوں گمان کرتے ہیں کہ انہیں جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے انکے بارے میں بھی علم ہے کہ ان میں سے کون ان پر ایمان لائے گا اور کون کفر کرے گا

ممن لم يخلق بعدا ونحن معه
وما يعرفنا فبلغ ذاك رسول
الله (صلى الله عليه وسلم) فقام
على المنبر فحمد الله تعالى
واثنى عليه ثم قال ما بال
اقوام طحنوا في علمي لا تسئلوني
عن شيء فيما بينكم وبين
الساعة الا نباكم به فقام
عبد الله بن حذافة السهمي
فقال من ابي يا رسول الله (صلى
الله عليه وسلم) فقال حذافة
فقام عمر فقال يا رسول الله
رضينا بالله سبابا وبالاسلام
دينا وبالقران اماما وبك
نبيا فاعف عنا عفا الله عنك
فقال النبي صلى الله عليه وسلم فهل
انتم منا تهنون فهل انتم منا تهنون ثم نزل
عز المنبر فانزل الله هذا الاية

حالانکہ ہم انکے درمیان رہتے ہیں اور انہیں
ہمارے نفاق کا علم نہیں پس جب یہ بات
رسول اللہ تک پہنچی تو آپ منبر پر کھڑے
ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد
فرمایا ان لوگوں کا کیا حال جو میرے علم پر طعنہ
زنی کرتے ہیں تم لوگ اب سے قیامت تک
کسی بات کے بارے میں مجھ نہ پوچھو گے مگر میں تم کو
اس کی خبر دوں گا۔ پس عبد اللہ بن حذافہ
سہمی (رضی اللہ عنہ) کھڑے ہو کر عرض گزار
ہوئے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! حذافہ پھر
حضرت عمرؓ کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے یا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ کی بوبیت پر
راضی ہیں اسلامی دین پر خوش ہیں ہم قرآن کی
امامت مانتے ہیں آپ کی نبوت پسند کرتے ہیں اللہ
تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرے آپ ہمیں معاف
فرمادیجئے پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر فرمایا
کیا تم رکنے والے ہو۔ کیا تم رکنے والے ہو پھر اللہ تعالیٰ
نے اس آیت کو نازل فرمایا۔

(تفسیر خازن)

اس حدیث صریح سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے۔

- (۱) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام امت کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں۔
- (۲) منافق آپ کے اس دعویٰ پر طعنہ زن ہوئے کہ اگر آپ سب کے ایمان و کفر پر مطلع ہیں تو ہمارا نفاق کیوں آپ سے مخفی ہے۔

(۳) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکرر دعویٰ فرمایا کہ اب سے قیامت تک کی جو بات چاہو۔ پوچھو۔

(۴) نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے علم پر طعنہ زنی سے ناراض ہوئے۔

(۵) حضرت عمر اور عبداللہ ابن خذافہ رضی اللہ عنہما آپ کی وسعتِ علمی پر ایمان لائے ہوئے تھے۔

حوالہ خازن کی تحریر تفصیل اور اس تجزیہ کے بعد اب ناظرین پر مخفی نہ رہا ہوگا کہ پس براز منافقین سے استفادہ کر کے سرفراز نے اپنے آپ کو کس صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ اور کیا اب یہ صراحت ضروری ہے کہ علمِ سلامت پر طعن کرنا کس کا اندازِ فکر ہے اور علمِ نبوت کی وسعتوں کو ماننا کس کا طریقہ ہے اور وہ جزوی واقعات سرفراز صاحب نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لاعلمی ثابت کرنے کے لئے ہیں۔ ہمیں کسی طرح مضر نہیں۔ کیونکہ باوجود علم کے کسی امر کی طرف سے توجہ ہٹ جانا۔ ایک حقیقتِ ثانیہ ہے اور علماء دیوبند کو بھی مسلم ہے۔ (علماء دیوبند ص ۳۱)

ثانیاً یہ کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا علم کلی نزولِ قرآن کے ضمن میں الیٰ حین الوصال مکمل ہوا۔ سرفراز صاحب نے جس قدر واقعات حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں۔ سب نزولِ قرآن کے دوران تھے اور تدریجاً ان کا علم حضور کو حاصل ہوتا رہا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے بے قرار ہیں تو ثابت کریں۔ کہ آپ کو فلاں امر کا علم وصال تک حاصل نہیں ہوا۔

انتہائی افسوسناک امر یہ ہے کہ مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت کرنے کے لئے ہمیشہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔ برسرِ عام بازاروں میں مساجد کے منبروں حتیٰ کہ کتاب کے صفحات پر کہیں یہ لوگ اس واقعہ کو بیان کرنے سے نہیں چوکتے۔ ہم پوچھتے ہیں۔ کہ اگر ان کی مال پر اس قسم کی تہمت لگائی جاتی تو یہ اس بات کو پسند کرتے

کہ وہ تہمت خواہ غلط ہی ہو اس کو برسرعام بیان کیا جائے پھر ام المؤمنین کے اس واقعہ کو بیان کرتے ہیں انہیں کوئی جیا کیوں نہیں آتی۔ کیا اس طرز عمل سے ام المؤمنین اور نبی علیہ السلام کو ایذا نہیں پہنچتی۔ اسی طرح عقیدہ حاضر ناظر کو سرفراز صاحب کا بار بار استہزا ذکر کرنا فضائل نبوت سے لہو و لعب کے مترادف ہے۔

حاضر و ناظر کا ثبوت | ہماری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے جسم اقدس کے ساتھ روضہ منورہ میں تشریف فرما ہیں اور

تمام کائنات آپ کے سامنے حاضر ہے۔ جسے آپ ملاحظہ فرما رہے ہیں آپ جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف لے جاسکتے ہیں۔ اگر ان واحد میں امکان متعددہ پر تشریف لے جانا چاہیں تو یہ بھی ممکن ہے۔ یہی حاضر و ناظر کا صحیح مفہوم ہے نہ یہ کہ آپ اپنے مخصوص جسم کے ساتھ ہر جگہ بالفعل موجود ہوتے ہیں جیسا کہ مبتدعین دیوبند نے اہل سنت پر افتراء باندھا ہے اور پھر اسے بنیاد بنا کر لغو اور لالیعنی اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جہاں تک آپ کے ملاحظہ فرمانے کا تعلق ہے۔ ہم نے نگہبان کی تائید میں جو عبارات پیش کی ہیں۔ ان میں اس کے ثبوت کا کافی مواد موجود ہے اجمالی طور پر یوں سمجھ لینا چاہیے کہ حاضر ناظر کے اثبات کے لئے آپ کی حیات اور لوازمات حیات کے بالفعل متحقق ہونے کا اور ان واحد میں امکان متعددہ پر موجود ہونے کے امکان کا اثبات ضروری ہے۔ حیات کے بارے میں کچھ گفتگو ہم اس کتاب کے پہلے باب میں کر چکے ہیں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے۔

مبتدعین دیوبند کے سرخیل قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

”عقیدہ دل سے آگاہ کئے دیتا ہوں۔ اس ضمن میں کسی دلیل یا مثال کی طرف بھی اشارہ ہو جاوے۔ تو ہو جاوے۔ انبیاء کرام کو انہیں اجسام دنیاوی کے تعلق کے اعتبار سے زیادہ سمجھتا ہوں“ (لطائف قاسمیہ ص ۳)

مزید لکھتے ہیں۔

”تمام انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

نسبت موت کا بھی اعتقاد ضرور ہے مگر اس صورت میں یہ اجتماع موت و حیات ایسا ہوگا جیسا وقت حرکت کشتی جانشین کشتی کا حرکت و سکون جیسے یہاں سکون اصلی ہے۔ اور حرکت عرضی ایسی ہی وہاں بھی حیات اصلی اور موت عرضی ہوگی۔ (لطائف قاسمیہ ص ۴)

نانو تزی صاحب کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کے ساتھ موت کا اتصاف مجازاً ہوا ہے۔ اور حقیقتاً حضور کے ساتھ موت کا قیام نہیں ہوا جیسے کشتی میں بیٹھے ہوئے شخص کے ساتھ حرکت کا قیام مجازاً ہوتا ہے۔ اور حقیقتاً وہ متحرک نہیں ہوتا۔ خلاصہ یہ کہ اس تقریر سے آپ پر حقیقتاً موت کے طاری ہونے کا انکار ہو گیا۔ نیر نکھتے ہیں :-

فرض کیجئے چراغ کو کسی طرف گلی میں رکھ کر سرپوش رکھ دیجئے جیسے یہاں تمام شعائیں باہر سے سمت کر اس طرف میں آجاتی ہیں۔ بلکہ خود شعلہ چراغ میں سما جاتی ہیں جس سے وہ اشتداد متنازلہ نمایاں ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی خیال فرمایجئے۔ اس صورت میں موت انبیاء کرام اور موت عوام میں ایسا فرق ہوگا۔ جیسا چراغ طرف گلی میں ستور ہو جانے اور گل ہو جانے میں فرق ہے۔ (لطائف قاسمیہ ص ۵)

اس عبارت کا مطلب واضح ہے۔ یعنی عوام کی موت تو اس طرح ہے کہ موت سے ان کا چراغ حیات بجھ جاتا ہے۔ اور انبیاء کی موت اس طرح ہے کہ اس کا چراغ حیات قبر میں چھپ جاتا ہے۔ یعنی اس کی روشنی پہلے سے بڑھ جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء کی حیات کا چراغ ہمیشہ روشن رہتا ہے اور کبھی نہیں بجھتا! لطیفہ: سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”یہ وہ امداد نہیں جو شرک کے شیدائی حضرات انبیاء اور اولیاء اور شہداء سے کیا کرتے ہیں کہ نہ تو وہ اس جہان میں زندہ ہوتے ہیں۔ اور نہ قریب“

(تنقید متین ص ۲۹)

اس عبارت میں سرفراز صاحب نے حیات انبیاء کی نفی کی ہے۔ اور طائف قاسمیہ میں قاسم صاحب نے موت کی نفی کی ہے۔ غور فرمائیے۔ مبتدعین دیوبند کے اصول و فروع کس قدر تضاد ہے۔ آبار دیوبند نے حیات کو ماننے میں اس قدر مبالغہ کیا ہے کہ حقیقت موت کا سرے سے انکار کیا ہے اور انڈی میٹ آپ فوت ہونے والے ہیں۔ اور کل نفس ذائقۃ الموت ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے کی تکذیب کر دی۔ انباء دیوبند نے موت میں اس قدر غلو کیا ہے کہ حیات کا قطعاً انکار کر دیا۔ اور نبی اللہ جی یرزق اللہ کا نبی زندہ ہے اس کو رزق دیا جاتا ہے کی تکذیب کر دی۔ باپ بیٹوں میں کون جھوٹا ہے۔ اس کا فیصلہ وہ خود کر لیں۔ ہماری تحقیق یہ ہے کہ دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ کیونکہ نبی علیہ السلام کے لئے ایک آن کی موت ثابت ہے اور یہی انکے میت اور کل نفس ذائقۃ الموت کا تقاضہ ہے اور اس کے بعد آپ کو اللہ تعالیٰ نے حقیقی حیات عطا فرمائی۔ جو کہ احادیث صحیحہ کا مطلب اس کی ضروری تفصیل بحث استعانت میں کی جا چکی ہے۔ بہر حال بانی دیوبند کے کلام سے دنیاوی حیات ثابت ہوگی اور یہی ہمارا مدعا ہے۔

موجب کہ یہ امر روشن ہو گیا کہ نبی علیہ السلام دنیاوی حیات کے ساتھ زندہ ہیں۔ اور دنیاوی حیات میں آپ کی وسعت نظر کا یہ عالم ہے کہ تمام عالم کو مثل کف دست ملاحظہ فرماتے ہیں۔ علامہ صاوی فرماتے ہیں۔

ورد رفعت لی الدنیا فانا انظر فیہا
 کما انظر الی کفی ہذا ۵۔ (تفسیر ج ۲ ص ۱۰۲)
 حدیث میں آیا ہے کہ تمام دنیا میرے سامنے پیش کی گئی پس میں اسکو مثل کف دست دیکھتا ہوں۔
 ممکن ہے مبتدعین دیوبند کو یہ شبہ لاحق ہو کہ یہ فضیلت تو دنیا میں ثابت تھی نہ کہ بعد اوفات پس اس کا اولاً جواب یہ ہے کہ فانا انظر جملہ اسمیہ ہے اور خبر فعل مضارع ہے۔ اور وہ جملہ اسمیہ جس کی خبر فعل مضارع ہو۔ دوام تجددی کا افادہ کرتا ہے۔
 ثانیہ یہ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لئن شکرتم لازیدنکم وان

کفرتحرخان عذابى لشدايد۔ پس قرآن کریم کے اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ شکر کرنا زیادتی نعمت کا سبب ہے۔ اور نبی علیہ السلام پیدائشاکرین ہیں۔ فلہذا اللہ تعالیٰ کی نعمت آپ پر یوماً فیوماً بلکہ آناً فاناً زائد ہوگی۔ پس جب دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی تو وصال کے بعد زیادتی متصور ہوگی نہ کمی تنقیص کے لئے کوئی راہ نہیں۔

ثالثاً اگر فرض کیا جائے کہ دنیا میں آپ کو وسعت نظر حاصل تھی اور آخرت میں یہ نعمت مسلوب ہوگئی تو لازم آئے گا کہ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر نہ ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وللاخرہ خیر لک من الاولى۔ آپ کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

رابعاً۔ جب آپ نے مان لیا کہ قبر میں دنیاوی حیات ہوتی ہے۔ تو دنیاوی حیات کے لوازم بھی ماننے ہونگے اور وسعت نظر چونکہ دنیا میں ثابت ہے۔ اس لئے قبر شریف میں بھی اس کو ماننا ہوگا۔

خامساً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عام افراد امت کے بارے میں فرمایا ہے۔

المیت یحلون من یکفنه ومن یصلی
علیہ ومن یحملہ ومن یدفنه۔

میت کو علم ہوتا ہے کہ اسے کون کفن پینا رہا ہے
اور کون اس پر نماز جنازہ پڑھتا ہے۔ کون اس کا
جنازہ اٹھاتا ہے اور کون اسے دفن کرتا ہے۔

(مرقات ج ۱ ص ۱۹۸)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ حیات دنیاوی میں اگر اسے چار پائی پر لٹا کر اوپر چادر ڈال کر لے جاتے تو وہ نہ جان سکتا اسے اٹھانے والے کون ہیں۔ کون اس پر نماز پڑھ رہے ہیں۔ اور کون اس کو دفن رہا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وفات کے بعد اس کا ادراک بصری بڑھ جاتا ہے۔ جب عام میت کا یہ حال ہے۔ تو خود حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا عالم ہوگا۔ جن کی نگاہ کی وسعت کا حیات دنیاوی میں یہ عالم تھا کہ اوپر نظر اٹھاتے تو سات آسمانوں کے پار جنت کو ملاحظہ فرماتے اور اگر نیچے نظر فرماتے۔ سات زمینوں کے نیچے جہنم کا معائنہ فرماتے۔ جو حیات دنیاوی میں اندھیرے اجالے میں یکساں دیکھتے تھے وصال کے بعد جب ان کا ادراک بصری ترقی پا گیا ہوگا تو پھر ان کی نگاہ کی وسعتوں کا کون اندازہ

سادسا۔ نانو توی صاحب لکھتے ہیں۔ یہ بھی تسلیم کرنا ضروری ہے کہ۔
 وقت موت حیات انبیاء کرام علیہم السلام اور بھی شدید ہو جاتی ہے کیونکہ
 جب حیات اصلی ہے۔ تو اس صورت میں کبھی قبر میں رہنا کبھی آسمان پر نظر
 آنا ایسا ہوگا جیسے حالت حیات سابقہ میں کبھی زمین پر رہنا کبھی بوجہ معراج
 آسمانوں پر چلے جانا۔ (لطائف قاسمیہ ص ۴۲)
 نیز لکھتے ہیں۔

”بالجملہ حیاتِ حال انبیاء کا مثل حیات سابق ہوتا اور پھر اس سے اشد
 اور اعلیٰ ہونا یوں ظاہر ہے کہ بوجہ احاطہ ضد معلوم جس کو موت کہیے۔ تمام
 فیض حیات جو مثل شعاع شمس و قمر اطراف بدن اور اس سے باہر تک
 بذریعہ افعال بانا تھا سمٹ کر داخل بدن کی طرف چلا آیا“ (لطائف قاسمیہ ص ۴۲)

آن واحد میں مکنتہ متعدده پر حاضر ہونے کا امکان
 محمد اللہ تعالیٰ
 ہم نے مبتدعین دیوبند

کی عبارت سے ثابت کر دیا ہے کہ آپ دنیاوی حیات کے ساتھ قبر انور میں زندہ ہیں
 اور فیضانِ حیات دنیاوی حیات سے شدید تر ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ آپ قبر انور
 میں تشریف فرما ہیں۔ اور تمام عالم کا ملاحظہ فرما رہے ہیں جب چاہیں جہاں چاہیں تشریف
 لے جاسکتے ہیں۔ اور آن واحد میں اگر مختلف مقامات بھی تشریف لے جانا چاہیں تو
 یہ بھی ممکن ہے۔ رہا یہ سوال کہ متعدد مقامات پر اگر بعینہ حضور موجود ہیں تو یہ تکثر
 جزئی ہے اور اگر وہاں آپ کی مثال موجود ہے تو مثل شئی غیر شئی ہے۔ پس امکانہ
 متعدده پر آپ کا غیر موجود ہونا کہ خود آپ اس سوال کا ایک جواب تو ہم بحث استعا
 میں تھانوی صاحب کی گپ پر اعتراضات کے ضمن میں دے چکے۔ دوسرا جواب یہ ہے
 کہ اجساد مثالیہ متعدده متعلقہ بروح واحد اکنہ متعدده میں موجود ہو سکتے ہیں اور یہ
 تکثیر جزئی نہیں ہے۔ کیونکہ اجساد میں نوع من التغایر موجود ہے۔ اور یہ اجسام
 حضور کے غیر بھی نہیں ہیں۔ کیونکہ تمام اجساد کے ساتھ حضور کی روح متعلق ہوگی۔

اور تعین کا مدار علیت روح پر ہے نہ کہ عنایت جسم پر ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں۔

شیخ علاء الدین قونوی کہتے ہیں کہ یہ کہنا
بعید نہیں کہ انبیاء کی ارواح مقدسہ ابدان سے
مفارقت کے بعد ملائکہ کے ابدان کی مثل ہو
جاتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل ہوتی ہیں اور جس
طرح ملائکہ مختلف صورتیں میں مثل ہو جاتے ہیں اسی
طرح جائز ہے کہ ارواح مقدسہ بھی متمثل ہو جائیں
اور یہ بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض
خاص بندوں کو یہ مقام دنیا میں حاصل ہو
جائے اور روح واحد بدن مسعود کے سوا ابدان
متعدہ میں تصرف کرنے جس طرح بعض محققین
ابدال کی وجہ تسمیہ میں بیان کرتے ہیں کہ
انہیں جب کسی جگہ جانا مقصود ہو تو وہ پہلی
جگہ اپنے بدلے میں اپنی مثال چھوڑ کر
چلے جاتے ہیں اور سادات صوفیہ کے
نزدیک عالم اجساد اور ارواح کے درمیان
ایک عالم مثال بھی ثابت ہے جو عالم
اجساد سے لطیف اور عالم ارواح سے کثیف
ہوتا ہے اور ارواح کا صورت مختلفہ میں متمثل
ہونا اسی عالم پر مبنی ہے اور جبریل علیہ السلام
کا وجہ کلبی کی صورت میں اور مریم کے
پاس بشریاً سو یا کی شکل میں متمثل ہو

شیخ علاء الدین قونوی میگوید کہ بعید
نیست کہ گفتہ شود کہ ارواح مقدسہ
انبیاء بعد از مفارقت بمنزلہ ملائکہ است
بلکہ افضل از ایشان ہم چنانچہ ملائکہ متمثل
شوند در صورت مختلفہ کذا لک جائز باشد
کہ ارواح مقدسہ انبیاء نیز متمثل گردند
و نیز ممکن است کہ این تصرف بعضی
خواص عباد اور حالت حیات نیز دست
دہد و روح واحد در ابدان متعددہ غیر
بدن معہود تصرف گرد چنانچہ بعض
محققین در تسمیہ ابدال گفتہ اند کہ
کاہے یک از ایشان بکالتے و دودر
مکان اول شبے و مثالے در
بدل خود بگذار و سادہ صوفیہ قدس اللہ
اسرار ہم عالم متوسط در عالم اجساد
و ارواح ثابت کردہ اند کہ آل را عالم
مثال گویند لطف از عالم اجساد و اکتف
از عالم ارواح و ظہور ارواح و صور
مختلفہ مبنی بر آل ساختہ و ظہور جبریل
علیہ السلام بصورتہ وجہ کلبی مثل او و مریم
را بصورت بشر سوئی الخلق از آل عالم ہے

کر جانا اسی عالم سے ہے اور اسی بناء پر جائز ہے۔ کہ موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر مستقر ہوں اور اسی وقت قبر میں بھی مثال چھوڑ آئے ہوں اور حضور نے ان کو دونوں جگہ دیکھا ہو۔ اور اس عالم کے اثبات سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں مثلاً جنت کا بائیں وسعت دیوار کی پہنائی میں دکھائی دینا۔

دارند و بناء علیہ جائز بود کہ موسیٰ علیہ السلام باوجود استقرار در آسمان ششم بشبح و پیکر مثالی در قبر مثل باشد و آنحضرت اور اور ہر دو مکان مشاہدہ فرمود و بعد از اثبات عالم مثال جواب از مسائل کثیرہ بیرون آید و اشکالات بسیار مثل بیان وسعت جنت در رویت او در عرض حاطط مثلاً منحل گردد (جذب القلوب ۱۵۳)

ملا علی قاری فرماتے ہیں :-

جب اولیاء اللہ کے لئے زمین لپیٹ دی جائے اور ان کے لئے ابدان مکتبہ متعددہ حاصل ہو جائیں تو ان اجسام مثالیہ کی وجہ سے اولیاء اللہ کا آن واحد میں متعدد جگہوں پر موجود ہونا بعید نہیں ہے۔ اور اس جہان میں یہ امر غالباً اولیاء اللہ کے لئے امر عادی ہے۔

ولا تباعد من الاولیاء حیث طویت لہم الارض و حصل لہم ابدان مکتبہ متعددہ و جدا و ہا فی اماکن مختلفہ فی آن واحد واللہ علی کل شیء قدير و ہذا فی ہذا العالم المبنی علی الامر العادی غالباً۔ (مرقات ج ۲ ص ۳۱)

اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ جو دیوبندیوں کے تمام اکابر اور اصاغر کے

مسلم مقتدار ہیں۔ لکھتے ہیں۔

رہا یہ شبہ کہ آپ کو کیسے علم ہوا یا کئی جگہ کیسے ایک وقت میں تشریف فرما ہوئے یہ ضعیف شبہ ہے آپ کے علم و روحانیت کی وسعت جو دلائل نقلیہ و کشفیہ سے ثابت ہے اس کے آگے یہ ایک ادنیٰ سی بات ہے علاوہ اس کے اللہ کی قدرت تو محل کلام نہیں۔ (فیصدہ ہفت مسئلہ ص ۷)

اس موضوع پر ہم ایک حدیث شریف پیش کرتے ہیں جس سے یہ امر واضح ہو جائے گا کہ شخص واحد آن واحد میں مقامات متعددہ پر موجود ہو سکتا ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مخموم شخص کو دیکھا جس کا بیٹا فوت ہو چکا تھا پھر فرمایا
 اما تحب ان لاتاتی بانامن ابواب الجنة الا وجدته ينتظرک فقال رجل
 یا رسول اللہ! خاصۃ لہ کلنا لکلکم۔ مشکوٰۃ شریف ص ۱۵۳

ترجمہ:- کیا اس کو پسند نہیں کرتے کہ تم جنت کے دروازوں میں سے کسی دروازے سے داخل ہو مگر تمہارا بیٹا اس دروازے پر تمہارا انتظار کر رہا ہو کسی نے پوچھا حضور یہ انہی کا خاصہ ہے یا سب کے لئے آپ نے فرمایا سب کے لئے۔

اس حدیث شریف میں باب نکرہ ہے۔ اور حین نفی میں واقع ہے اور نکرہ تحت نفی مفید عموم ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ جنت کے ہر دروازے کی یہ صفت ہوگی کہ اس دروازے پر وہ بیٹا موجود ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ آن واحد واحد میں مقامات متعددہ پر موجود نہ صرف ممکن ہے بلکہ امر واقع ہے۔

اشرف علی صاحب تھانوی و بیاد
 اللہ کی خصوصیات بیان کرتے

تھانوی صاحب اور عقیدہ حاضر ناظر

ہوئے لکھتے ہیں۔

مختلف صورتوں میں ہو جانا اور یہی وہ ہے جس کا نام صوفیہ حضرات عالم مثال رکھتے ہیں اور یہ حضرات عالم اجسام و عالم ارواح کے درمیان ایک درمیانی عالم اجسام سے زیادہ لطیف اور عالم ارواح سے زیادہ واضح ہے اور اسی پر روح کے جسمانی شکل اختیار کرنے اور اس کے مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے کی بنا قائم کی ہے اور اس کو حق تعالیٰ کے اسی ارشاد سے استنباط کیا ہے فتمثل لہا بشر اسویا (تو ان کے واسطے جبرائیل ایک معتدل انسان بن گئے) وہ واقعہ بھی اسی قبیل سے ہے جو فضیب البان موصلی سے منقول ہے۔ یہ حضرت ابدال میں سے تھے کسی شخص

تے جب ان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا۔ تو نماز نہ پڑھنے کی تہمت لگائی تھی اور سختی سے اعتراض کیا تھا آپ فوراً اس کے سامنے مختلف صوتوں میں منتقل ہوئے اور پوچھا تم نے کونسی صورت میں مجھے نماز پڑھتے نہیں دیکھا کرامتوں کی اس قسم میں بزرگوں کے بہت واقفے ہیں۔

(جمال الاولیاء ص ۲۵)

اسی کتاب میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں۔

محمد الحضری مجذوب چلانے والے عجیب غریب حالات و کرامات مناقب والے تھے کبھی کبھی چلائے ہوئے عجیب عجیب علوم و معارف پر کلام کرتے اور کبھی کبھی استغراق کی حالت میں زمین و آسمان کے اکابر کی شان پر ایسی گفتگو فرماتے کہ اس کے سننے کی تاب نہ ہوتی تھی۔ آپ ابدال میں سے تھے آپ کی کرامتوں میں سے یہ ہے کہ آپ نے ایک دفعہ تیس شہروں میں خطبہ اور نماز جمعہ بیک وقت پڑھائے اور کئی کئی شہروں میں ایک ہی شب میں شب باشب ہو جاتے تھے۔

(جمال الاولیاء ص ۱۸۸)

واقفہ معراج کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

حضرت آدم علیہ السلام جمیع انبیاء میں اس کے قبل بیت المقدس میں بھی مل چکے ہیں اور اسی طرح وہ اپنی قبر میں بھی موجود ہیں اور اس طرح بقیہ سموات میں جو انبیاء علیہم السلام کو دیکھا سب جگہ یہی سوال ہوتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ قبر میں تو اصلی جسد سے تشریف رکھتے ہیں اور دوسرے مقامات پر ان کی روح کا مثل ہوا ہے یعنی غیر عنصری جسد سے جس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں روح کا تعلق ہو گیا اور جسم میں لقا رہی اور ایک وقت میں روح کا سب سے تعلق بھی ممکن ہے لیکن ان کے اختیار سے نہیں بلکہ محض بقدرت و مشیت

(نشر اطمینان ص ۶۵)

حق۔

اللہ تعالیٰ اگر قدرت نہ دے تو کوئی انسان اپنا ہاتھ بھی نہیں ہلا سکتا انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ وہ بیک وقت متعدد جگہ اجسام متعدد میں روح واحد کے ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں اور یہی حضرات انبیاء اور اولیاء کرام کے حاضر و ناظر ہونے کا مطلب ہے جو بہر حال تھا نوی صاحب کی متعدد عبارات سے ثابت ہو گیا اب بھی دیوبندی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کو شرک کہتے ہیں تو ہم ان کا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔

ندرونیا

وما اهل بما لغير الله کے تحت حضرت صدر الافاضل عبد الرحمت تحریر فرماتے ہیں کہ :

”پہوتھے وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔ اور جس جانور کو ذبح تو صرف اللہ تعالیٰ کے نام پر کیا گیا ہو مگر دوسرے اوقات میں وہ غیر خدا کی طرف منسوب رہا ہو۔ وہ حرام نہیں۔ جیسے عبد اللہ کی گائے۔ عقیقہ کا بکرا۔ ولیمہ کا جانور۔ یا وہ جانور جس سے اولیاء کی ارواح کو ثواب پہنچانا مقصود ہو۔ ان کو غیر وقت ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے مگر ذبح ان کا فقط اللہ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے وہ حلال و طیب ہیں۔ اس آیت میں صرف اس کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔ وہابی جو ذبح کی قید نہیں لگاتے وہ آیت کے معنی میں غلطی کرتے ہیں۔ اور ان کا قول تمام تفاسیر معتبرہ کے خلاف ہے۔ اور خود آیت ان کے معنی کو بننے نہیں دیتی۔ کیونکہ وما اهل بما کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو الاما ذکیتہم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ وہ الاما ذکیتہم سے حلال ہوگا۔ غرض وہابی کو آیت سے سند لانے کی کوئی سبیل نہیں“

اس تفسیر سر فرزند صاحب لکھتے ہیں کہ۔

”مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جو کچھ تحریر کیا ہے۔ محض اپنے ایک

باطل نظریہ کے تحت بکھا ہے اور اپنی بدعت پسندی کا واضح ثبوت دیا

ہے۔ ہم چند وجوہ سے مردود ہے“ (تنقید متین ص ۱۲۶)

حق یہ ہے کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ کا یہ محققانہ کلام چند وجوہ سے سرفراز صاحب کی سمجھ میں نہ آسکا۔ اسی لئے انہوں نے بچگانہ اعتراضات کئے ہیں۔ خود فریب کھایا ہے یا لوگوں کا دین و ایمان ٹوٹنے کے لئے دجل کی دوکان سجائی ہے۔

تعجب یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے رشید احمد گنگوہی کا ایک بے سند فتویٰ بھی سند بنا کر پیش کیا ہے اور اس بے چارے کو یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ خصم پر بطور محبت کے مسلم بزرگوں کے اقوال پیش کیا کرتے ہیں۔ رشید احمد صاحب گنگوہی کو آپ گنگوہ کے عالی مرید و پرپیش کیجئے گا۔ یا ان پکی روٹی کے حافظوں پر جن کے سروں پر دیون بند نے فضیلت و افتخار کی دستار باندھی ہے۔

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل رحمہ اللہ کے کلام میں پہلی تحریف اس طرح

سرفراز صاحب کا پہلا تشبیہ

کی ہے۔ کہ:-

اہلال کے معنی عمری زبان میں ذبح کے نہیں بلکہ نامزد اور شہرت دینے کے ہیں۔ (تنقید متین ص ۱۲۷)

سرفراز صاحب نے اس پر خوب زور دیا ہے اور ارباب لغت اور تفاسیر کے حوالے نقل کرتے چلے گئے۔

جیسے صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح کیا ہو۔ اور اس کے خلاف سرفراز صاحب گکھر سے پورا سکو اور ن فضا ئے قرطاس میں لے آئے ہوں۔ صدر الافاضل نے اہل کا کیا معنی کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ وہ فرماتے ہیں۔

”وہ جانور جس کے ذبح کے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو“

اب سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ جب صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ تو پھر آپ کو اس بے مقصد کلام سے دفتر کے دفتر سیاہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

اور اگر یوں ہی گلے میں طوقِ لعنت آویزاں کر کے کذابین کی صفت میں شامل ہونے کا شوق ہے تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ چشم مار و روشن دل ماشاد۔
سرفراز صاحب کو بھی احساس تھا کہ جھوٹ کی یہ کشتی زیادہ دیر تک نہیں چل سکے گی۔ اس لئے لکھتے ہیں۔

غرضیکہ وما اهل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے کی نہ گنجائش ہے اور نہ ضرورت۔ خواہ مخواہ کی ضد کا البتہ کوئی علاج نہیں۔ (تنقید تین ص ۱۳۰)
دروغ گورا حافظہ نباشد، پہلے آپ نے کہا تھا کہ اہل کو ذبح کے معنی میں لینا غلط ہے۔ اور اس سے قارئین کو یہ تاثر دینا چاہتے تھے کہ صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح کیا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ اہل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا غیر ضروری ہے۔ جس سے یہ سمجھنا ناچاہتے ہیں کہ صدر الافاضل نے اہل کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کیا ہے۔

ذبیحہ حرام ہونے کی صورتیں | صدر الافاضل فرماتے ہیں۔ اس آیت میں صرف اسی جانور کو حرام فرمایا گیا ہے جس کو ذبح کرتے وقت غیر خدا کا نام لیا گیا ہو۔

مذکورہ بالا عبارت اس مفہوم میں صریح ہے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن اس آیت میں صرف اسی کو حرام کیا گیا ہے۔ جس پر وقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ ہم اس کے علاوہ ذبیحہ حرام ہونے کی چند صورتیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) مثلاً مجوسی اور ہندوں کا ذبیحہ حرام ہے۔

(۲) احناک کے نزدیک مسلمان بھی اگر عمداً بسم اللہ کو ترک کرے تو وہ ذبیحہ بھی حرام ہوگا۔

(۳) مرتد اگر اللہ کا نام لے کر بھی ذبح کرے تو ذبیحہ حرام ہوگا۔ اور اسی کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ کوئی مسلمان جانور کو غیر اللہ کی طرف تقرب بطور عبارت کے منسوب کرے تو اب اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو یہ ذبیحہ حرام ہوگا کیونکہ بحیثیت عبادت غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے قصد سے وہ مرتد ہو گیا۔ اور مرتد کا ذبیحہ

حرام ہوتا ہے۔ اور اسی جانور کو کوئی اور مسلمان بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرے تو وہ بے شک حلال و طیب ہے۔ اس کو حرام کہنا قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے۔ شاہ عبدالعزیز نے اپنی کتابوں میں جس ذبیحہ کو حرام قرار دیا ہے وہ اسی صورت پر محمول ہے۔ کہ ذبح کرنے والے نے جانور کو بحیثیت عبادت تقرب حاصل کرنے کے لئے کسی بزرگ کی خاطر نامزد کر دیا ہو۔ اب وہ خود اگر اس کو بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کرے تو وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔ کیونکہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ اور اگر تقرب بحیثیت عبادت حاصل کرنے کا قصد نہ ہو تو یہ ذبیحہ حلال اور طیب ہے۔ کیونکہ مطلقاً تقرب و جہ شرک نہیں ہے۔

مبتدعین دیوبند اس خوش فہمی بلکہ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں۔ کہ شاہ

شاہ عبدالعزیز اور نیاز کے جانور

عبدالعزیز رحمہ اللہ نے انکے خود ساختہ مسلک کی تائید کے لئے وافر مواد جمع کر دیا ہے چنانچہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد کئے جاتے ہیں۔ ان کی حرمت پر یہ لوگ ہمیشہ شاہ صاحب کی عبارتوں سے استشہاد کرتے ہیں علماء اہلسنت نے ان کی اس غلط فہمی کو بار بار رفع کیا۔ لیکن یہ ہندی لوگ ہمیشہ ان عبارتوں کو لے کر اس طرح سامنے آجاتے ہیں جیسے اب تک یہ عبارتیں لاجواب رہی ہوں انصاف اور دیانت کا تقاضا تھا کہ سرفراز صاحب ان پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھانے سے پہلے پچھلا حساب بیباق کرتے اور علماء اہلسنت نے ان عبارتوں کے جو جوابات دیئے ہیں ان کو پیش کر کے ان پر تبصرہ کرتے۔ بہر حال اب چونکہ انہوں نے یہ مسئلہ چھیڑ ہی دیا ہے۔ اس لئے اب ہم بھی ذرا اس پر کھل کر گفتگو کریں گے۔

سرفراز صاحب نے تفسیر عزیزی سے جو عبارات پیش کیں ہیں ان کا کچھ حصہ تو اہل کے معنی سے متعلق ہے کہ اس کا معنی ذبح نہیں۔ بلکہ آواز دینا۔ اور شہرت دینا ہے۔ اور یہ گفتگو خارج از بحث ہے۔ کیونکہ صدر الافاضل نے اہل کا معنی ذبح نہیں کیا۔ ہم ان کی نقل کردہ عبارت کا وہ حصہ پیش کرتے ہیں جو موضوع سے متعلق ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں۔

”خواہ پیر پتھیر کے نام زندہ جانور مقرر کر دیں، کہ یہ سب حرام ہے۔ اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جو شخص جانور کو واسطے تقرب غیر اللہ کے ذبح کرے وہ شخص ملعون ہے“ (تفسیر عزیزی اردو ج ۲ ص ۳۸)

اور شاہ صاحب موصوف ہی یہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-
اس واسطے جب شہرت کر دی کہ یہ جانور فلاں کے واسطے ہے تو وقت ذبح کے خدا کا نام مفید نہ ہوگا۔ اس واسطے کہ وہ جانور منسوب بغیر خدا ہو گیا۔ اور اس میں وہ پلیدی پیدا ہوگئی اور خبث اس کا مردار کے خبث سے زیادہ ہے۔ اس واسطے کہ مردار بغیر ذکر نام خدا کے مر گیا اور یہ جانور غیر کے نام پر مارا گیا۔ اور یہ عین شرک ہے۔ اور جبکہ یہ خبث مؤثر ہو تو ذکر نام خدا کا اس کو حلال نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ کتا اور سٹور کہ اگر نام خدا لے کر ذبح کئے حلال نہ ہوں گے“

”حقیقت اس مسئلہ کی یہ ہے کہ جان و واسطے غیر جان پیدا کرنے والوں کے نام نیاز کرنا درست نہیں ہے۔ اور کھانے پینے کی اور چیزیں اور مال بھی تقرب غیر اللہ کے واسطے دینا حرام اور شرک ہے“

(تفسیر عزیزی ج ۲ ص ۳۸) (تنقیدتین ص ۱۳۱ تا ۱۳۲)

شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اس ذبیحہ کے حرام ہونے کی دو مستقل وجہیں بیان کی ہیں۔

(۱) تقرب غیر خدا۔

(۲) جان کو جان پیدا کرنے والے کے غیر کی طرف منسوب کرنا۔ پہلے ہم تقرب پر گفتگو کرتے ہیں۔ گذارش یہ ہے کہ شاہ صاحب نے ذبیحہ کے حرمت کی علت اس تقرب کو قرار دیا ہے جو تقرب شرک ہو چنانچہ فرمایا اور یہ عین شرک ہے۔ اور مطلق تقرب الی غیر شرک نہیں ہے۔ ورنہ تمام ذوی القربی خدا کے شریک قرار پائیں گے کیونکہ ذوی القربی کو ذوی القربی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ان سے قرابت کا تعلق ہوتا

ہے۔ اور انسان کو ان کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔ پس اگر مطلقاً قرب وجہ شرک ہو۔ تو ذوی القربیٰ اللہ تعالیٰ کے شریک قرار پائیں گے اور یہ بدابتر باطل ہے۔ ورنہ لازم آئے گا کہ وبالوالدین احساناً و ذوالقربیٰ رمال باپ اور قرابت داروں سے حسن سلوک کرو اور قل لا اسئدکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی۔ آپ فرماتے کہ تم سے تبلیغ دین پر کہ اجرت نہیں مانگتا سوا اس کے کہ تم میرے قرابت داروں سے محبت رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے شرکاء سے احسان اور مودت کی تعلیم دی گئی ہو۔ پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مطلقاً غیر کا قرب حاصل کرنا شرک نہیں ہے بلکہ تقرب بطور عبادت شرک ہے۔

علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ وجہ کفر تقرب بطور عبادت ہے۔ چنانچہ جب صاحب درمختار نے مطلقاً تقرب کا ذکر کیا تو شامی نے اس کو بطور عبادت سے مٹا دیا۔

علامہ شامی بکھتے ہیں۔

ای علی وجه العبادۃ لانا مکفر یعنی تقرب بطور عبادت کیونکہ یہی وجہ کفر ہے

ردالمحتار ج ۵ ص ۲۰۳

علامہ شامی کی تصریح کے بعد بھی اگر سرفراز صاحب مطلق تقرب کے وجہ کفر و شرک ہونے پر اصرار کریں۔ تو لیجئے۔ ہم خود شاہ صاحب کی عبارت سے ثابت کئے دیتے ہیں کہ کفر کا مدار عبادت کے اعتقاد پر ہے۔ شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

واما الذبہ لغير الله فالمراد بها ان يذبح باسم غير الله كمن ذبح للصنم او للصليب او للموسى و عيسى عليهم السلام او الكعبة و نحو ذلك فكل هذا حرام ولا تخل هذه الذبيحة سوا ذكوان الذابح
 ہر کیف ذبح لغير اللہ سے مراد یہ ہے کہ ذبح کر نیوالا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے مثلاً کوئی شخص بت یا صلیب یا حضرت موسیٰ علیہ السلام یا عیسے علیہ السلام یا کعبہ کے لئے ذبح کرے۔ پس یہ سب حرام ہیں خواہ ذبح کرنے والا مسلمان ہو۔ یا عیسائی یا یہودی

مسلمہ اور نصرانیا اور یہود یا مکمانص
 علیہ الشافعی والتفق علیہ اصحابنا
 فان قصد مع ذالك تعظیم المذابوح .
 لغیر اللہ والعبادة لسا كان ذالك
 كفرا فان كان الذابح مسلما قبل
 ذالك صار بالذابح مرتدا
 فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۲۲

اسی کی امام شافعی رحمہ اللہ نے تصریح
 کی ہے۔ اور ہمارے اصحاب کا بھی
 اس پر اتفاق ہے۔ پس اگر ذابح نے باوجود
 غیر اللہ کے نام لینے کے اس کی تعظیم کی
 اور عبادت کا بھی قصد کیا۔ تو یہ کفر ہے
 اور اگر ذبح سے پہلے مسلمان تھا تو اس
 اعتقاد سے ذبح کر نیکی وجہ سے مرتد ہو گیا۔

دیکھئے اس عبارت میں شاہ صاحب نے تصریح کر دی کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کے
 نام سے ذبح کرے تو یہ شرک نہیں اور اگر اس کے ساتھ ہی فقط تعظیم غیر اللہ کا
 اعتقاد ہو۔ پھر بھی شرک نہیں۔ شرک تب ہوگا۔ جب تعظیم کے ساتھ عبادت غیر اللہ کا
 بھی قصد کرے۔ پس ثابت ہو گیا کہ کفر و شرک کا مدار قصد عبادت غیر اللہ پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ شاہ صاحب کی تفسیر میں تقرب سے مراد تقرب بطور عبادت
 ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جس شخص نے تقرب بطور عبادت سے جانور کو غیر اللہ کے نام
 پر مشہور کر دیا۔ وہ شخص اگر پہلے مسلمان بھی تھا تو اب اس قصد سے مرتد ہو گیا اور
 مرتد کے ہاتھوں ذبح ہونے کی وجہ سے اس جانور میں خبث سرایت کر گیا اور یہ جانور
 کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہے۔ خواہ وہ وقت ذبح خدا کا نام لے یا نہ لے۔ مگر
 خوب یاد رکھیے کہ ذبیحہ کے حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ مرتد کا ذبیحہ ہے۔ چنانچہ
 اسی جانور کو کوئی مسلمان شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کر دے تو یہ خالص حلال و طیب
 ہے اور اس میں رتی برابر بھی شک نہیں ہے۔ دیکھئے مشرکین مکہ بعض جانوروں کو
 بتوں کے لئے نامزد کر دیتے اور یہ نام زدگی مع قصد العبادت تھی۔ لیکن اس
 کے باوجود جب مسلمانوں نے ان جانوروں کو ذبح کر دیا۔ تو ان کا کھانا حلال و طیب
 ہو گیا اور کفار جو ان جانوروں کو کھانے سے گریز کرتے تھے۔ ان کی مذمت میں
 قرآن نازل ہوا۔ چنانچہ مالکوان لاتاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ کے

تحت تفسیر البسعودی میں ہے

انكر لان يكون لهو شئى
 يدعو الى الاجتناب عن اكل
 ما ذكر عليه اسم الله تعالى
 من ايحاء و السوا تب ونحوها
 نیر یا ایہا الذین امنوا من طیبات ما رزقناکم کے تحت
 ملا جیون خنضی فرماتے ہیں۔

وقد قسر بعضہم بالبحیرة و
 السائبة والحامی یعنی کلا
 البحیرة واخواتها۔
 بعض مفسرین نے لکھا کہ طیبات سے
 مراد بحیرہ سائبہ وغیرہ یعنی بحیرہ
 وغیرہ کھاؤ۔

ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جن جانوروں کو کفار بنوں کا تقرب بطور عبادت
 حاصل کرنے کے لئے نامزد اور ان کے نام پر مشہور کر دیا کرتے تھے وہ جانور بھی کتے
 اور خنزیر کی طرح حرام نہیں تھے۔ بلکہ شرائط ذبح کے ساتھ انہیں ذبح کر دیا جاتا تو حلال
 تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو حلال نہ سمجھنے پر کفار کی مذمت کی ہے۔ پس لامحالہ
 تفسیر عزیزی میں جس جانور کو کتے اور خنزیر سے تشبیہ دی گئی ہے۔ یہ وہ جانور ہے جس
 کو مرتد نے ذبح کر دیا ہو۔ اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر بطور عبادت کے کسی شخص نے
 مشہور کر دیا اور اس کو کوئی اور شخص جو مسلمان ہو وہ شرائط ذبح کے ساتھ ذبح کرے
 تو بلا ریب یہ حلال و طیب ہے۔ اور اس کو حرام سمجھنا بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ زمانہ جاہلیت
 کے کفار سوا تب وغیرہ کو حرام سمجھتے تھے۔ غیر اللہ کے نام پر مع قصد العبادت مشہور
 کرنا خبث ہے۔ اور یہ خبث عقیدہ کا خبث ہے۔ پس جس شخص کا یہ عقیدہ ہوگا۔ اس
 کے اعتقاد میں خبث سرایت کر گیا۔ جانور میں اس خبث کے سرایت کرنے اور اس کے حرام
 ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ اس لئے ہمارے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت کا
 صحیح محمل یہی ہے کہ اس خبث عقیدہ والے شخص نے جب اس جانور کو ذبح کیا خواہ اللہ

کا نام لے کر ہی ذبح کیا ہو تو یہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو گیا یہ مرتد کا ذبح ہے۔ دوسری وجہ جو شاہ صاحب نے بیان فرمائی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اللہ کے نام پر مشہور کیا ہو اور وہ جانور کتے اور خنزیر کی طرح حرام ہو جاتا ہے جس کے ذبح سے مقصد غیر اللہ کو گوشت پہنچانا مقصود نہ ہو۔ بلکہ غیر اللہ کو جانور کی جان اور روح پیش کرنی ہو اور یہ عمل کفر جاہلیت کے مشابہ ہے کیونکہ کفار بھی بطور عبادت بتوں کو جانور کی روح بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ پس یہ عمل عبادت کفار کے تشبیہ کی وجہ سے عین کفر و شرک ہے۔ سرفراز صاحب نے فتاویٰ عزیزی ص ۵۶ سے شاہ صاحب کی وہ عبارت تو نقل کر دی جس میں انہوں نے کہا۔ جو جانور غیر اللہ کے نام پر برائے تقرب مشہور کر دیا جائے وہ حرام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی متصلاً انہوں نے جو عبارت کی وجہ بیان کی اس کی دیوالی کی پوریاں سمجھ کر صاف مضمم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو بھی ذکر کر دیتے تو قصر دیوبند صابن کے جھاگ کی طرح بیٹھ جاتا اور اللہ تعالیٰ کے حلال کردہ جانوروں کو حرام کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

لیجئے اب ہم آپ کے سامنے شاہ صاحب کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں۔ جو قینچی کی نذر ہوگئی۔

اور اس مسئلہ کی حقیقت یہ ہے کہ جان اور روح کو غیر اللہ کے حضور میں پیش کرنا صحیح نہیں ہے کھانے پینے کی چیزوں اور دوسرے اموال کو بھی اگرچہ تقرب لے غیر اللہ (مقصد عبادت) دنیا حرام اور شرک ہے لیکن ان چیزوں کے دینے کا ثواب غیر اللہ کو پہنچایا جاسکتا ہے کیونکہ ہر شخص اپنا ثواب دوسرے کو دے سکتا ہے اور جانور کی جان اور روح کا آدمی مالک نہیں ہوتا

وکنہ این مسئلہ آنست کہ جان را برائے غیر جان آفرین نثار کردن درست نیست و ماکولات و مشروبات و دیگر اموال را نیز اگرچہ از راه تقرب لے غیر اللہ دادن حرام و شرک است اما ثواب آن چیزها را کہ عائد بہ دہندہ ہے شود از الٰہ غیر ساختن جائز است زیرا کہ ایشان را ہے رسد کہ ثواب عمل خود را بغیر بخشند چنانچہ ہے رسد کہ مال خود را بغیر خود بدہند و

جان جانور مملوک آدمی نیست تا اورا
 بکسے تو اند بخشید و نیز داون مال ازین جهت
 مستوجب است کہ آدمیاں بوسے
 منتفع مے شونند و چوں مردہ ہا بعد از
 مفارقت ازین جہاں قابل انتفاع بحین
 مال نماذہ اند طریق نفع رسانیدن آنها در
 شرع چنین قرار یافت کہ ثواب اموال را
 بمستحقان برسانند بائنا عائد سازند و
 جان جانور اصلاً قابل انتفاع نیست در
 زندگی پس از مردگی نیز قابل انتفاع نباشد
 آسے اضمحیم از طرف مرہ کردن در حدیث
 صحیح آمدہ است لیکن معینش ہمیں
 است داون جان برائے خدا و ثوابے
 کہ دار و باں مرہ بخشیدہ شود نہ آنکہ ذبح
 برائے مردہ کردند آید۔

(فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۵۶)

کی بھینٹ پٹیش کی جائے۔

حتیٰ کہ وہ جان کسی کو پیش کرے نیز
 مال دینے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس سے
 نفع حاصل کریں۔ اور اموات جب مال
 سے نفع حاصل نہیں کر سکتے تو اس مال کا
 ثواب پہنچانے کا طریقہ شریعت نے
 مقرر کیا۔ تاکہ وہ اس سے نفع حاصل
 کریں اور جانور کی جان اور روح دینے
 سے کسی کو جب زندگی میں بھی کوئی فائدہ
 حاصل نہیں ہوتا تو مرنے کے بعد اگر کسی
 کو جانور کی جان دی جائے تو اس سے کیا
 فائدہ حاصل ہوگا۔ البتہ اموات کی طرف
 سے قربانی کرنا صحیح حدیث سے ثابت ہے
 لیکن اسکا مطلب یہی ہے کہ جان اور روح
 اللہ تعالیٰ کیلئے دی جائے اور اس عمل کا ثواب
 اموات کو پہنچایا جائے نہ یہ کہ جان اور روح
 کی بھینٹ پٹیش کی جائے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ کی اس طویل عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اولیاء
 اللہ کو ثواب پہنچانے کی غرض سے جو جانور نامزد اور مشہور کئے جاتے ہیں وہ حلال اور
 طیب ہیں۔ اور کتے اور خنزیر کی طرح وہ جانور حرام ہیں جن کی جان اور روح غیر
 اللہ کو پیش کی گئی ہو۔ اور یہ ہمارے موضوع سے قطعاً خارج ہے لیکن سرفراز صاحب
 کی خیانت پر داد دینی پڑتی ہے۔ کہ انہوں نے مغالطہ آفرینی کرنے کے لئے اپنے
 حکمی داوا کے کفن پر بھی قینچی چلا دی۔
 سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

الغرض ما اهل لخبیر اللہ بہ اور نذر الگ چیز ہے۔ اور اس کا حکم جدا ہے اور ایصالِ ثواب ایک مستقل شئی ہے۔ اور اس کا حکم علیحدہ ہے ان کو ایک کرنا اور ایک سمجھنا کم علمی اور کوتاہ فہمی کا عبرتناک مظاہرہ ہے۔“

(تنقید متین ص ۱۵۱)

اہل سنت یہ نہیں کہتے کہ نذر اور ایصالِ ثواب ایک چیز ہیں۔ البتہ یہ کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب کی بھی یہی تحقیق ہے۔ کم علم اور کوتاہ فہم تو وہ شخص ہے جس کو اتحاد اور استلزام کے فرق کی بھی تمیز نہیں ہے۔ اور جو اپنے معنوی آباء کی تحقیقات پر بھی نظر نہیں رکھتا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔

اولیاء اللہ کی جو نذر عوام میں مشہور اور معمول ہے اکثر فقہاء اسکی تحقیق کو نہیں سمجھ سکے اور انہوں نے کہا کہ اگر یہ نذر باستقلال اس لی کے لئے ہو تو باطل ہے اور اگر نذر اللہ کے لئے ہو اور ولی کا ذکر برائے مصرف کے ہو تو جائز ہے لیکن اس نذر کی حقیقت یہ ہے کہ طعام اور مال خرچ کرنے کے ثواب کا ہدیہ امر منون ہے اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جیسا کہ حدیث ام سعد سے ظاہر ہے اور اس نذر میں بھی یہی ایصالِ ثواب مستلزم ہوتا ہے۔ پس اس نذر کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مخصوص مقدار کے ایصالِ ثواب کی نسبت کسی کی روح کی

ونذر اولیاء کہ برائے قضا سواج معمول ومرسوم است اکثر فقہاء بحقیقت آل پنے نبرده اند انرا بر نذر ہائے خدا قیاس کردہ حکم مردود بر آوردہ اند کہ اگر نذر بالاستقلال برائے آل لی است باطل و اگر برائے خدا است و ذکر ولی برائے بیان مصرف است صحیح است لیکن حقیقت این نذر آنست کہ اہداء ثواب اطعام و انفاق و بذل مال بروح میت کہ امر بیت منون از رور احادیث صحیحہ ثابت است مثل مادر و فی الصحیحیحین من حال ام سعد و غیر ہا دریں نظر مستلزم ہے شود پس حاصل این نذر آنست کہ آل نسبت مثلاً اہداء ثواب ہذا القدر الی

طرف کی جاتی ہے۔ اور ولی کا ذکر عمل مندور کے تعین کے لئے ہوتا ہے اور انکے نزدیک اس نذر کا مصرف اس ولی کے متوسلین اقارب خدام وغیرہ ہوتے ہیں اور بلاشبہ نذر ماننے والوں کا یہی مقصود ہوتا ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ یہ نذر صحیح ہے اور اس کو پورا کرنا واجب ہے کیونکہ یہ شریعت میں قربت مقصود ہے ہاں اگر نامزد کو حلال مشکلات بالاستقلال اعتقاد کرے یا شفیح غالب اعتقاد کرتا ہو تو یہ عقیدہ شرک کی طرف لے جاتا ہے لیکن یہ عقیدہ اور چیز ہے اور نذر اور چیز۔

روح فلاں و ذکر ولی برائے تعین عمل مندور است نہ برائے مصرف و مصرف میں نذر نزد ایشاں متوسلان آل ولی میباشد از اقارب و خدمہ و ہم طریقان و امثال ذالک و مہین است مقصود نذر کنندگان بلاشبہ و حکم انہ صحیح بحسب الوفا بہ لائہ قربتہ معتبرہ فی الشرع آئے اگر آل ولی را حلال مشکلات بالاستقلال یا شفیح غالب اعتقاد مے کنند این عقیدہ او منجر بشرک و فساد مے گردد و لیکن این عقیدہ چیز دیگر است و نذر چیز دیگر۔

(فتاویٰ عزیزی جلد اول ص ۱۲۲)

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ شاہ عبد العزیز صاحب کے نزدیک اولیاء اللہ کے لئے نذر ماننا ایصالِ ثواب کو مستلزم ہے اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولیاء اللہ کو ایصالِ ثواب کے لئے نذر ماننا جائز ہے کیونکہ صدقہ و خیرات عبادت مقصودہ ہیں اور نذر اس عبادت مقصودہ کی ہوتی ہے جس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے اور یہ شرع سے ثابت ہے اور نذر لاء اولیاء کا یہ مطلب ہے کہ ثواب نذر اولیاء اللہ کے لئے ہے اور بحمد اللہ یہ امر آفتاب سے زیادہ روشن ہو گیا کہ اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانے کے لئے جو نامزد کئے جاتے ہیں۔ وہ حلال اور طیب ہیں۔ البتہ اگر نذر ماننے والا اولیاء کو مستقل اور متصرف بالذات سمجھتا ہو تو بسبب اعتقاد شرک کے وہ مرتد ہو جائے گا۔ اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا اور کتے اور خنزیر کی طرح حرام قرار پائے گا۔

تنقیحات | فتاویٰ عزیزی سے جو ہم نے شاہ صاحب کی عبارات پیش کی ہیں۔

ان کی روشنی میں اولیاء کے نام پر مشہور جانوروں کی جو حرمت شاہ صاحب سے منقول ہے۔ اس کی تین وجہیں ہیں۔

(۱) نذر ماننے والا اولیاء اللہ کی تعظیم مع قصد العبادت سے جانور کو ذبح کرے۔

(۲) جانور کی جان اور روح اولیاء کی بھینٹ کرنے کے لئے جانور کو ذبح کرے۔

(۳) ناذر اولیاء کے مستقل بالذات ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو پھر ذبح کرے۔

اور ظاہر ہے کہ اولیاء اللہ ایصال ثواب کے لئے نذر ماننے ہوئے جانوروں کے ساتھ ناذرین کا قصد ان تینوں میں سے کسی ایک طرح بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ محض ایصال ثواب کے لئے جانوروں کو اولیاء اللہ کے لئے نامزد اور مشہور کیا جاتا ہے اور اس کے حلال اور طیب ہونے کی خود شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ بار بار تصریح کر دی ہے۔

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۲۱ تا ۱۲۳ پر نذر کی بحث میں بحر الرائق۔ شامی۔ عالمگیری سے فقہاء کی عبارتیں پیش کی ہیں۔ اور بزعم خویش نذر کو باطل کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے جواب میں گزارش ہے کہ یہ عبارتیں ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ آپ نے بحروی اور مغالطہ آفرینی کے لئے انہیں اس مقام پر نقل کیا ہے کیونکہ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اولیاء اللہ کے لئے نذر کا مطلب یہ ہے کہ اس نذر کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جائے اور بحر الرائق۔ شامی اور عالمگیری میں حرمت کی جن وجوہات کا ذکر ہے ان میں سے یہاں کوئی نہیں پائی جاتی۔ اب ہم آپ کی پیش کردہ وجوہات کو ذکر کر کے جواب دیتے ہیں۔

(۱) النذر للمخلوق لا یجوز مخلوق کی نذر جائز نہیں۔

الجواب۔ نذر مخلوق کی نہیں۔ اللہ کی ہوتی ہے۔

(۲) المنذور للمیت والمیت منذور للمیت ہے اور میت کی

لا یدلک۔ ملکیت ثابت نہیں۔

جواب۔ طعام۔ مال یا جانور کا مالک میت کو نہیں بنایا جاتا بلکہ ان چیزوں کو صدقہ

کیا جاتا ہے۔ اور مالک اس کو بنایا جاتا ہے۔ جس پر صدقہ کیا گیا ہو اور وہ مردہ نہیں

زندہ ہے۔ اموات کو اس صدقہ کا ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

(۳) ظن ان المیت متصرف فی الامور
یہ گمان کرنا کہ میت تمام امور میں اللہ کی
مرضی کے بغیر تصرف کرتا ہے۔ پس اس

کفرا۔ کا یہ اعتقاد کفر ہے۔

جواب: جس کا کہ یہ اعتقاد ہو وہ بے شک کافر ہے اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سرفراز صاحب نے کجروٹی سے ایک متفق علیہ مسئلہ کو اختلافی بنانے کی سعی مذموم کی ہے۔ اوپر جو تین وجہیں نقل کی ہیں ان کو شامی اور بحر الرائق نے ذکر کیا ہے عالمگیری میں حرمت کی وجہ نذر لغير اللہ بیان کی ہے۔ اس کا جواب آچکا ہے۔ کہ اس نذر متعارف سے مقصود یہ ہے کہ نذر اللہ کی ہے اور اس کا ثواب اولیاء اللہ کو پہنچایا جاتا ہے باقی عالمگیری نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ نذر اس وقت جائز ہوگی۔ جبکہ نذر اللہ کی ہو اور شیخ کا ذکر صرف بیان مصرف کے لئے ہو (النذر للہ و ذکر الشیخ انما هو محل

لصرف النذر)

اولاً۔ تو یہ ہیں مضر نہیں کیونکہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ نذر اللہ ہی کی ہوتی ہے۔

ثانیاً۔ یہ کہ بہترین بات وہ ہے جو شاہ عبدالعزیز صاحب نے "فتاویٰ عزیزی" میں بیان کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حقیقت میں اس نذر کا مقصد اولیاء اللہ کو نذر کا ثواب پہنچانا ہے اور وہ شرعاً ثابت ہے۔

سرفراز صاحب نے اس پر کافی زور دیا ہے کہ اہل کو
ذبح پر مجبور کرنے یا وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنے

وقت ذبح کی قید

کی گنجائش نہیں ہے۔ اب ہم سرفراز صاحب کی توجہ کے لئے کتب تفاسیر سے چند حوالے تفویض رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ آلوسی و ما اهل لخير الله جہا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ای رفع الصوت لخير الله تعالى
یعنی ذبح کے وقت غیر اللہ کے لئے آواز
عنه ذبحه والمراد بالاهلال
بلند کرنا اور ہلال سے مراد یہاں اسکا ذکر

کرنا ہے جس کے لئے جانور ذبح کیا جائے
مثلاً لات۔ عزری وغیرہ۔

ہنا ذکر ما ینذیر لہا کالات
والعزری (روح المعانی ج ۶ ص ۵۲)

علامہ ابوسعود اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند
کیا جائے۔

وما اهل بہ لغیر اللہ ای رفع
بہ الصوت عند ذبحہ للصنم
تفسیر بیضاوی میں ہے۔

غیر اللہ کے نام کو بوقت ذبح بلند
کیا جائے۔

ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ
للصنم۔

جلالین میں ہے۔

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔

ای ذبح علی اسم غیرہ۔
جمل میں ہے

اور وہ جانور جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام
لیا گیا
جس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا
گیا۔

وما صلح۔ فی ذبحہ لغیر اللہ۔
تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

وما اهل بہ لغیر اللہ معناه
ذبح بہ لاسم غیر اللہ۔
روح البیان میں ہے۔

جس پر ذبح کے وقت آواز بتوں کے
لئے بلند کی گئی۔

ما رفع بہ الصوت عند ذبح
للصنم۔

طارک میں ہے۔

جو بتوں کے لئے ذبح کیا گیا۔

ای ذبح للاھنام

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ و ما اهل لغیر اللہ بہ کے

تحت فرماتے ہیں۔

یعنی جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو

یعنی بنام خدا ذبح کردہ نشدہ باشد

(اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۲۷۹)

امام ابو بکر الحنفی المتوفی ۲۷۰ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولا خلافا بین المسلمین ان المراد
بما الذبیحہ اذا اهل بها لغير
الله عند الذبح۔
اور مسلمانوں کے درمیان اس بات میں
کوئی اختلاف نہیں کہ "ما" سے مراد وہ
ذبیحہ ہے جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ
کا نام پکارا جائے۔

(احکام القرآن ج ۱ ص ۲۵۱)

سرفراز صاحب کے لئے عبرت کا مقام ہے جنہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ
ذبح کی قید بعض مفسرین نے لگائی ہے۔ وہ آنکھیں کھول کر احکام القرآن کا یہ حوالہ
پڑھیں اور سوچیں کہ ابو بکر رازی تو فرما رہے ہیں کہ مسلمانوں میں اس قید کے بارے
میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پھر سرفراز صاحب نے اس قید سے اختلاف کر
کے اپنے آپ کو کس گروہ میں شامل کر لیا ہے۔ یہ وہ خود سوچیں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ صدر الافاضل کا وما
اہل بما لغير الله کو وقت ذبح کے ساتھ مقید کرنا جمہور مفسرین کی اتباع
میں ہے۔ اور جو تبراً صدر الافاضل کی تفسیر پر سرفراز صاحب نے کہا ہے اس کا منہ
حقیقت میں ان تمام اکابر مفسرین کی طرف راجع ہے۔

صدر الافاضل کے کلام میں سرفراز
صاحب نے دوسری تحریف ان

سرفراز صاحب کا دوسرا شبہ

الفاظ سے کی ہے۔ کہ:-

اگر وما اهل لغير الله، جس سے صرف بت مراد ہوں جیسا کہ دیگر
اہل بدعت عموناً اور مولوی نعیم الدین صاحب خصوصاً اس پر مصر ہیں۔

(تنقیدتین ص ۱۳۴)

دروغگوئی اور خیانت کی یہ بدترین مثال ہے۔ جو سرفراز صاحب نے صفحات
تنقیدتین پر سیاہ کی ہے جس عبارت میں صدر الافاضل نے بقول کا تذکرہ کیا ہے

ہم اسے بھی نذر رقم کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ صدر الافاضل نے فرمایا ہے۔ کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ بتوں کے نام پر ذبح کرتے تھے۔

اس عبارت کے علاوہ پوری بحث میں کہیں بتوں کا تذکرہ نہیں ہے اگر سرفراز صاحب میں ہمت ہے تو وہ ہمیں عبارت میں وہ الفاظ دکھائیں کہ وہ و ما اهل لغیر اللہ سے مراد صرف بت ہیں۔ اگر سرفراز صاحب کے دل میں صداقت اور ایمان کا کوئی ذرہ بھی موجود ہوتا تو کبھی یہ انترانہ کرتے کہ صدر الافاضل نے غیر اللہ کا بتوں میں حصر کر دیا ہے علم نحو اور علم معانی سے اگر آپ کو کوئی مس ہے تو کوئی کلمہ حصر یا کوئی طریقہ حصر پیش کیجئے۔ جس سے صدر الافاضل کے کلام میں کے لئے انحصار ثابت ہو۔ ورنہ ہم یہ سمجھنے پر مجبور ہوں گے کہ جس طرح آپ ایمان سے محروم ہیں۔ اسی طرح غضب الہی نے آپ کی لوح دل سے علم کے ایک ایک ذرہ کو محو کر دیا ہے۔ آپ نے صداقت و دیانت سے بالا ہو کر اور اپنی روایتی دروغ گوئی اور تحریف سے کام لے کر جس طرح یہ عبارت گھڑی ہے۔ اس پر ہم آپ کے بہر حال شکر گزار ہیں کہ آپ نے اپنی تحریف کو صفحہ کتاب پر لا کر اہل نظر کو دعوت دی ہے۔ کہ وہ سوچیں کہ جس مذہب کے سرکردہ نمائندہ کی امانت و دیانت اور عصمت قلم کا یہ حال ہے اس آبرو باختہ مسلک کی تعلیمات کا کیا عالم ہوگا۔

سرفراز صاحب نے زمین تنقید میں قدم قدم پر تحریف و خیانت کا جال بچھا کر اس حقیقت کو واضح سے واضح تر کر دیا ہے۔ کہ جس ملت کی وہ نمائندگی کر رہے ہیں۔ اس کی اساس ہی انتر اور تبلیس پر رکھی گئی ہے۔ اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ مفیروں نے جو صنم وغیرہ کی قید لگائی ہے۔ وہ اتفاقی ہے۔ تو صاحب صدر الافاضل نے کب کہا ہے کہ یہ قید احترامی ہے۔ یا آپ کے لئے بھی کسی قادیان کی وحی کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ جو آپ انہونی حقیقتیں منکشف کرتا رہتا ہے۔

لغیر اللہ اور لغیر اللہ کا فرق اور سرفراز صاحب کا تبیہ اشبہ
سرفراز صاحب نے اپنی علمی بے بائگی کا راز فاش کرتے

ہوتے اس بحث میں ایک شبہ پیش کیا ہے۔

قرآن کریم میں جو الفاظ آئے ہیں وہ بغیر اللہ کے ہیں بغیر اللہ کے نہیں۔ اور عربی کا مبتدی طالب علم بھی جانتا ہے کہ بغیر اللہ کا معنی یہ ہے کہ غیر خدا کے نام پر اس کو شہرت دی گئی ہو اور اس کے لئے وہ تقرب کے طور پر نامزد ہو۔ اگر قرآن کریم میں الفاظ بغیر اللہ کے ہوتے تو یہ تاویل ایک حد تک سنی جاسکتی تھی کہ بوقت ذبح بغیر اللہ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا جائے (تقیید میں ص ۱۳۹)

کاش سرفراز صاحب کو ایک مبتدی طالب علم جتنا بھی علم اور سلیقہ ہوتا۔ تو وہ جان لیتے کہ ما اهل لغير الله بسا کا معنی ہے جس کو غیر اللہ کے لئے نامزد کیا گیا ہو۔ اور اس غیر کو اس مالی عبادت کا مستحق سمجھا گیا ہو اور ما اهل بغير الله کا معنی ہے جس کو غیر اللہ کے ساتھ نامزد کیا گیا ہو۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ دوسرے معنی میں تقیید ذبح کا کونسا داعیہ ہے اور پہلے معنی میں کونسا مانع ہے۔

دروغ گورا حافظہ نباشد ص ۱۳۰ پر تو آپ نے کہا تھا۔ ہاں بعض مفسرین نے عام رواج کے پیش نظر ذبح کے وقت بغیر اللہ کے ذکر کی مشہور صورت ذکر کی ہے۔

دیکھا آپ نے ص ۱۳۰ پر سرفراز نے قید ذبح کو مشہور قرار دیا اور نو صفحہ بعد ایسی قلابازی لکھائی کہ مشہور عند المفسرین کو غیر مسموع بنا ڈالا گیا اب سوچنے والے یہ نہیں سوچیں گے۔

کہ جو بات علماء مفسرین کے درمیان مشہور ہو وہ کس طبقے میں غیر مشہور ہو سکتی ہے؟

م نے گذشتہ سطور میں ذبح کی قید کو متعدد واجلہ تفاسیر سے ہدیہ رقم کھایا تھا ان کے علاوہ دوسری تفاسیر میں بھی یہ تقیید موجود ہے۔ پس اس قید کو غیر مسموع قرار دے کر اور جماعت مفسرین سے کنارہ کش ہو کر سرفراز صاحب نے جس طبقے میں اپنی جگہ قائم ہے۔ امید ہے کہ یہ امر ارباب ذوق سے مخفی نہ ہوگا۔

سرفراز صاحب کا چوتھا شبہ | صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارت پر مصنف

تنقید نے چوتھا اعتراض اس طرح کیا ہے کہ :-

رابعاً۔ جانور ہو یا کوئی اور شی جب کسی ولی اور بزرگ کے نام پر اس اعتقاد سے دی جائے کہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت

ہوگی تو وہ حرام ہے۔ (تنقید متین ص)

یہ کلام بھی حسب سابق تحریف اور رد و نگوئی کی اپنی آپ مثال ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس بحث میں کہیں یہ نہیں فرمایا کہ بزرگوں کے نام پر اس اعتقاد سے جانور دیا جائے کہ جلب منفعت (نفع حاصل کرنا) اور دفع مضرت (نقصان دور کرنا) ہو۔ البتہ ایصال ثواب کے لئے جانوروں کو نامزد کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

”یا وہ جانور جس سے اولیاء اللہ کو ثواب پہنچانا منظور ہو۔ ان کو غیر وقت

ذبح میں اولیاء کے ناموں کے ساتھ نامزد کیا جائے، مگر ذبح ان کا فقط

اللہ تعالیٰ کے نام پر ہو۔ اس وقت کسی دوسرے کا نام نہ لیا جائے

وہ حلال اور طیب ہیں“

فریق مخالف کے قطب عالم رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ

میں لکھتے ہیں کہ :-

”اگر یہ نیت ہو کہ اس کا ثواب توجہ اللہ کسی کو پہنچے اس میں کچھ حرج

نہیں۔ تعظیم پر ذبح سے حرام ہوتا ہے“ (بحوالہ تنقید متین ص ۱۳۳)

اور اسی ٹولے کے حکیم الامت لکھتے ہیں۔

”بعض لوگوں کو تفسیر احمدی کی عبارت سے یہ شبہ ہو گیا ہے اس کا

جواب اس کے منہ سے ظاہر ہے کہ انہوں نے تاویل ایصال ثواب

کی بناء پر حلت کا حکم فرمایا ہے“ (بحوالہ تنقید متین ص ۱۳۵)

دیکھئے اہل تقیص کے دو جتا درمی مولویوں کے کلام سے بالتصريح یہ امر ثابت

ہو گیا کہ جانور کو ایصال ثواب کی خاطر اولیاء اللہ کے لئے نامزد کیا جائے تو یہ حلال

اور طیب ہیں۔ اور یہی بات حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی فرمائی ہے۔ پھر یہ کیسا ظلم اور صریح بددیانتی ہے۔ کہ آپ کے اجارہ و رہبان اگر ایک بات کہیں تو وہ سچی ہے اور وہی بات اگر ہم پیش کریں۔ تو باطل۔ باقی رہا اولیاء اللہ کے تقرب کے لئے نذر ماننا تو ہم اس بار سے ہیں اپنا مسلک کئی بار واضح کر چکے ہیں۔ کہ تقرب بطور عبادت شرک ہے۔ اور ہم ایصالِ ثواب کے قائل ہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی اس تفسیر میں بھی ایصالِ ثواب کا ذکر کیا ہے۔ پس اس صورت میں اس طرح نذر ماننا کہ۔

”اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں نذر ماننا ہوں کہ میں فلاں جانور تیرا قرب حاصل کرنے کے لئے ذبح کروں گا۔“

اور پھر وہ اس نذر کا ثواب کسی شخص یا بزرگ کو پہنچائے۔ تو اس کے جواز میں کسی کو کلام نہیں ہو سکتا۔ شاہ ولی اللہ اپنے والد کے حالات میں ذکر فرماتے ہیں۔

حضرت والد ماجد (قصبہ ڈاسنہ میں مخدوم اللہ دیا کی زیارت کو گئے۔ رات کا وقت تھا اس جگہ فرمایا کہ مخدوم ہماری دعوت کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ مجھ کھا کر جانا پھر حضرت بیٹھ گئے یہاں تک کہ آدمیوں کا نشان منقطع ہو گیا۔ ساتھی اکتا گئے اس وقت

ایک عورت اپنے سر پر چاول اور شربتی کا طبق لئے ہوئے آئی۔ اور کہا کہ میں نے نذر مانی تھی کہ جبوقت میرا خاوند آئے گا مخدوم اللہ دیا کے دربار میں بیٹھنے والوں کو سہچاؤں گی وہ اسی وقت آیا۔ میں نے اپنی نذر پوری کی۔

در قصبہ ڈاسنہ زیارت مخدوم اللہ دیا رفتہ بودند، شب ہنگام بود در آل محل فرمودند مخدوم ضیافت مایکند چیزے خوردہ روید تو قف کردند تا آنکہ اثر مردم منقطع شد و ملال بر باران غالب آمد آنگاہ زنی بیاید طبق برنج و شیرینی بر سر و گفت نذر کردہ بودم کہ اگر زوج من بیاید ہماں ساعت این طعام پختہ با نشندگان در گاہ مخدوم اللہ دیا رسام دریں وقت ملایفائے نذر کردم (انفاس الجاریقین ص ۴۴)

اللہ اکبر! کیسا عبرتناک منظر ہے کہ اہل سنت پر نذر و نیاز کی آڑ میں شکم پروری کا الزام رکھنے والوں کے مزعوم اکابر نذر و نیاز کے چاول اور شیرینی کے انتظا میں بیٹھے ہیں اب سرفراز صاحب سے پوچھئے کہ کیا یہ نذر جلب منفعت اور دفع حضرت کے اعتقاد پر مبنی نہ تھی۔ ہم نے باقاعدہ ثبوت بہم پہنچا کر ثابت کر دیا ہے کہ آپ کے فتویٰ کے زردیں براہ راست آپ کے اکابر آرہے ہیں۔ ہمیں تو خیر سے آپ ہمیشہ ہی کوستے رہتے ہیں۔ اب اپنی خبر لیجئے۔ یا عقیدہ بدلئے یا شجرہ نسب بدلئے ورنہ ورنہ حرام خوردوں کی مصنوعی اولاد بنیئے۔ جو آسان معلوم ہو گئے۔ ہاتھ کو ڈالئے۔ ہم تو آپ کی ہدایت میں خوش ہیں۔ اور ہمیشہ دعا کرتے ہیں کہ اللہ آپ کو ہدایت عطا فرمائے۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کی عبارت پر

سرفراز صاحب کا پانچواں شبہ | سرفراز صاحب کی پانچویں تحریف ملاحظہ

فرمائیں۔

خامسا۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے جو کچھ ہے کہ کیونکہ ما اہل بسا کو اگر وقت ذبح کے ساتھ مقید نہ کریں۔ تو ما ذکیتہم کا استثناء اس کو لاحق ہوگا اور وہ جانور جو غیر وقت ذبح میں غیر خدا کے نام سے موسوم رہا ہو۔ والا ما ذکیتہم سے حلال ہوگا۔ یہ محض جہالت کا نتیجہ ہے اس لئے کہ یہ استثناء سب مذکورہ اشیاء کے ساتھ ملحق ہیں۔ بلکہ صرف قریب کی چیزوں سے ملحق ہے۔ مثلاً وما اکل السبع وغیرہ اگر سب کے

ساتھ ملحق ہے۔ تو ان میں میت اور خنزیر کا تذکرہ بھی ہے اور اس اعتبار سے معنی یہ ہوگا کہ مردار جانور جو خود بخود ابداً و ذبح کے مر چکا ہو۔ وہ حرام ہے مگر ہاں جس مردار کو تم ذبح کر لو۔ وہ حلال ہے اور خنزیر کا گوشت بھی حرام ہے ہاں جس چیز کو تم ذبح کر لو تو وہ حلال ہو جائے گا (معاذ اللہ) جب جانور مردار ہو چکا ہو تو پھر ذبح کرنے سے کیونکہ حلال ہو سکتا ہے اور خنزیر کس طرح ذبح کرنے سے

حلال ہو سکتا ہے۔ (تفتیح متین ص ۱۴۸)

سرفراز صاحب نے یہ جاہلانہ اعتراض کر کے صدر الافاضل کی طرف جو گند اچھا لایا ہے۔ اس نے ان کی عاقبت کو اس طرح ناپاک اور نجس بنا دیا ہے کہ وہ ذلت کی نگاہوں میں بھی رسوا ہو گئے ہیں۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے نہ تو بالخصوص مردار اور خنزیر کو استثنا، لاحق کیا اور نہ بالعموم یہ فرمایا کہ تمام مذکورہ اشیاء کو استثنا، لاحق ہوگا حتیٰ کہ میت اور خنزیر کو بھی لاحق، لازم آئے پس سرفراز صاحب نے جہالت عناد اور دروغگوئی کے پیش نظر جو صدر الافاضل کی عبارت پر یہ رد کیا ہے کہ یہ استثنا، سب مذکورہ اشیاء سے معلق نہیں۔ یہ اس وقت وارد ہوتا۔ جب صدر الافاضل سب اشیاء کے ساتھ لاحق، استثنا، کا دعویٰ کیا ہوتا۔ اور بعض یعنی وما اهلہ (جہ) امور کے ساتھ استثنا، کا لاحق کل کے ساتھ لاحق کو مستلزم ہے۔ تو پھر یہ الزام مشترک ہے۔ کیونکہ بعض امور (وما اکل السبع) کے ساتھ لاحق، استثنا، تو آپ بھی مانتے ہیں۔ ممکن ہے۔ سرفراز صاحب کو ان بعض مفسرین کی عبارت سمجھنے میں غلطی ہو جو مخنقہ سے لے کر وما اکل السبع تک پانچ چیزوں کو استثنا، لاحق کرتے ہیں اور جنہوں نے تصریح کی ہے۔ دم۔ میت۔ خنزیر اور وما اهل لغیر اللہ جہ کو استثنا، لاحق نہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ وما اهل لغیر اللہ جہ کو جن مفسرین نے استثنا، لاحق نہیں کیا۔ وہ ما اهل کو ما ذبح پر محمول کرتے ہیں۔ پس الاما ذکیتہم لاحق کرنے کا مفاد جب ما اهل سے حاصل ہو گیا۔ تو اب الاما ذکیتہم کا لاحق کرنا محض تحصیل حاصل ہے اور یہ بات اس مفہوم میں صریح ہے۔ کہ اگر ما اهل کو ذبح پر محمول نہ کیا جائے تو اب اس کو الاما ذکیتہم کا لاحق صحیح ہوگا۔ کیونکہ علماء کی عبارات میں مفہوم مخالف معتبر ہوتا ہے۔

اب ہم آپ کے سامنے عالمگیر رحمہ اللہ کے استاد گرامی ملا جیون رحمہ اللہ کی تفسیرات احمدیہ سے وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے وما اهل بہ

کو الاما ذکیتہم کے لاحق نہ ہونے کی علت اہل کا بمعنی ذبح ہونا قرار دیا ہے۔
ملاحظہ فرمائیے۔

اور ما تقدم سے استثناء کرنا جائز نہیں یعنی
سردار خون لحم خنزیر اور ما اهل
لغیر اللہ بہا سے جس طرح اس پر علامہ
زاہدی نے تصریح کی ہے۔ کیونکہ یہ
الشیاء لذاتہا حرام ہیں جبہیں کسی حال میں
حلت لاحق نہیں ہوتی اور قرآن میں ان کا
ذکر متعدد بار بغیر استثناء کے کیا گیا ہے
اور یہ اس پر کافی دلیل ہے نیز ان امور
میں ذبح کا معنی غیر متصور ہے کیونکہ سردار
تو بلا ذبح مر گیا اور خون کا مذبح نہ ہونا
بالکل ظاہر ہے اور خنزیر مطلقاً حرام ہے۔
پس اسے مذبح ہونے کیلئے الاما ذکیتہم کے
استثناء کی حاجت نہیں اور ما اہل کا معنی ما ذبح
ہے پس اسے ما ذکیتہم لاحق کہے دو بار ذبح کرنا کس
طرح متصور ہو سکتا ہے۔

ولا يجوز ان يكون استثناءهما
تقدما ايضاً يعني من الميتة و
الدم ولحم الخنزير وما اهل لغير
الله بما كانص به في المزاھدي
لان هذه الاشياء حرام لذاتها
لعميلقها المحل في حال من الاحوال
يدل عليه ذكرها مرارا في القرآن
بدون الاستثناء لانها مما لم
يتصور فيها الذكوة لان الميتة
هي التي ماتت بلا ذبح والدم
ظاهر والخنزير لما كان لحمه حراما
مطلقا لويحتج الى الاستثناء
ومعنى ما اهل ما ذبح فكيف
يتصور فيها الذكوة ثانياً۔

منصف مزاج آدمی کے لئے ملا جیوں رحمہ اللہ کے اس کلام میں ہدایت کا
وافر مواد موجود ہے۔ البتہ خواہ مخواہ کی صدا اور عناد کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے
اور اگر سرفراز صاحب کو اب بھی کچھ شبہ رہ گیا ہو تو لیجئے اب تفسیر روح المعانی
سے علامہ آلوسی کی تصریح نص پیش کرتے ہیں۔ کہ یہاں استثناء وما اهل لغیر
اللہ بہا کی طرف راجح ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔
وعن علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ
حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور ابن عباس

وا بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
 عنہما ان الاستثناء راجع الى جميع ما تقدم ذكره من المحرمات سوى ما لا يقبل الزكاة من الميتة والدم ولحم الخنزير وما اكل السبع على تقدير ابقائه على طاهر ۵۔

رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آیت میں استثناء تمام محرمات کی طرف راجع ہے سوا ان چیزوں کے جو زکاة کو قبول نہیں کرتیں اور وہ یہ ہیں مردار لحم خنزیر خون اور جس کو درندہ نے کھالیا ہو۔ اور اس کے کھانے کے بعد جانور زندہ نہ بچا ہو۔

اس آیت کریمہ میں نو چیزوں کو محرمات میں شامل کیا گیا ہے۔ حضرت علی اور ابن عباس کے اس قول سے معلوم ہوا کہ ان میں چار کی طرف استثناء راجع نہیں ہے (۱) مردار (۲) خون (۳) لحم خنزیر اور (۴) درندے کا کھایا ہوا۔ اور جن پانچ چیزوں کی طرف حضرت علی اور ابن عباس نے استثناء راجع کیا ہے۔ وہ یہ ہیں (۱) ما اهل لغير الله بها (۲) منخنة (۳) موقوذة (۴) متروية (۵) نطيحة۔ اس حوالے سے ناظرین پر واضح ہو گیا ہوگا کہ صدر الافاضل کی طرح صاحب روح المعانی حضرت علی اور حضرت ابن عباس نے بھی دما اهل لغير الله بها کو الاماذ کیتم کا استثناء لاحق کیا ہے اور اس لحوق پر سرفراز صاحب اس طرح برہم ہوئے ہیں۔

”یہ ہے فریق مخالفت کے مفسر کی قرآن دانی حقیقت یہ ہے کہ جب

انسان خوفِ خدا سے بے نیاز ہو جائے اور بدعات کا شیدائی بن جائے اور من مانی کاروائیوں پر اتر آئے۔ تو دینی معاملات میں قدم قدم پر ٹھوکر کھائے گا اور دنیا و آخرت میں عند اللہ اور عند الناس رسوا ہوگا“

(تنقید متین ص ۱۴۹)

اب آپ ہی سوچئے کہ ٹھوکروں پر ٹھوکریں کون کھا رہا ہے۔ اور دنیا و آخرت کی رسوائی کس کا حصہ اور مقدر ہے۔ بجز اللہ ہم نے صدر الافاضل کے کلام سے

وہ غبار دور کر دیا ہے۔ جو سرفراز صاحب کی بحرمانہ جبارت اور سعی کاذب کا حاصل تھا۔ حلقہ لعنت میں گرفتار گکھڑوی کے دامن میں سوائے کذب و افترا کے اور ہے بھی کیا۔ جس سے وہ اہل حق کے سامنے آسکیں۔

سرفراز صاحب کا چھٹا شبہ

سرفراز صاحب کی چھٹی جبارت
ملاحظہ ہو۔

ایصالِ ثواب کا مسئلہ صحیح اور حق ہے، لیکن آخر میں چن چن کر بزرگوں کو ہی کیوں اس کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے اپنے مال باپ اور دیگر اعزہ و اقارب کو جو نفس الامر میں ثواب کے زیادہ محتاج ہیں۔ ان کو یہ کیوں
راس نہیں آتا۔ (تنقید متین ص ۱۴۹)

سرفراز صاحب کو خواہ مخواہ بزرگوں سے عداوت ہے۔ ورنہ رشتہ داروں اور بزرگوں اور وارثوں کو بھی ایصالِ ثواب کیا جاتا ہے، یہ لغو اعتراض سرفراز صاحب اس کتاب میں متعدد بار کر چکے ہیں۔ اور اس کے جواب میں مکمل تفصیل ہم نے وصفاً ساتھ ہی بنفقون کی بحث میں پیش کر دی ہے۔

سرفراز صاحب مار کھانے کے شوق میں بار بار پٹے ہوئے مہروں کو آگے بڑھاتے ہیں۔ اور اب کی مار کی گردان سے اپنے آپ کو طفل تسلیاں دینا چاہتے ہیں

عید میلاد النبی

صدر الافاضل رحمہ اللہ الیوم اکملت لکم دینکم
کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

شان نزول دبخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس
ایک یہودی آیا۔ اور اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ کی کتاب میں ایک آیت
ہے اور وہ ہم پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم روز نزول کو عید مناتے فرمایا کونسی آیت ہے
اس نے یہی آیت و الیوم اکملت لکم۔ پڑھی آپ نے فرمایا میں اس دن کو جانتا
جس میں یہ نازل ہوئی تھی۔ اور اس کے مقام نزول کو بھی پہچانتا ہوں۔ وہ مقام عرفات
کا تھا اور دن جمعہ کا۔ آپ کی مراد اس سے یہ تھی کہ ہمارا وہ دن عید ہے۔ ترمذی
شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ سے بھی ایک یہودی
نے ایسا سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس روز یہ نازل ہوئی اس دن دو عیدیں تھیں
جمعہ۔ عرفہ۔

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی دینی کامیابی کے دن کو خوشی کا دن منانا جائز
اور صحابہ سے ثابت ہے ورنہ حضرت عمر و ابن عباس رضی اللہ عنہما صاف فرمادیتے
کہ جس دن کوئی خوشی کا واقعہ ہو۔ اس کی یادگار قائم کرنا۔ اور اس کی خوشی سے عید
منانا ہم بدعت جانتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ عید میلاد منانا جائز ہے کیونکہ
وہ اعظم نعم الہی کی یادگار و شکر گزاری ہے اور ص ۱۸۳ ص ۱۸۲ میں فرمایا کہ یعنی ہم
اس کے نزول کے دن کو عید منائیں۔ اس کی تعظیم کریں۔ خوشیاں منائیں تیری عبادت
کریں۔ شکر بجالائیں۔

مسئلہ:۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس دن اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت نازل ہو۔ اس

دن کو عید منانا اور خوشیاں منانا عبادتیں کرنا۔ شکر الہی بجالانا طریقہ صالحین ہے اور کچھ شک نہیں کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی عظیم ترین نعمت اور بزرگ ترین نعمت ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مبارکہ پر دن عید منانا اور میلاد شریف پر ٹھہر کر شکر الہی بجالانا اور اظہارِ فخر اور سرور کرنا مستحسن و محمود ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا طریقہ ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ کے اس ایمان افروز عبارت پر سرفراز صاحب نے اس طرح تنقید کی ہے۔

سوال صرف یہ ہے کہ اہل بدعت جس طرح دینی رنگ اور مذہبی وجہ دے کر ہزاروں بلکہ لاکھوں روپے کے اسراف سے جشن میلاد مناتے ہیں۔ جھنڈیاں لگاتے ہیں۔ جلوس نکالتے ہیں۔ اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط اجتماعات کراتے۔ اور جس کے لئے وہ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہیں۔ اور ان کو دین اور کارِ ثواب ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں۔ یہ کارروائی کس صحابی سے منقول ہے؟ حضرت عمرؓ سے مروی ہے یا ابن عباس سے یا کسی دیگر صحابی سے یا معاذ اللہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقیدت و محبت نہ تھی آخر کیا وجہ ہے کہ وہ تو یہ کارروائی نہ کریں۔ اور آج یہ مخترع کارروائی دیکھتے دیکھتے دین کارِ ثواب اور اہلسنت و الجماعت کا شعار قرار پائے۔ صحیح اور صریح حوالہ سے اس کا ثبوت درکار ہے اور انشاء اللہ قیامت اہل بدعت کی پوری جماعت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ (تنقید متین ص ۱۵۳)

سرفراز صاحب نے جس عیاری سے کام لے کر یہ تنقید کی ہے۔ اس کا تبلیس میں بہر حال کوئی جواب نہیں۔ صدر الافاضل نے اپنی تفسیر میں نہ تو لاکھوں روپیہ کے اسراف کو مستحسن قرار دیا ہے اور نہ مردوزن کے اختلاط

کوہمائے نزدیک اسراف اور پروتن کا احتلاط دونوں ہی مذموم ہیں۔ اور جلوس کی بعض بے اعتدالیوں اور غیر شرعی امور پر علماء اہلسنت کے اعلانات اور بانیانِ جلوس کے اشتہارات میں خصوصی نوٹ۔ ان غیر شرعی امور سے اجتنات اور پہنیر کی تلقین کے سلسلہ میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔

صدر الافاضل نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ ثابت ہے اور جو آپ نے تحریف کی ہے نہ اس کا اہلسنت یا صدر الافاضل نے دعویٰ کیا ہے نہ اس کی ہم کو ضرورت ہے بلکہ ان خرافات کی تردید میں ہمیشہ علماء اہلسنت زبان و قلم سے جہاد کرتے رہتے ہیں۔

رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی پیدائش پر خوشی منانا کیا اسراف ہے؟ ابو لہب نے نسبی رشتہ سے حضور کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا اور ثویبہ کو آزاد کر دیا۔ اور یہی عمل اس کے لئے تخفیفِ عذاب کا موجب ہوا۔ اور اگر آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے ایسا ہی دکھ ہے کہ آپ یوم ولادت پر تمام ملک میں مانگی فضا پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ تو بے ادبی معاف۔ ہمیں کہنے دیجئے کہ آپ کی یہ ذہنیت ابو لہب سے کہیں بدتر ہے۔ اور عید میلاد کی روشنی سے اگر آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کیجئے گا۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

آپ اپنے مدرسوں کے سالانہ جلسوں میں روشنی اور جھنڈیوں کا انتظام کرتے ہیں۔ غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور چودہ اگست اور تیس ماچ کو پورے ملک میں چراغاں ہوتا ہے اور جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ ان مواقع پر آپ کیوں اپنے ہونٹ سی کر مداہنت بلکہ منافقت اختیار کرتے ہیں یا شرک و بدعت کے فتوے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی کے ساتھ منحصر ہیں۔ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت مل کر ہی اس گھتی کو سلجھا دے

اے حیرت ہے کہ ۱۹۷۶ء میں حرمین سے جب نجدی امام آئے تو دیوبندی اور وہابی حضرات کی قیادت میں پورے ملک اندر زبردست اسراف کیے گئے۔ شیوں جھنڈیوں اور بے شمار خرافات کا اہتمام کیا گیا۔

کہ چراغاں اور جھنڈیوں کا یہ اسراف غیر ملکی مہمانوں اور نجدی اماموں کی آمد قومی دنوں پر ان کے مذہبی تبلیغی جلسوں اور اپنے مولویوں کے استقبال میں کس طرح جائز ہے اور رسول اللہ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کے لئے یہی امور بدعت کیسے ہو جاتے ہیں۔ کیا ان دنیاوی امور اور آپ کے مولویوں کا مرتبہ رسول اللہ سے زیادہ ہے۔

دینی اور دنیاوی امور کا فرق

راہِ سنت میں سرفراز صاحب نے اس کے جواب میں ایک عذر لنگ پیش کیا ہے کہ بدعت صرف امور دینیہ کے ساتھ مختص ہے گوہر کیا کہ ان کے ہاں جلسوں میں علماء جو وعظ کرتے ہیں۔ وہ سب بے دینی ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ کو خود ہی اپنے مقام کا احساس ہو گیا ہم اگر کچھ عرض کرتے تو آپ برامنائے لیکن غیر ملکی مہمانوں کی آمد اور قومی ایام کو جو آپ نے امور دینیہ سے خارج کر دیا اس سے ہم کو اختلاف ہے۔ کیونکہ یہ خالص عیسائی نظریہ ہے جس نے کلیسا اور قصر سیاست کو علیحدہ علیحدہ کر دیا۔ ہمارے ہاں سیاست بھی دین ہے اور عبادت بھی۔ حکومت اور شریعت کی اس اسرائیلی تقسیم کو آپ مسلمانوں پر پیش کر کے اپنے سابقہ آقاؤں کا حق نمک ادا کرنے کی کوشش نہ کیجئے۔

اور اگر امور دینیہ سے ذکر اذکار اور خالص عبادات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ ہیں۔ تو ظاہر ہے کوئی مسلمان بھی عید میلاد پر اظہار خوشی کو اس قسم سے نہیں سمجھتا۔ پس اس کا بدعت اور حرام ہونا کس طرح لازم آئے گا۔ بدعت سیئہ کا لفظ رٹنے کے لئے سرفراز صاحب نے سیکھ لیا ہے، اور اس کا معنی سمجھنے کی انہیں آج تک توفیق نہ ہوئی، سادہ لوح عوام اور جاہل مریدوں کے ایمان کو دونوں ہاتھوں سے ٹوٹنے کے لئے ہر کار خیر کو بدعت کہنا۔ اہل تنفیص کا پرانا حربہ ہے۔ اب ہم بدعت کی صحیح تعریف پیش کرتے ہیں۔

بدعت کی تعریف | علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۲۵۴ھ بدعت کی

تعارف فرماتے ہیں۔

بدعت اس نوپیدائشہ امر کو کہتے ہیں۔ جو
نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے حاصل کر وہ
شرعیات کا مخالف ہو۔ عام ازب کہ وہ نیا
کام نظری ہو۔ یا عملی یا عالی ہو اور یہ مخالفت
کسی شے یا استحسان پر مبنی ہو۔ اور اس کو
دین تویم بنایا جائے۔

بانھا ما احدث علی خلاف الحق
المتاقی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم من علم او عمل او حال بنوع
شبهه واستحسان ووجعل دینا
قویما وصرطا مستقیما۔

(رد المحتار ج ۱ ص ۳۹۳)

پس بدعت سیدہ میں مرکزی طور پر دو چیزیں لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ نیا کام شرعیات
کے مخالف ہو۔ دوسرا یہ کہ اسے دین کا جزو بنایا جائے۔ اب آپ اس معیار پر
معمولات اہل سنت کو دیکھئے۔ تو ان میں کوئی ایسا عمل نہیں پائیں گے۔ جو شرعیات کے
مخالف ہو۔ اس کے برعکس ہر عمل میں کتاب و سنت کی روح کا فرما ہوگی اور ہر وہ چیز
منشاء اسلام کے مطابق اور کتاب و سنت کی اصل کے تابع ہوگا۔ راہ سنت میں
سرفراز صاحب نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی عمل نو کے بارے میں یہ فیصلہ کرنا
کہ اس کا منشاء اسلام میں موجود ہے یا نہیں۔ ائمہ مجتہدین کا کام ہے۔ سرفراز صاحب کا
یہ قول بھی ان کی جہالت کا شاہکار ہے۔ علم اور تحقیق سے تہی دست و قلاش برعم خویش
محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ائمہ مجتہدین کے ساتھ صرف اصول کلیہ مختص ہیں اور کتاب و
سنت اور آئمہ کے اصول کلیہ کی روشنی میں اجتہاد استخراج اور استنباط کی راہیں آج بھی
امت پر کشادہ ہیں۔ فقہاء کے ساتھ مراتب کی تفصیل اس دعویٰ پر واضح دلیل ہے
لیکن یہ بات سمجھنا حجروں میں بیچھ کر امت رسول پر شرک کا فتویٰ لگانے والوں کے بس
میں نہیں ہے۔

جشن میلاد پر اظہار خوشی کے لئے چھنڈیوں۔ چراغوں اور جلوس کے
جشن میلاد

بارے میں سرفراز صاحب نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ:-

”بتاؤ صحابہ کرام نے اس طرح جشن منایا تھا؟ یا یہ حضرت عمر سے مروی

ہے یا حضرت ابن عباس سے یا کسی اور صحابی سے؛

جہالت اور بد نصیبی کی اس سے بڑھ کر اور کوئی مثال نہیں ہو سکتی۔ یہ بالکل ایسی ہی بات ہے کہ کوئی کہے کہ ٹینک اور پیاروں سے جہاد کرنا بدعت ہے۔ ورنہ بتلاؤ کہ کیا حضرت عمر سے ٹینک مروی ہے یا حضرت ابن عباس سے یا دیگر صحابہ سے جہلاء کی اس جماعت کو یہ بھی معلوم نہیں کہ خوشی منانے اور جنگ کے طریقے ہر دور میں مختلف ہوتے ہیں جس طرح جہاد میں جنگ کرنا رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے۔ اب اس تفصیل کی احتیاج نہیں کہ جنگ کن ہتھیاروں سے لڑی جاتی ہے۔ اسی طرح یوم ولایت پر اظہار مسرت اور اس کا اہتمام رسول اللہ اور صحابہ سے ثابت ہے اور اس کی تفصیل ہر دور کے مزاج اور زمانہ کی رفتار کے مطابق ہوگی۔ البتہ شرط یہ ہے کہ کوئی شرعی بے اعتدالی نہ پائی جائے۔ اور سرفراز صاحب کی جماعت جو میلاد کی خوشی پر چراغاں اور جھنڈیوں کو بدعت سیئہ اور حرام قرار دیتی ہے اس کا صحیح اور صریح حوالہ کتاب و سنت سے درکار ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو حرام یا مکروہ قرار دینے کے لئے بالخصوص اس چیز کی حرمت یا کرامت پر ہی مخصوص لانی ضروری ہے (شامی ج ۱ ص ۶۸۴) اور انشاء اللہ مبتدعین دیوبند کی پوری جماعت تاقیامت اس کا ثبوت مہیا نہیں کر سکتی۔ دیدہ باید۔

ممکن ہے سرفراز صاحب یہ کہیں کہ ٹینک اور پیاروں سے جنگ اگرچہ صحابہ کے زمانہ میں نہیں ہوتی لیکن اس کو قرآن سے ثابت کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے (اعداء الہم ما استطعتم من قوتہ) (کفار کے خلاف جو بن پڑے حال کر لو) پس ان جدید طرز کے ہتھیاروں کا استعمال بدعت نہ ہوا اسی طرح ہم بھی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل بفضل اللہ وبرحمۃ فیذالک
آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت
فلیفرحوا۔ کے حصول پر خوشی مناؤ۔

اور جب مطلقاً فضل اور رحمت کے حصول پر فخریت و مسرت کا حکم ہے تو رحمۃ اللعالمین

کے حصول پر خوشی منانا بطریق اولیٰ ثابت ہوگا۔ رہا یہ امر کہ نبی علیہ السلام کی رحمت تو ہمیں سال کے ہر دن بلکہ ہر لمحہ حاصل ہے۔ پھر اس یوم ولادت پر اظہار مسرت میں کیا خصوصیت ہے جو اب یہ ہے کہ اس دن کی خصوصیت قرآن و حدیث سے ثابت ہے دیکھئے قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ کے بارے میں فرماتا ہے۔ و سلام علیہ یوم ولدہ اور حضرت یحییٰ پر سلام ہو ان کی پیدائش کے دن حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔ (و السلام علی یوم ولادت) مجھ پر سلام ہو میرے میلاد کے دن۔

حدیث شریف میں ہے۔

حضرت ابو قتادہ بیان کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیر کے روزے رکھنے کا سبب پوچھا گیا آپ نے فرمایا اس دن میں پیدا ہوا اور اسی دن پر قرآن کریم نازل ہوا۔

عن ابی قتادۃ قال سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن صوم الاثنتین فقال فیہ ولدت و فیہ انزل علیّ۔ (رواہ مسلم)

مشکوٰۃ ص ۱۱۷۹

دیکھئے اپنے لئے سلامتی کی دعا ہر روز مانگی جاسکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ حضرت یحییٰ ان کے یوم میلاد کو سلام بھیجتا تھا۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ بھی اسی دن اپنے لئے سلامتی کی دعا مانگتے تھے حضور علیہ السلام نے پیر کے دن کو روزے کے لئے خاص کر لیا تھا۔ کیونکہ اسی دن آپ پیدا ہوئے تھے۔ ان تمام قرآن سے پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ حضور سرور کائنات کی ولادت پر سال کے ہر دن اور ہر رات میں خوشی منانا جائز ہے لیکن یوم میلاد کو خاص تزییح حاصل ہے۔

آئیے اب ہم بدعت کے موضوع پر آپ کے سامنے دیوبند کے مسلم پیر حاجی امداد اللہ مہاجر کی تحقیق پیش کرتے ہیں۔

اور انصاف یہ ہے کہ بدعت اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین میں داخل کر لیا جائے۔ کما یظہر من التامل من قولہ علیہ السلام من احداث فی امرنا هذا ما لیس منہ فهو رد الحدیث

پس ان تخصیصات کو اگر کوئی شخص عبادت مقصودہ نہیں سمجھتا بلکہ فی نفسہ مباح جانتا ہے۔ مگر ان کے اسباب کو عبادت جانتا ہے۔ اور ہیئت مسبب کو مصلحت سمجھتا ہے۔ تو بدعت نہیں مثلاً قیام کو لذاتہا عبادت اعتقاد نہیں کرتا۔ مگر تعظیم ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت جانتا ہے اور کسی مصلحت سے اس کی یہ ہیئت معین کر لی۔ اور مثلاً تعظیم ذکر کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر مصلحت خاص ذکر ولادت کا وقت مقرر کر لیا۔ مثلاً ذکر ولادت کو ہر وقت مستحسن سمجھتا ہے۔ مگر مصلحت سہولت دوام یا کسی مصلحت سے بارہ ربیع الاول مقرر کر لی اور کلام تفصیل مصاحح میں از بس طویل ہے۔ ہر محل میں جدا مصلحت ہے۔ رسائل موالیہ میں بعض مصاحح مذکور بھی ہیں۔ اگر تفصیلاً کوئی مطلع نہ ہو تو مصلحت اندیشاں پیشین کا اقتدار ہے۔ اس کے نزدیک یہ مصلحت کافی ہے۔ ایسی حالت میں تخصیص مذموم نہیں۔ تخصیصات اشغال و مراقبات و تعینات رسوم مدارس و خانقاہ جات اسی قبیل سے ہیں۔ اور اگر ان تخصیصات کو قربت مقصودہ جانتا ہے مثل نماز روزہ کے تو بے شک اس وقت یہ امور بدعت ہے۔ مثلاً یوا اعتقاد کرتا ہے کہ اگر تاریخ معین پر مولود نہ پڑھا گیا یا قیام نہ ہوا یا شیرینی کا انتظام نہ ہوا۔ تو ثواب ہی نہ ملا۔ تو بے شک یہ اعتقاد مذموم ہے۔ غرض دونوں صورتوں میں تعدی مردود ہے اور اگر ان امور کو ضروری سمجھنے واجب شرعی نہیں سمجھتا بلکہ ضروری بھی سمجھنے موقوف علیہ بعض البرکات جانتا ہے۔ جیسے بعض اعمال میں تخصیص ہوا کرتی ہے۔ کہ ان کی رعایت نہ کرنے سے وہ اثر خاص مرتب نہیں ہوتا۔ مثلاً بعض عمل کھڑے ہو کر پڑھے جاتے ہیں۔ اگر بیٹھ کر پڑھیں تو وہ اثر خاص نہ ہوگا۔ اس اعتبار سے اس قیام کو ضروری سمجھتا ہے۔ اور دلیل اس

توقف کی موجدان اعمال کا تجربہ یا کشف والہام ہے۔ اسی طرح کوئی عمل مولد کو بہیئت کذائیہ موجب بعض برکات یا آثار کا اپنے تجربہ سے یا کسی صاحب بصیرت کے وثوق پر سمجھے اور اس معنی کے قیام کو ضروری سمجھے۔ کہ یہ اثر خاص بدون قیام نہ ہوگا۔ اس کے بدعت کہنے کی کوئی وجہ نہیں اور اعتقاد ایک امر باطن ہے۔ اس کا حال بدون دریافت کئے ہوئے یقیناً معلوم نہیں ہو سکتا۔ محض قرآن تہجینہ سے کسی پر بدگمانی اچھی نہیں۔ (فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۲۱۵)

حاجی صاحب کی اس طویل عبارت میں تقریباً وہ تمام ابحاث آگئیں جن کو ہم پیش کر چکے ہیں۔ مثلاً تعین سے مراد تعین شرعی نہیں۔ تعین عرفی ہے۔ اور یہ تعین جائز ہے اور قرآن کے سبب سے راجح ہے اور جائز امور کو حرام کہنا مذموم ہے۔ اور مذموم کا لفظ بھی گول مول ہے۔ حقیقت میں اللہ کے حلال کو حرام کرنا کفر ہے اور رسول اللہ کی شریعت بدلنا ہے۔ العیاذ باللہ!

سرفراز صاحب اور ان کے حکیم الامت کی جواز میلا د پر شہادت

سرفراز صاحب کے حکیم الامت اشرف علی صاحب کا ارشاد ہے۔ عمل مولد شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے ممنوع ہے تو فی حد ذاتہ مباح

محصراً۔ (طریقہ مولود ص ۱۳ بحوالہ باب جنت ص ۱۲۴)

اور یہی بات ہم عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ فی نفسہ میلا د کتاب و سنت سے ثابت ہے اور قیود مخصوصہ فی حد ذاتہ مباح ہیں۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”علاوہ ازیں عمل مولد شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ سے کیا وہ عمل مراد ہے جو بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے

دن آپ کے لئے ایصالِ ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا اور اسی طرح کی بعض دیگر چیزیں یا مفتی صاحب آپ کے زمانہ کا میلاد مراد ہے کہ اس کے لئے جلوس ہو اور بینڈ باجے ساتھ ہوں اور فرض نمازوں کے اوقات میں بھی جلوس جوش و خروش کے ساتھ چلتا رہے،

(باب جنت ص ۱۲۵)

خدا کا شکر ہے کہ آپ نے حضور کی پیدائش کے دن ایصالِ ثواب کو مان لیا ورنہ اب تک تو آپ یہی کہتے آئے تھے کہ تعین بدعت ہے اور بزرگوں کو ایصالِ ثواب نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو نیکیوں سے پہلے ہی مالا مال ہیں۔ بہر حال ہم بھی یہی کچھ چاہتے ہیں کہ آپ یومِ میلاد کو ایصالِ ثواب اور آپ کے فضائل بیان کرنے کا جواز اور استحسان مان لیں اور رہا جلوس تو وہ مولوی اشرف علی صاحب کے بیان کردہ قاعدہ کے تحت مباح کی مد میں آتا ہے کیونکہ وہ نہ مامور بہ ہے اور نہ منہی عنہ۔ اور جن خرافات کا آپ نے ذکر کیا ہے یعنی بینڈ باجہ اور نماز کو ترک کرنا تو ہم ان سے کلیتہً بیزار ہیں اور پہلے بھی کچھ چکے ہیں کہ ہم اس کی تردید کے لئے اپنی کوشش کرتے رہتے ہیں آپ خواہ مخواہ خلط مبحث اور مغالطہ آفرینی کر کے ان امور کو ذکر کرتے ہیں جن میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

سرفراز صاحب

حضرت ابن عباس کی حدیث اور عید میلاد | سمجھتے ہیں۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا عید میلاد کو حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کی حدیث پر قیاس کرنا جہالت کا پلندہ ہے۔ کیونکہ حجہ اور عرفہ کے دن کو حضرات صحابہ کرام نے از خود متعین و مقرر نہیں کیا اور نہ خود اپنی مرضی سے عید بنایا اور منایا ہے۔ بلکہ ان دنوں کی تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی۔ جس کا اعلان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم

نے اپنی زبان فیض ترجمان سے کیا ہے اور ظاہر بات ہے کہ شریعت کی طرف مقرر کردہ دنوں پر اپنی طرف سے عید میلاد کے دن اور اس دن کے اہتمام اور اس کے جشن کو قیاس کرنا باطل اور فاسد قیاس ہے۔ (تنقید متین ص ۱۵۵)

جہالت کا پلندہ کیا ہے یہ عنقریب ناظرین پر واضح ہو جائے گا۔ یوم جمعہ اور یوم عرفہ کا دن بعض نعمتوں کے حصول کی بنا پر عید قرار پایا ہے۔ اور ہم نے یوم جمعہ اور یوم عرفہ کے عید ہونے پر عید میلاد کو قیاس نہیں کیا۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ جب یوم جمعہ اور یوم عرفہ۔ بعض نعمتوں کے حصول کی بنا پر عید قرار پایا تو بارہ ربیع الاول کا دن جس میں ہمیں کائنات کی سب سے عظیم نعمت حاصل ہوئی۔ بطریق اولیٰ عید قرار پائے گا۔ اور یہ قیاس نہیں ہے۔ جہالت تو یہ ہے مخالفین کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ قیاس میں مساوات ہوتی ہے۔ اور یہاں مساوات نہیں۔ بلکہ عید ہونے کی علت عید میلاد میں اقویٰ اور اولیٰ درجہ میں پائی گئی ہے۔ اس کو دلالت النص کہتے ہیں۔ اصول فقہ کی کتابوں میں اس قاعدہ کو تفصیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ مثلاً قرآن کریم میں ماں باپ کو اتکنے سے روکا گیا ہے۔ پس انہیں اتکننا حرام ہے اب کوئی شخص اپنے ماں باپ کو مارنا پیٹنا شروع کرے اور کہے کہ اتکننا حرام ہے جس کی تعین اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوئی اور اس کا اعلان حضور کی زبان فیض ترجمان سے ہوا مارنے سے پیٹنے سے کب منع کیا گیا ہے پس اتکننا پر مارنے سے پیٹنے کو قیاس کرنا نہ باطل اور فاسد قیاس ہے۔ تو بتائیے۔ ایسے شخص کی بات کون مانے گا۔ پس جس طرح جب ماں باپ کو اتکننا حرام ہے تو مارنا پیٹنا بطریق اولیٰ حرام پایا۔ اسی طرح ہم کہتے ہیں کہ جب جمعہ کا دن چند نعمتوں کی وجہ سے عید قرار پایا۔ تو یوم میلاد جو کائنات کی سب سے عظیم نعمت اور رحمت کا حامل ہے۔ بطریق اولیٰ عید قرار پائے گا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

امام راغب نے فرمایا کہ عید لغوی اعتباراً سے اس دن کو کہتے ہیں جو بار بار لوٹ کر آئے اور اصطلاح شرع میں عید فطر اور عید الاضحیٰ کو کہتے ہیں اور جبکہ یہ شریعت میں خوشی منانے کے لئے مقرر کیا گیا ہے جس طرح اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے اس فرمان میں متنبہ کیا ہے کہ ایام منیٰ کھانے پینے اور راز و اجیات کے دن ہیں تو عید کا لفظ ہر مسرت کے دن میں استعمال ہونے لگا۔

قال الراغب العید ما یبعا ودمرة بعد اخدی وخص فی الشریعة بیوم القطر ویوم النحر ولما کان ذلک ایوم مجعولا للسرور فی الشریعة کما نبه الذبی علیہ الصلوۃ والسلام بقولہما ایام منیٰ ایام اکل وشریب وبعال ما ریت جمل العید فی کل یوم فیہ مسرة۔

(مرقات ج ۳ ص ۲۲۳)

اب فرمائیے امام راغب اصفہانی اور ملا علی قاری کے بارے میں کیا فتویٰ ہے۔ صدر الافاضل سے تو آپ کو یہ شکوہ تھا کہ انہوں نے یوم میلاد کو عید قرار دیا ہے۔ اور ان اکابر نے تو ہر خوشی کے دن پر عید کے اطلاق کی تصریح کر دی ہے۔ ملا علی قاری کے بعد شیخ محقق **یوم میلاد کے عید ہونے کی شہادت** | عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی عبارت ملاحظہ فرمائیے کہ وہ بالخصوص یوم میلاد کو عید فرماتے ہیں۔

ابن جوزی نے کہا کہ پس جب کہ وہ ابو لہب جس کی مذمت پر قرآن نازل ہوا اسے نبی علیہ السلام کی ولادت پر خوشی کرنے کے سبب جہنم میں جزا دی گئی تو آپ کی امت شریفیہ کے اس مسلمان کی جزا کا کیا عالم ہوگا۔ جو آپ کی پیدائش پر خوشی اور اظہار سرور کرے۔ اور مقدور بھر

قال ابن جوزی فاذا کان هذا ابو لہب الکافر الذی نزل القرآن بذمہ جوزی فی الناس لفرحہ لیلہ مولد النبی صلی اللہ علیہ وسلم فمالحال المسلم من امتہ یسر بمولده ویبذل ما متصل الیہ قد ذتہ فی حبتہ صلی اللہ علیہ وسلم

انما كان جزاءه من الله الكريم
ان يدخله بفضله العليم
جنات النعيم ولا يزال هل لاسلام
يحفلون بشهر مولده صلى الله عليه
وسلم ويعملون الواثم ويتصدقون
فوليا ليه بانواع الصدقات ويظهرون
السروس وينزفون في المبارات
ويتنون بقراءة مولده الكريم
ويظهر عليه من مكانه كل فضل
عظيم وما جرب من خواصه انما
امان في ذلك العام وبشري عاجل
ينيل لبغيبته والمرام فرحم الله امرء
اتخذ ليا لى شهر مولده المبارك
اعباد اليكون اشدا غلبة على من
في قلبه مرض وعناد ما ثبت
بالسنه من ۶۰)

سعی سے آپکی محبت میں خرچ کرے۔ اور
مجھے اپنی حیات کی قسم اس کی جزا اس کے
سوا کچھ نہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل
و کرم سے جنات نعیم داخل فرمائے گا۔ اور
ہمیشہ سے اہل اسلام نبی علیہ السلام کی ولادت
کے مہینہ میں محفلیں منعقد کرتے ہیں دعوتیں
کرتے ہیں۔ راتوں کو صدقہ و خیرات کرتے ہیں
اظہار مسرت اور نیکیوں میں زیادتی کرتے
ہیں اور آپ کی ولادت مبارکہ کے واقعات
پڑھتے ہیں اور ان پر اس وجہ سے فضل ظاہر
ہوتا ہے اور تجربہ سے ثابت ہے کہ محفل
میلاد کی برکت سے سارا سال امن رہتا ہے
اور مطلوب حاصل ہونے کی جلد بشارت ملتی ہے
پس خدا فضل کرے۔ اس شخص پر جس نے ماہ ربیع
الاول کی ہر شب کو عید بنا دینا تاکہ عظمت نبی کے
منکر اور تنقیص سالت شیداؤں پر یہ خوشی مزید گراں
گزرے اور ان کا اندرونی عناد پڑھے۔

حضرت شیخ محقق اور محدث ابن جوزی کی یہ
عبارت اپنے مفہوم میں باسکل واضح ہے۔

سرفراز صاحب کے شہادت

سرفراز صاحب اور ان کی پوری جماعت کے خرمین ایمان کے لئے یہ کلام
برق صاعقہ سے کم نہیں۔ اب آخر میں ہم فضلاء گکھڑ کے ایک ورشہ کا ازالہ
کئے دیتے ہیں۔ سرفراز نے لکھا ہے علامہ ابن امیر الحاج الماسکی نے
اس کے بدعت ہونے کی تصریح کی ہے (تنقید متین ص ۱۵۴)

اس کا جواب شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ کی زبان سے سماعت فرمائیے۔
 ولقد اہتباہ الحاج فی المدخل
 فی الانکار علی من احداثہ الناس
 من البدع والاهواء والغناء بالآلات
 المحرمۃ عند عمل مولد الشریف
 اور ابن الحاج نے مدخل میں ذکر مولد کے
 وقت آلات محرمہ کے ساتھ غنا کو
 بدعات منکرہ اور خواہشات نفسانیہ
 پر سخت انکار کیا ہے۔

(ما ثبت بالسنة ص ۶۰)

اور واضح بات ہے کہ جن امور کو صاحب مدخل نے منع فرمایا ہے وہ کسی کے
 نزدیک بھی جائز نہیں۔ یہ سرفراز صاحب کی سخت مغالطہ افرینی ہے کہ انہوں نے محض
 ابن الحاج کا نام لے کر لوگوں کو مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔

سرفراز صاحب نے نہ تو حضرت مجدد الف ثانی کی عبارت پیش کی اور نہ صاحب
 مدخل کی اصل عبارت پیش کی اور اپنے باطل نظریات کو صاحب مدخل اور حضرت مجدد
 الف ثانی کے سرمنڈھنے کی مذموم کوشش کی ہے۔ شیخ محقق کے کلام سے معلوم ہوتا ہے
 کہ صاحب مدخل نے بدعات محرمہ پر رد کیا ہے جیسا کہ ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اسی
 طرح حضرت مجدد الف ثانی کا بھی بدعات محرمہ پر محمول ہے نہ کہ نفس العقاد محفل پر
 اور اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ صاحب مدخل نے نفس العقاد میلاد کو بدعت کہا
 ہے تو گزائش ہے کہ جب العقاد کے میلاد کے جواز کو ہم قرآن و حدیث اور علماء
 اسلام بلکہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کے کلام سے ثابت کر چکے ہیں تو ان تمام
 کے مقابلہ میں صاحب مدخل کی کیا حیثیت ہے۔ اور اگر آپ کو اسی پر اصرار ہے کہ
 نفس العقاد میلاد بدعت ہے تو معاف کیجئے گا۔ شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالرحیم جو
 نفس العقاد میلاد کو جائز سمجھ کر اس پر عمل کرتے رہے۔ کیا انہیں بھی بدعتی قرار دے
 کر جہنم میں پہنچائے گا؟

دیکھئے شاہ ولی اللہ اپنے والد شاہ عبدالرحیم کے بارے میں لکھتے ہیں :-

اخبرنی سیدای الوالد قال کنت
 میرے والد مکرم فرماتے ہیں کہ میں ایام

مولود شریف میں کھانا پکایا کرتا تھا۔ تاکہ
آپ سے نیاز مندی کا تعلق رہے۔
ایک سال میرے پاس کچھ نہ تھا۔ جس سے
میں کھانا پکا سکوں۔ پس میں نے بھنے ہوئے
چنوں کے سوا کچھ نہ پایا۔ تو میں نے ان کو
لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ حضور
کے پاس وہ چنے رکھے اور آپ بچہ
خوش ہیں۔

اصنع فی ایام المولد طعاما صلۃ
بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم فیتم لی
سنۃ من السنین شیئاً اصنع بہ
طعاما فلما جدا الاحمصا مقلیا
فقسمتہ بین الناس فدایتہ صلی اللہ
وسلم و بین یدیہ ہذا الحمص
مبتحہا بشاشار درمین ص ۴۱
(انفاس العارفين ص ۴۱)

کیا سرفراز صاحب بتلا سکیں گے کہ شاہ عبدالرحیم نے سال کے تین سو پینسٹھ دنوں
میں سے ایام مولود کو کیوں ایصالِ ثواب کے لئے خاص کر لیا تھا۔ نیز اس التزام کے
ساتھ کہ ایصالِ ثواب کے لئے اگر اور کچھ نہ ہو تو بھنے ہوئے چنوں کو ہی تقسیم کر دیا
جائے۔ یہ کس طرح مستحسن ہوگا۔ آپ تو کہتے ہیں کہ:-
مستحب پر اصرار کرنا غیر مستحسن ہے۔ (تنقید تین ص ۵۲)
شاہ عبدالرحیم کے بعد آئے۔ اب آپ کو تمام علماء دیوبند کے مسلم پیر کا فیصلہ بھی
سنو ادیں۔ وہ لکھتے ہیں:-

” اور مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود میں شریک ہوتا ہوں بلکہ ذریعہ
برکات سمجھ کر منعقد کرتا ہوں اور قیام میں لطف و لذت پاتا ہوں۔“

(فیصلہ ہفت مسئلہ ص ۶)

اور اب بھی اگر آپ نفس میلاد کے انعقاد کو بدعت کہیں تو لیجئے خود آپ کی
زبان سے ہی کھلوانے دیتے ہیں۔

” بعض بزرگوں سے ثابت ہے کہ آپ کی ولادت کے دن ایصال
ثواب کرنا اور آپ کے صحیح حالات بیان کرنا۔“ (باب جنت ص ۱۲۴)
اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم نے اس مسئلہ کے اصولی مباحث کو

کتاب سنت اور مبتدعین دیوبند کے کلام سے ثابت کر دیا ہے کہ میلاد شریف میں جو کچھ کرنا ہمارے نزدیک جائز ہے۔ اس کا ذکر با دلائل کر دیا گیا ہے باقی رہے غیر شرعی امور مثلاً مردوزن کے مخلوط اجتماعات فحش گانے۔ آلات مخربہ اور دوسرے فواحش تو نہ ان کا انعقاد میلاد میں دخل ہے۔ نہ وہ ہمارے ذمہ ہیں۔ سرفراز صاحب نے خواہ مخواہ ان کا ذکر کر کے مخالطہ افرینی کی کوشش کی ہے۔ والی اللہ المشتکی علماء دیوبند پہلے کہا کرتے تھے کہ یوم میلاد النبی منانا کنھیآ کے جنم

نی کروٹ | منانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ رشید احمد گنگوہی لکھتے ہیں۔

پس یہ ہر روز اعادہ ولادت کا تو مثل یہود کے کہ سانگ کنھیآ کی ولادت کا ہر سال کرتے ہیں (فتاویٰ میلاد و عرس ص ۱۱)

اس عبارت کو خلیل احمد ابنٹھیوی نے براہین قاطعہ ص ۱۵۲ مطبوع دیوبند میں نقل کر کے اس عبارت کی تصدیق و توثیق کی ہے۔

اور مودودی صاحب نے بھی محفل میلاد کے انعقاد، عید میلاد النبی اور جلوس کے بارے میں کچھ کم پرزہ سرائی نہیں کی چنانچہ لکھتے ہیں!

سب سے پہلے تو آپ کو یہ پوچھنا چاہئے تھا کہ۔ اسلام میں عید میلاد النبی کا تصور بھی ہے یا نہیں اس تہوار کو جسے ہادی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ حقیقت میں اسلامی تہوار ہی نہیں۔ اس کا کوئی ثبوت اسلام میں نہیں ملتا حتیٰ کہ صحابہ کرام نے بھی اس دن کو نہیں منایا۔

افسوس اس تہوار کو دیوالی اور دسہرہ کی شکل دے دی گئی ہے لاکھوں روپیہ برباد کیا جاتا ہے۔ (تذیل ۳ جولائی ۱۹۶۶)

اب دیکھئے ۱۳۹۹ھ میں دیوبند اور جماعت اسلامی کے علماء اور رہنماؤں نے کس جوش و خروش سے یوم عید میلاد النبی منایا عید میلاد کے جلسوں سے خطاب کیا اور جلوس کی قیادت کی۔

جماعت اسلامی کا ترجمان روزنامہ جسارت لکھتا ہے۔

پاکستان قومی اتحاد کے سربراہ مولانا مفتی محمود نے کہا ہے کہ ملک میں اسلامی قوانین کے بعد قومی اتحاد نے وہ مثبت مقصد حاصل کر لیا ہے جس کے لئے اس نے انتھک اور مسلسل تحریک چلائی تھی وہ آج یہاں مسجد نبیلا گنبد پر نماز ظہر کے بعد قومی اتحاد کے زیر اہتمام عید میلاد النبی کے عظیم الشان جلوس کے شرکاء سے خطاب کر رہے تھے اس موقع پر قومی اتحاد کے نائب صدر نوابزادہ نصر اللہ خاں امیر جماعت اسلامی پاکستان میاں محمد طفیل، وفاقی وزیر قدرتی وسائل چودھری رحمت الہی اور مسلم لیگ چٹھہ گروپ کے سیکرٹری جنرل ملک محمد قاسم نے بھی خطاب کیا تقریروں کے بعد مفتی محمود اور دیگر رہنماؤں نے مسجد نبیلا گنبد میں ہی نماز عصر ادا کی جس کے بعد ان رہنماؤں کی قیادت میں یہ عظیم الشان جلوس مختلف راستوں سے مسجد شہداء پر پہنچ کر ختم ہوا جہاں شرکاء جلوس نے مولانا مفتی محمود کی رفاقت میں نماز مغرب ادا کی

(روزنامہ جسارت ۱۱ فروری ۱۹۷۹)

جماعت اسلامی اور دیوبندی ارکان پر مشتمل قومی اتحاد کی حکومت کے دور میں عید میلاد النبی کے موقع پر روزنامہ جنگ کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیے۔
جشن عید میلاد النبی آج جوش و خروش سے منایا جائے گا۔ تقریبات کا آغاز ۲۱ توپوں کی سلامی سے ہوگا۔ گورنر کی صدارت میں جلسہ ہوگا۔ شہر بھر میں جلوس نکالے جائیں گے۔ نشتر پارک آرام باغ اور دیگر علاقوں

میں جلسے ہوں گے۔ (روزنامہ جنگ کراچی ۹ فروری ۱۹۷۲)

روزنامہ حریت کی ایک خبر کی سرخیاں ملاحظہ فرمائیں!
اسلامی قوانین کے نفاذ کے بعد قومی اتحاد کی تحریک کا مثبت مقصد حاصل ہوگا۔ مفتی محمود معاشرے کو مکمل طور پر اسلامی بنانے میں کچھ وقت لگے گا۔ عید میلاد کے موقع پر مفتی محمود کی قیادت میں عظیم الشان جلوس۔

(روزنامہ حریت ۱۱ فروری ۱۹۷۹)

روزنامہ مشرق کی ایک خبر ملاحظہ ہو۔

لاہور ۹ فروری (پ پ ا) قومی اتحاد کے صدر مولانا مفتی محمود اور نائب صدر
نورزادہ نصر اللہ خاں کل یہاں عید میلاد النبی کے جلوس کی قیادت کریں گے
یہ اجلاس نیلا گنبد سے نکل کر مسجد شہداء پر ختم ہوگا۔

(روزنامہ مشرق کراچی ۱۰ فروری ۱۹۷۹)

اب جماعت اسلامی اور دیوبند علماء خود فیصلہ کر لیں کہ یہ یا تو عید میلاد النبی کے
جلسے اور جلوس وغیرہ کرنے اور دن کو نہاتے کے بارے ان کے فتوے غلط اور باطل
یا ان کا موجودہ کردار باطل اور منافقت پر مبنی ہے۔

تفویض احکام

یا ایھا الذین امنوا تسئلوا عن اشیاء کے شان نزول میں صدر الاصل رحمہ اللہ نے فرمایا۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں حج فرض ہونے کا بیان فرمایا۔ اس پر ایک شخص نے کہا کیا ہر سال فرض ہے حضرت نے سکوت فرمایا۔ سائل نے سوال کئی تکرار کی۔ تو ارشاد فرمایا کہ جو میں بیان نہ کروں۔ اس کے درپے نہ ہو۔ اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ مسئلہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ احکام حضور کو مفوض ہیں۔ جو فرض فرمادیں وہ فرض ہو جاوے۔ نہ فرمائیں تو نہ ہو۔

اب آپ اس عبارت پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیں۔
 تنقید۔ مولوی نعیم الدین صاحب نے مسئلہ کے عنوان میں جو لکھا ہے۔
 وہ سراسر باطل اور روح اسلام کے قطعی خلاف ہے۔ (اولاً) اس لئے کہ رسول اور نبی کے معنی پیغام رسال اور خبر دینے والے کے ہوتے ہیں یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے حلال یا حرام کر دیا رسول کا کام یہ ہے کہ وہ وحی پا کر لوگوں کے سامنے ان احکام کی علت و حرمت پیش کرے اور ان کو ان احکام کی اطلاع دے کہ خبردار کرے کہ ان احکام پر عمل پیرا ہونے کا صلہ یہ ہوگا۔ اور خلاف ورزی کرنے کا وبال دنیا و آخرت میں یوں بھگتنا پڑے گا۔ رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں تاکہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو چاہیں نافذ کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں۔ (تنقید متین ص ۱۵۷)

مقام نبوت | سرفراز صاحب نے پرویزی زبان سے جس طرح اس عبارت

میں منکرین حدیث کی ترجمانی کی ہے۔ وہ دردمندان ملت سے مخفی نہیں ہے منصب رسالت کو صرف خبر رسائی میں بند کر دینا مقام نبوت سے جہالت اور عظمت رسالت سے عناد کی بدترین مثال ہے۔ آئیے۔ اب ہم آپ کے سامنے کتاب سنت اور اقوال علماء کی روشنی میں مقام نبوت کی چند جھلکیاں پیش کرتے ہیں۔ قرآن مجید اعلان ہے۔

آپ کے رب کی قسم اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ یہ اپنے اختلافی معاملات میں اپنی حاکمیت تسلیم نہ کر لیں اور پھر اپنے دل میں اس کے خلاف کوئی تنگی بھی نہ پائیں۔

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموا
فيها شجر بينهم ولا يجردوا
في الفسح وجر جأما قضيت و
يسلموا تسليما۔

اور ہم نے کسی رسول کو نہیں بھیجا مگر اسلئے کہ اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تمہیں محبوب بنائے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا
ليطاع باذن اللہ۔
قل ان كنتم تحبون الله
فاتبعوني يحبكم الله
ويغفر لكم
ذنوبكم والله غفور رحيم۔

کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کیلئے جائز نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے دیں تو پھر ان مومنین کو اللہ اور رسول کے اس کام میں کوئی اختیار باقی رہے۔

وما كان لهن ولا مؤمنة
اذا قضى الله ورسوله امرا ان
يكون لهن الا خيرة من
امرهن۔

بالتحقیق اللہ نے مسلمانوں پر احسان فرمایا کہ رسول کو ان میں انہیں میں سے مبعوث فرمایا کہ جو ان پر قرآن پاک کی آیات تلاوت کرتے ہیں اور ان کا تذکرہ کرتے ہیں اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔

لقد من الله على المؤمنين
اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم
يتلوا عليهم اياتها ويزكاهم
ويعلمهم الكتاب
والحكمة (الآیتا)

مذکورہ بالا آیات سے جو فوائد حاصل ہوئے۔ وہ یہ ہیں۔ نبی علیہ السلام کی حاکمیت واجب التسلیم ہے۔ واجب الاطاعت ہے۔ جب آپ کسی کام کا حکم فرمائیں۔ تو اس کو نہ ماننے کی کسی مسلمان کو گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی اتباع کو اپنی پسند کا معیار قرار دیا۔ آپ کو تعلیم اور تہذیب کا منصب عطا فرمایا۔ اس کے برعکس سرفراز رضا کا ارشاد ہے کہ:-

”نبی کا کام ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے احکام کی حلت و حرمت پیش کرے
رسول اور نبی کو ہرگز یہ اختیار نہیں ہوتا کہ وہ اپنی طرف سے جس فرض کو
چاہیں نافذ کر دیں یا جس حکم کو چاہیں فرض نہ کریں“

ملا علی قاری رحمہ اللہ اور شبیر
احمد عثمانی لکھتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کے اختیارات

اسی وجہ سے ہمارے ائمہ کرام اس بات کو نبی علیہ السلام کے خصائص میں شمار کیا ہے کہ آپ جس کو چاہیں جس حکم کے ساتھ چاہیں خاص کر لیں جس طرح آپ نے خزیمہ بن ثابت کی تنہا شہادت کو دو شہادتوں کے قائم کر دیا (بخاری) حالانکہ اختلافی معاملہ میں قرآنی حکم سے ایک مرد کی گواہی جائز نہیں) اور جس طرح آپ نے ام عطیہ کو آل فلاں کیلئے نوحہ کرنے کی اجازت دیدی (مسلم) جبکہ بالعموم نوحہ کرنا ممنوع تھا) اور علامہ تودی نے فرمایا کہ شارع علیہ السلام کے لئے جائز ہے کہ وہ عموم احکام میں سے جسے چاہیں خاص فرمائیں اور جس طرح ابی بردہ بن نیار کو آپ نے ایک سال سے کم عمر کے بکرے کی قربانی کی اجازت دیدی

ومن ثم عد المتنا من خصائصه
عليه السلام انه يخص من
شاء بما شاء كجعله شهادة
خزيمة بن ثابت شهادتين
رواه البخاري وكتريخيه
في النياحة لام عطية في
الفلان خاصة سراواة مسلم
قال النوري للشارع
ان يخص من العموم
ما شاء وبالضحية
بالعناق لابي بردة
بن نيار وغيره .

(مرقات ج ۲ ص ۳۲۳)

و فتح المسلم ۲۰ ص ۹۶ جبکہ دوسری کیلئے ایک سال کی عمر سے کم کی قربانی جائز نہیں
 ویدہ عرفان کے لئے عظمت کے یہ چمکتے ہوئے ستارے ہیں جس اختیار کو ائمہ
 کرام نے نبی علیہ السلام کی خصوصیت اور فضیلت ثابت کرنے کے لئے بیان کیا
 اسی اختیار کا انکار کر کے اور نبی علیہ السلام کی اس فضیلت کو رد کر کے سرفراز صاحب
 نے اپنی جس فرومایہ ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے وہ کسی تبصرہ کی محتاج نہیں ہے۔
 ملا علی قاری امام نودی اور دیگر ائمہ اہل سنت کے علاوہ فریق مخالف کے شیخ
 اسلام شبیر احمد عثمانی کا یہی عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام عموم احکام میں سے جس کو چاہیں
 خاص فرمائیں۔ اب اگر آپ کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور رافضیوں کا خاصہ ہے۔ تو
 گستاخی معاف اس تیر کا پہلا نشانہ اپنے شیخ الاسلام کو بنائیے۔ اس کے ائمہ اہلسنت
 کو ہدف بنائے گا۔ جن فاسد عقائد کا سرفراز صاحب نے آج اظہار کیا ہے
 وہ نبی علیہ السلام پر چودہ سو سال پہلے منکشف تھے اور آپ نے غیر مبہم الفاظ میں ان
 کی نشان دہی فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے۔

آگاہ رہو نزدیک ہے کہ ایک مستغنی اور
 متکبر تخت نشین کہے گا۔ کہ قرآن کو لازم کر لو۔
 پس جو اس میں حلال پاؤ وہ حلال سمجھو اور جو
 اس میں حرام پاؤ اسے حرام سمجھو۔ حالانکہ جسے اللہ
 کے رسول نے حرام فرما دیا وہ ایسا ہی حرام ہے

الایوشک رجل شعبان علی
 اریکتہ یقول علیکم بهذا القرآن فما
 وجدتم فیہ من حلال فحلوا وما
 وجدتم فیہ من حرام فحرموا و
 ان ما حرم رسول اللہ كما حرم

جس طرح اللہ نے حرام فرمایا ہو

اللہ۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۹)

تحت تنقیص پر متمکن ہو کر نبی علیہ السلام کے تشریحی اختیارات اور خصوصی فضیلتوں
 کا انکار کر کے سرفراز صاحب نے اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کا حریت بنانے کی
 کوشش کی ہے بلکہ سرفراز صاحب کو تو اپنی ہوائے نفسانی سے بتیر کسی صریح دلیل
 کے میلاد و عرس۔ ایصال ثواب وغیرہ امور کو ناجائز قرار دے کر حلال کو حرام اختیار
 ہے اور سرور کائنات کو کسی شے کی فرضیت اور وجوب کے نافذ کرنے کا بھی اختیار

نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

تفویض کا ثبوت | حضرت امام مسلم اپنی سند کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی علیہ السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اگر میں مسلمانوں پر دشوار نہ سمجھتا تو انہیں ہر نماز کے سواک کا حکم دیتا۔

عن ابی ہریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لولا اشدق علی المؤمنین و فی زہیر علی امتی لا مرہم بالسواک عند کل صلوة۔

اس آیت کی شرح میں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی

لکھتے ہیں۔

ای وجوباً کما فی المرقاة - فتح الملہم ج ۱۷ ص ۲۱۵

ملا علی قاری حنفی اور شبیر احمد عثمانی کے بیان کی روشنی میں اس حدیث کا معنی یہ

ہوگا۔ کہ نبی علیہ السلام کو سواک واجب کرنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی مانع نہ تھا۔ کہ آپ اس حکم کو امت پر دشوار سمجھتے تھے۔ پس بجز اللہ یہ امر ثابت ہو گیا۔ کہ غیر وحی شدہ امور میں فرہیت اور وجوب کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض تھے۔ کہ آپ جس طرح چاہیں مشروع فرمائیں۔

مسلم شریف کی جس حدیث کا صدر الافاضل بجز اللہ نے تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی

حدیث کے تحت ملا علی قاری تحریر فرماتے ہیں۔

طیبی شافعی نے بیان کیا کہ بعض لوگوں نے

کہا کہ احکام کو واجب کرنا آپ کی طرف

مفوض ہے اور یہ صحیح نہیں کیونکہ حج ہر

سال فرض ہونے کے جواب میں آپ کا ہاں فرمانا

عام ہے کہ آپ نے اپنی طرف سے کہا ہو یا وحی

سے یا جہاد سے اس بات کو طیبی نے ذکر کیا

قال الطیبی قیل دل علی ان

الایجاب کان مفوضاً الیہ ورد

بان قولہ لوقلت لعمراہ من ان

یکون من تلقاً نفسہ او بوحی

نازل او بدای یراہ ان جوڑنا

لما الاجتہاد ذکرہ الطیبی

وفيه ان التفويض اليه ايضا (اور ملا علی قاری حنفی نے مزقات سے فرمایا)
اعرف لا يكون مردوداً۔ کہ طیبی کا یہ قول باطل ہے کہ جس طرح آپ کا

فرمان ہاں عام ہے اسی طرح تفویض بھی عام ہے۔ یعنی احکام کا ایجاب آپ کی طرف و جیاب بھی مفوض ہے اور اجتہاد بھی آپ کی اپنی مرضی سے۔ پس تفویض کا قول مردود نہیں ہو سکتا۔

ملا علی قاری کی اس عبارت سے یہ امر ظاہر ہوا کہ ملا علی قاری بھی احکام کو مفوض مانتے ہیں۔ پس اگر احکام کو تفویض کی مد میں شمار کرنا خالص جہالت تھی تو اب ملا علی قاری پر کیا فتویٰ لکائیے گا؟

اور یہ ہیں تمام علماء ہند کے واحد استاد شیخ عبدالحق محدث دہلوی جن کے دم کرم سے ہندوستان میں علم حدیث پھیلا۔ یہ اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں۔
وظاہر ایں حدیث در آل است کہ احکام مفوض اند با حضرت چنانکہ مذہب بعضے است۔
اور اس حدیث کا ظاہر مطلب یہ ہے کہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں۔ جس طرح بعض علماء کا مسلک ہے۔

(اشعة اللمعات)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

این بر مذہب مختار کہے گویند احکام مفوض است باں حضرت ہر چہ نخواہد کند و ہر کہ نخواہد نکند و ہر کہ نخواہد تخصیص نماید ظاہر است۔
صحیح اور مختار مذہب ہے جو کہتے ہیں کہ احکام نبی علیہ السلام کی طرف مفوض ہیں جو چاہیں کریں اور جو چاہیں نہ کریں اور جس کو چاہیں خاص فرمائیں۔

(اشعة اللمعات ج ۲ ص ۱۲۳)

ان حوالوں سے یہ ظاہر ہو گیا کہ شیخ محقق کے نزدیک صحیح مذہب یہ ہے۔ احکام آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مفوض ہیں۔ اب دیکھئے کہ سرفراز صاحب مستند علماء میں سے کس کس کو جاہل بنا کر اپنی عاقبت سنوارتے ہیں۔ اب آخر میں ہم مخالفین کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبندی کا حوالہ پیش کرتے ہیں اور سرفراز صاحب کی بیانتاری

سے توقع ہے کہ وہ انہیں بھی خالص جاہل بنانے سے دریغ نہیں کریں گے بشیر احمد عثمانی
دیوبندی مسلم کی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں جس کے ذیل میں صدر الافاضل نے
فرمایا کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔

کہا گیا ہے کہ احکام کو واجب کرنا نبی علیہ السلام
کی طرف مفوض ہے

قیل دل علی ان الایجاب کان
مفوضا الیہ۔ (فتح الملہم ج ۳ ص ۳۷۴)

سرفراز صاحب نے زیر نظر مضمون میں
منصب نبوت پر دوسرا جملہ ان الفاظ

سرفراز صاحب کی جسارت

سے کیا ہے۔

ثانیاً اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خاص خانگی مصلحت
کے پیش نظر صرف اپنی ذات مقدسہ کے لئے حلف اٹھا کر شہد حرام
کر دیا تھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ تہیہ نازل ہوئی۔ یا یہاں

الذی لو تحرم ما احل اللہ لک۔ (تنقید متین ص ۱۵۸)

فقہاء کرام نے تصریح کی ہے کہ حلال کو حرام کرنا کفر ہے۔ پس یہ عناد نبوت
کا کیسا شرمناک مظاہرہ ہے کہ سرفراز صاحب بغیر کسی تاویل کے ایک کفر خالص
کو نبی علیہ السلام کی طرف منسوب کرتے کی جسارت کر رہے ہیں۔

دیکھئے امام رازی اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

بحث ثانی یہ ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کی

البحث الثانی تحذیم ما احل اللہ

تحریم غیر ممکن ہے اسلئے کہ حلال کرنا جانب

تعالیٰ غیر ممکن لہا ان الاحلال

حلت کی تزییح ہے اور تحریم جانب حرمت

تدرجیم جانب الحل والتدریم تدرجیم

کی تزییح ہے پس ان دونوں تزییحوں کے اجتماع

جانب المحرمۃ والاحلال للاجتماع

کی کوئی گنجائش نہیں پھر اس آیت کا کیا معنی

بین التدرجیمین فکیف یقال لو

ہوگا ہم جو اب میں کہتے ہیں کہ اس تحریم

تحرم ما احل اللہ۔ نقول المراد من

سے سراد ازواج مطہرات سے نفع

هذا التحذیم هو الامتناع عن

نہ حاصل کرنا ہے نہ کہ اللہ کے حلال کرنے کے بعد اس کی حرمت کا اعتقاد کرنا۔ پس نبی علیہ السلام ازواج سے نفع حاصل کرنے سے رک گئے تھے باوجود اس کی حلت کے اعتقاد کے اور جس شخص نے یہ اعتقاد کیا۔ یہ تحریم بعینہ اللہ کے حلال کردہ کی تحریم ہے پس وہ شخص کافر ہو گیا لہذا نبی علیہ السلام کی طرف اس اعتقاد کی نسبت کس طرح کی جاسکتی ہے۔

الانتفاء بالازواج لا اعتقاد کونہ حراما بعد ما احل الله تعالى فالنبی (صلی اللہ علیہ وسلم) امتنع عن الانتفاء معها مع اعتقاده بكونه حلالا ومن اعتقد ان هذا التحريم هو تحريم ما احل الله تعالى بعينه فقد كفر فكيف يضاف الى الرسول صلى الله عليه وسلم مثل هذا۔

نوٹ۔ مفسرین کرام کا اس بات میں اختلاف ہے کہ تحریم کس امر پر واقع ہوئی بعض روایات سے ثابت ہے کہ آپ نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ اور ازواج سے کنارہ کش ہو گئے تھے۔ اور بعض سے ثابت ہے کہ تحریم شہد پر واقع ہوئی۔ امام رازی کا یہ کلام پہلی صورت پر مبنی ہے اور دوسری صورت کا بھی یہی حکم ہے۔

سرفراز صاحب نے اس بحث میں جس قدر گفتگو کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہی ہے کہ آپ نے حلال کو حرام کر دیا اور اس آیت میں اس حلال کو حرام کرنے سے روکا گیا پس ثابت ہوا کہ احکام مفوض نہیں ہیں اور امام رازی کی تفسیر سے جواب واضح ہو گیا ہے کہ یہ گفتگو جس شبہ پر قائم ہے۔ وہ شبہ باطل اور بے بنیاد ہے کیونکہ آپ نے حلال کو حرام نہیں کیا۔ بلکہ یہ نو کفر صریح ہے۔ البتہ آپ نے اپنے آپ کو ایک حلال چیز سے نفع حاصل کرنے سے حلال سمجھتے ہوں روک لیا تھا۔ اور یہ امتناع عن المحلال تو ہر آدمی کو مفوض ہے۔ چہ جائیکہ حضور کو مفوض نہ ہو۔

سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۵۸ پر نبی علیہ السلام پر یہ افترا باندھا کہ آپ نے اپنے اوپر شہد حرام کر لیا تھا اور ص ۱۵۹ پر ایک روایت اس طرح نقل کی۔

انی لست احمم حلالاً الخ میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔
 سرفراز صاحب اپنی عبارت کے توازن کو دو صفحوں میں بھی قائم نہ رکھ سکے کہ
 ص ۱۵۸ پر انہوں نے دعویٰ کیا کہ حضور نے ایک امر حلال کو حرام کر لیا۔ اور ص ۱۵۹ پر
 کہا کہ حضور نے کسی حلال کو حرام نہیں کیا۔ لیکن چلئے ہم اس تعارض سے بھی قطع نظر کئے
 جیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو حضور کے قول پر بھی اعتبار نہیں۔
 حضور تو قسم کھا کر فرماتے ہیں۔

واللہ مالی ان احمم ما احل اللہ۔ خدا کی قسم میں کسی حلال کو حرام نہیں کرتا۔
 پھر آپ کو حضور کی قسم پر بھی اعتبار نہ آیا؟ جو آپ بار بار کہتے ہیں کہ حضور نے
 حلال کو حرام کر لیا تھا۔

احادیث میں سرفراز صاحب کا شبہ | مقام تبوت پر تیسرا جملہ
 سرفراز صاحب نے احادیث

کے مفہوم میں خیانت اور تحریف کیا ہے۔ ہم قارئین کی عدالت میں احادیث کے
 ان الفاظ کو پیش کرتے ہیں سرفراز صاحب کے استدلال کا مرکزی نقطہ میں۔

(۱) انی لست احمم حلالاً و لا احل حراماً۔
 نہ میں حرام کو حلال کرتا ہوں نہ
 حلال کو حرام۔

(۲) انما یس لی تحریماً
 احل اللہ لی۔
 میرے لئے اس چیز کو حرام کرنا جائز نہیں جسے
 اللہ نے میرے لئے حلال کر دیا۔

(۳) واللہ مالی ان احمم ما
 حل اللہ لی۔
 خدا کی قسم میرے لئے اللہ کے حلال کردہ کو
 حرام کرنا جائز نہیں۔

ان احادیث کو نقل کر کے سرفراز صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضور کو چونکہ
 اللہ کے حلال کو حرام کرنے کا اختیار نہیں لہذا تفویض احکام کا بطلان ہو گیا۔
 مخالفین کے محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ تفویض احکام کا مطلب یہ ہے کہ غیر منصوص
 احکام میں شیا طیبہ کو حلال اور اشیا نجیثہ کو حرام قرار دیا جائے۔ نہ یہ کہ اللہ کے حلال

کردہ کو حرام یا حرام کردہ کو حلال کیا جائے کیونکہ یہ تو کفر خالص ہے اور اس میں جو ازبیا
عدم جواز کا نزاع دیوبند کے کسی فاضل سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔

سرفراز صاحب نے اس دعویٰ پر ایک اور حدیث پیش کی ہے جس کے استدلال
کا بنیادی نقطہ پیش خدمت ہے۔

لا ائی الا حل الاما
احل الله في كتابه و
لا احرم الا ما حرم الله
عز وجل في كتابه۔

نبرداری میں نہیں حلال کرتا کسی شئی کو مگر
جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا
اور حرام نہیں کرتا کسی شئی کو مگر جسے اللہ
نے اپنی کتاب میں حرام کیا۔

یہ حدیث اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے اور نہ ان بے شمار احادیث سے تعارض
لازم آئے گا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کثیر اشیاء کی حرمت یا حلت کو
بیان فرمایا۔ اور ان کا قرآن میں ذکر نہیں۔ اور ان کی حرمت صرف حدیث رسول سے
ثابت ہے۔ اس معنی کو وہ خود ہی حل کریں۔ کہ درندوں اور گدھوں کا گوشت کھانے
سے اب کیا چیز مانع ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ میں تو ان کی حرمت کا کوئی ذکر نہیں۔ دیوبند
کے اکابر نے کتے کو حلال کیا اور اہل ماغر نے درندوں اور گدھوں پر بھی ہاتھ صاف
کر دیا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ آدم برسر مطلب۔

مذکورہ بالا وجوہات کی بناء پر یہ حدیث اپنے ظاہر محمول نہیں ہے۔ اور اس
کا صاف اور بے غبار مفہوم یہی ہے کہ وحی جلی سے القا کردہ اور منصوص احکام میں
حلال اور حرام وہی ہیں جن کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اور یہ بات ہمارے دعویٰ کے
کسی طرح منافی نہیں ہے۔

سرفراز صاحب نے رسول اللہ صلی
علیہ وسلم سے تفویض کی نفی کرنے کے

علماء امت اور تفویض احکام

لئے علماء امت کے چند حوالے پیش کئے ہیں چنانچہ امام عبدالوہاب شہرانی مرجع
الصوفیہ شیخ اکبر کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

ہم یقینا جانتے ہیں کہ شارع صرف اللہ تعالیٰ ہی
کی ذات ہے (پھر آگے فرمایا) جناب سولہ صلی
اللہ علیہ وسلم تو اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے والے تھے
جن امور کا اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے آپ اپنی طرف
سے آپ کوئی بات نہیں کرتے تھے۔

نحن نعلم ان الشارع هو الله تعالى
الذي ان قال) فانه صلى الله عليه
وسلم مبلغ عن الله احكامه فيما
اراد الله تعالى لا ينطق قط عن نفسه
(تنقيح مبين ص ۱۶۲)

اس عبارت میں کہیں بھی یہ تصریح نہیں ہے کہ غیر منصوص احکام حضور کو مفوض نہیں
ہیں بلکہ منقولہ عبارت کا سیاق و سباق جو مفہوم پیش کرتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ حضور نے
جن امور کو مباح کیا۔ وہ مباح ہی رہیں گے۔ کیونکہ اگر ان میں کوئی خدشہ ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ
آپ کو مطلع فرمادیتا اور آپ اسے مباح نہ فرماتے۔ پس وہ تمام احکامات جنہیں آپ
نے صادر فرمایا منشأ الوہیت کے مطابق ہیں۔ چنانچہ امام شحرانی اس منقولہ عبارت
سے پہلے شیخ اکبر کا کلام نقل کرتے ہیں۔

جن امور کو شارع علیہ السلام نے مباح کیا ہے
انہیں ناپسند کرنے سے بچو۔ اور اس زمانہ میں یہ امر
کثیر الوقوع ہے لوگ کہتے ہیں۔ کہ اگر حضور صلی
اللہ علیہ وسلم اس زمانہ کو پالیتے۔ تو
آپ بھی مباح نہ فرماتے اور لوگوں کو منع
کرتے (پھر اس کے بعد جواب میں فرمایا)
اگر ایسا بھی ہوتا۔ تو اللہ تعالیٰ رسول
صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بیان
فرمادیتا۔ کہ اباحت عارضی ہے۔

ايك ان تدرى امور قد اباحها
الشارع صلى الله عليه وسلم فتكره
ذلك (الى ان قال) واما اليوم فقد
نشأ في غالب الناس ويقولون
لو ادرك ذلك رسول الله صلى الله
عليه وسلم منع الناس منه (الى ان
قال) ولو كانت اباحت ذلك الامر
خاصة بقوم دون اخيرين بينها تعالى
على لسان رسول الله صلى الله عليه وسلم

اس کلام میں بھی تصریح موجود ہے کہ نبی علیہ السلام شارع ہیں اور یہ کہ بعض احکام
کو آپ نے مباح فرمایا رہا یہ سوال کہ آگے چل کر وہ شارع ہوا اللہ کہہ کر شارعیت
کا حصر اللہ تعالیٰ میں کر رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ حضور کی شارعیت چونکہ

اللہ کے تقرر سے ہے۔ اس لئے آپ کی شاریعت کا رجوع بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور اصلاً شارع نہیں ہیں۔ ورنہ خود شیخ کے کلام میں تضاد لازم آئے گا۔

آئیے اب امام شعرانی کے کلام سے منوائے دیتے ہیں کہ بعض احکام حضور کو مفوض ہیں۔ دیکھئے امام شعرانی فرماتے ہیں۔

فان ما فرضه الله تعالى اشده
مما فرضه رسول الله صلى الله
عليه وسلم من ذات نفسه

جس چیز کو اللہ تعالیٰ فرض کرے اسکی
فرضیت اس سے زیادہ اہم ہے کہ جس کو رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے فرض کریں۔

(میزان البکری ج ۱ ص ۱۲۲)

سرفراز صاحب نے تین عبارتیں پیش کی ہیں۔

(۱) ابو جعفر النخاس سے۔

وهكذا سبيل الاحكام
انما تكون من قبل الله عز وجل

اور احکام کا یہی طریقہ ہے کہ وہ سب
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

(۲) ابن ہمام سے۔

الحاكم لا خلاف في
اننا الله رب العالمين

اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حکم دینے والا
صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو تمام جہانوں
کا پروردگار ہے۔

(۳) محب اللہ بہاری سے۔

لا حاكم الا من الله

حکم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے
ہوتا ہے۔

(تنقید متین ص ۱۶۳)

ان تینوں عبارتوں کا محل اس کے سوا کچھ نہیں کہ رسول اللہ کا حکم دینا۔ چونکہ
اللہ تعالیٰ کے اذن اور اس کے تقرر سے ہے اس لئے وہ احکام اللہ تعالیٰ
کی طرف سے متصور ہوں گے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ کو اصلاً کسی حکم دینے

کا اختیار نہیں۔

علامہ عینی صاحب عمدة القاری سے!

ان التحلیل والتحریر من
عند الله لا مدخل لبشریه۔

کسی چیز کو حلال یا حرام کرنا اللہ تعالیٰ کی
طرف سے ہوتا ہے کسی بشر کا اس میں دخل
نہیں ہے۔

(تنقید متین ص ۱۶۴)

یہ عبارت بھی اپنے ظاہر پر محمول نہیں ہے۔ کیونکہ حضور نے بیشمار چیزوں
کو حرام فرمایا۔ اور ان کی نسبت اپنی طرف کی چنانچہ ورنڈے اور پنجوں
سے شکار کرنے والے پرندے۔ پالتو گدھے وغیرہ اسی قبیل سے ہیں
نیز حضور نے فرمایا ان ما حرم رسول الله كما حرم الله۔

(مشکوٰۃ ص ۲۹)

رسول اللہ کا حرام کرنا ایسا ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ حرام کرے (یوں نہیں
فرمایا۔ ان ما حرم رسول الله هو ما حرم الله) جس چیز کو رسول اللہ نے حرام
کیا۔ یہ وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا، اس لئے لامحالہ علامہ عینی کا کلام
محل تاویل میں ہے۔ پس کہا جائے گا کہ یہ حصر اضافی ہے۔ اور اگر رسول اللہ کی
تحریم کو اللہ تعالیٰ کی تحریم کی طرف لوٹایا جائے۔ تو وہ حصر حقیقی بھی ہو سکتا ہے۔
لطف کی بات یہ ہے کہ سرفراز صاحب نے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کلام بھی
اسی فہرست میں پیش کر دیا اور اس کلام سے بزعم خویش تفویض کا رد کر دیا۔ حالانکہ
شیخ محقق صاف صاف اعلان فرماتے ہیں۔ کہ احکام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو مفوض ہیں اور صحیح مذہب یہی ہے۔

سرفراز صاحب شیخ صاحب سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اسناد تحریم بہ حضرت ابراہیم علیہ السلام از جہت آل باشد کہ دے
رسانید و اعلام کرد حکم آنها زیرا کہ حاکم بشر ائح و احکام خدا تعالیٰ
است و حکم دے قدیم است۔ انبیا علیہم السلام رسانید احکام اند

د اشعة اللغات ج ۲ ص ۱۷۸ - تنقید تین ص ۱۶۴

الجواب۔ نجانے سرفراز صاحب نے اس عبارت کا ترجمہ کس مصلحت اور حکمت کے پیش نظر نہیں کیا۔ بہر حال قارئین کی سہولت کے پیش نظر ہم اس کا ترجمہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔

دکھ کی (تحریم کا اسناد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے احکام پہنچانے والے ہیں۔ کیونکہ شریعتوں اور احکام کا بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ اور اس کا حکم قدیم ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام ان احکام کے پہنچانے والے ہیں۔

ہم پہلے اشعة اللغات سے نقل کر چکے ہیں کہ شیخ کے نزدیک صحیح مذہب یہی ہے کہ احکام آپ کی طرف مفوض ہیں۔ اور قارئین کرام کی ضیافت طبع کے لئے ایک اور حوالہ پیش خدمت ہے۔

شیخ محقق فرماتے ہیں۔

صحیح اور پسندیدہ مذہب یہی ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جو چاہیں جس پر چاہیں حکم نافذ فرمائیں ایک فعل کو کسی پر حرام کریں اور وہ کسی کے لئے مباح فرمادیں اور اس کی متعدد مثالیں ہیں۔

و مذہب صحیح و مختار آنست کہ احکام مفوض است بحضرت سالت صلی اللہ علیہ وسلم بہر کہ و بہر چہ خواہد حکم کند و بردیگرے مباح کرداند و این را امثلہ بسیار است

(مدارج النبوت ج ۲ ص ۱۸۳)

غالباً اب یہ بات قارئین کرام پر روشن ہو گئی ہوگی کہ اللہ تعالیٰ کا حاکم شرع ہونا اس بات کے قطعاً منافی نہیں۔ کہ احکام حضور کو مفوض ہوں۔ کیونکہ شیخ صاحب نے تصریح کی ہے کہ احکام کا بنانے والا اور شارع اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ احکام حضور کو مفوض ہیں پس ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا واضح اور شارع ہونا تفویض کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ تمام عبارتیں جو سرفراز صاحب نے

اس مدعا پر پیش کی ہیں۔ ان کے مطلوب کو ثابت نہیں کرتیں۔

اس پوری بحث میں صرف شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز کی دو عیارتیں ایسی ہیں۔ جو تفویض کے بظاہر خلاف ہیں۔ لیکن اس سے ہم کو ضرر نہیں پہنچتا۔ کیونکہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے کب یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ مسئلہ اتفاقی اور اجتماعی ہے۔ لہذا بعض کا اختلاف ہمیں مضر نہیں۔ ہم نے پہلے تصریح کی ہے۔ کہ مذہب مختار یہ ہے کہ احکام حضور کو مفوض ہیں جیسا کہ ہم شیخ محقق سے نقل کر چکے ہیں۔ اب آپ غیر مختار مذہب پر اعتماد کریں تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ دوسری گزارش یہ ہے کہ شاہ عبدالعزیز نے تفویض سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

زیرا کہ منصب پیغمبری رسالت و کیونکہ رسول اللہ کا منصب بس احکام پہنچانا اور ایچی گریسیت نہ تیا بت خدا۔ ایچی کا کام کرنا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کا نائب ہونا اور آپ کے مسلک کے اصل بانی ابن تیمیہ سمجھتے ہیں۔

وقد اقام اللہ مقام نفسه اللہ تعالیٰ نے حضور کو امر نہی خبر دینے فی امر ونہیہ واخبارہ و بیانہ اور بیان کرنے میں اپنا نائب مقرر کیا ہے۔

(الصارم المسلول ص ۴۱)

اب دیکھئے۔ آپ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ حضور اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں دوسرا کہتا ہے کہ نائب نہیں ہیں۔ اب آپ کس کی بات مانیں گے اور کس کو رد کریں گے۔ اسی بحث میں سرفراز صاحب سمجھتے ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانی باطل فرقوں میں شیعہ کے المفوضہ

افسوسناک خیانت

فرقہ اور عقیدہ کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

ان باطل فرقوں میں سے ایک فرقہ مفوضہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تدبیر ائمہ کو تفویض کر دی ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آل حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جبارہ

المفوضہ فہم القائلون ان اللہ فوض تدبیر المخلوق علی الائمہ وان اللہ تعالیٰ اقدار النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی خلق العالم

وتدبیر - رعنیۃ الطالبین
ص ۲۲۱ - طبع رفیق عام لاہوی

کے پیدا کرنے اور اس کی تدبیر کرنے کی
قدرت عطا کی ہے۔

اہلسنت و الجماعت کے مشہور متکلم اور فلسفی علامہ سید شریف جرجانی اہل سنتی
المتوفی ۸۱۶ھ علم کلام کی مشہور اور مستند کتاب شرح مواقف میں لکھتے ہیں۔
المفوضۃ قالوا ان اللہ فوض
خلق الدنیا الی محمد صلی اللہ علیہ
وسلم ای اللہ خلق محمد صلی اللہ
علیہ وسلم وفوض الیہ خلق الدنیا
فہو الخلاق بها وبما فیہا۔

مفوضہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت
محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور دنیا و ما
فیہا کی پیدائش آپ کو تفویض کر دی ہے اب
دنیا و ما فیہا میں جو کچھ ہے وہ حضور صلی
اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا ہے۔

(شرح مواقف ص ۵۴، طبع نول کشور)

ملاحظہ فرمائیے کہ مولوی نعیم الدین صاحب کا قارورہ کس جماعت سے

جا ملا ہے۔ (تفہیم ص ۱۶۷)

تحریف خیانت اور بددیانتی کی یہ انتہائی بدترین مثال ہے شیخ عبدالقادر جیلانی
رحمۃ اللہ علیہ و تعالیٰ اور علامہ جرجانی نے شیعہ کے فرقہ مفوضہ سے ان لوگوں کو شمار کیا ہے
جو جہان کی پیدائش اور خلق اور تدبیر کو نبی علیہ السلام کی طرف تفویض کرتے ہیں۔ کہاں
صفت خلق کی تفویض اور کہاں احکام کی تفویض کیا ان دونوں کا سرفراز صاحب کو فوق
نظر نہیں آتا۔ ہم بحث استعانت میں امر کی تحقیق کر چکے مخلوق کا کوئی فرد بھی کسی
امر کی تخلیق نہیں کرتا۔ اور جبکہ اہلسنت کے نزدیک اعراض کا خلق بھی غیر خدا کے لئے
جائز نہیں۔ چہ جائیکہ تمام جہان کے خلق کی نسبت غیر خدا کی طرف جائے پس غیر منصوص
احکام میں تفویض کو تخلیق عالم پر قیاس کرنا محض غلط اور باطل ہے۔

والی اللہ المشتکی

امتناع کذب

اللہ ملک السموات والارض
وما فیہن وهو علی کل
شیء قدير۔
اللہ ہی کے لئے ہے اور آسمان اور جو
کچھ ان میں ہے۔ سب کی سلطنت
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ارقام فرماتے ہیں۔
صَادِقٌ كُوْتُوَابٍ وَيُنِيْءُ بِهَا كَاذِبٍ كُوْعَذَابٍ دِيْنِيْءٍ پْرَبْهِيْءٍ

مسئلہ۔ قدرت ممکنات سے متعلق ہوتی ہے۔ نہ کہ واجبات اور محالات سے
تو معنی آیت کے یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر امر ممکن الوجود پر قادر ہے (جمل)

مسئلہ کذب وغیرہ عیوب و قبائح۔ اللہ سبحانہ و تبارک و تعالیٰ کے لئے محال
ہیں۔ ان کو تحت قدرت بنانا اور اس آیت سے سد لانا غلط اور باطل ہے۔

سرفراز صاحب صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ کے کلام پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں
مولوی نعیم الدین صاحب اس عبارت میں الفاظ کا چکرے کر کذب وغیرہ
عیوب و قبائح کا جملہ استعمال کر کے اپنے جماعتی تخریب اور گروہ بندی کا
ثبوت فراہم کر رہے ہیں۔ کیونکہ اگر مشرک کی مغفرت اللہ تعالیٰ قدرت
کے تحت داخل نہ ہوتی۔ تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ نہ فرماتے کہ اگر
تو ان کو بخش دے۔ تو زبردست حکیم ہے اور چونکہ خلف و عید اور
امکان کذب اور امکان تطیر وغیرہ مسائل نہایت دقیق جے حد مشکل
اور افہام و تفہیم اور دلائل کے لحاظ سے خالص منطقیانہ پہلو کے حامل
ہیں۔ اور عوام اس کے سمجھنے سے اکثر قاصر رہتے ہیں۔ اس لئے اہل
بدعت چند دیگر مسائل کی طرح ان کو بھی اہل حق کے خلاف عامۃ المسلمین

کو نفرت دلانے کے لئے ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اہل بدعت ان کے بارے میں وہی نظریہ رکھتے جو مختصر لہ خوارج مناطقہ اور فلاسفہ وغیرہ کا ہے۔ (تنقید متین ص ۱۷۰)

سرفراز صاحب نے کذب کو اہلسنت علماء کی طرف منسوب کر کے انہوں نے اپنی روایتی دروغ گوئی کا جیسا سوز مظاہرہ کیا ہے۔ اگر سرفراز صاحب میں ہمت تھی تو اکابرین اہلسنت اور مفسرین کرام میں سے کسی کی صریح اور منصوص عبارت پیش کرتے جس سے ثابت ہوتا کہ اکابر اہلسنت اللہ تعالیٰ کے لئے امکان کذب کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ رشید احمد گنگوہی اور محمود حسن کی عبارت پیش کر کے ان سے امکان کذب پر استدلال کرنا جہالت اور حماقت کی آخری منزل ہے۔ بزمِ عمِ خویش محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ طائفہ دیوبند ہی تو اس بدعت کا ذمہ دار ہے اور مجرم کے قول سے اس کی برأت پر شتاہد بنانے کی جعل سازی دیوبند کی چار دیواری میں تو چل سکتی ہے میدان استدلال میں اس کی کوئی وقعت نہیں ہے۔

امکان کذب میں مکذبین کی عبارتوں کا تضاد | حقیقت یہ ہے کہ مکتب دیوبند

نے جب کذب کی بدعت کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔ تو انہیں ہر جانب سے ملامت ہوئی۔ اور جب انہیں اس باطل عقیدہ پر ہر طرف سے مذمت کی بلغار کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے آپ کو رسوائی سے بچانے کے لئے مختلف طریقے ایجاد کئے چنانچہ کبھی تو صاف طور پر امکان کذب کے عقیدہ کا ہی انکار کر دیا۔

دیکھئے جامعہ مدنیہ لاہور کے مہتمم حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

”اس مسئلہ کو ٹوڑ مروڑ کر اور غلط تفسیر کر کے علماء دیوبند کی طرف منسوب

کر دیا گیا۔ اور امکان کذب کا عنوان دے دیا گیا“ (سلسلہ علماء دیوبند ص ۴۰)

یہ عبارت اس مفہوم میں واضح ہے کہ امکان کذب ایک غلط عقیدہ ہے حامد

میاں صاحب کو یہ شکوہ ہے کہ امکان کذب ایک غلط تعبیر ہے جسے علماء دیوبند

کی طرف منسوب کر دیا گیا۔ آئیے اب ہم آپ کو بتلائیں کہ یہ تعبیر کس نے کی ہے۔
سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

” اور اس مسئلہ کو اہل حق خلف و عید اور امکانِ کذب سے تعبیر کرتے ہیں!“

(تنقید متین ص ۱۷۱)

کیا یہ بات اب بھی تشریح طلب ہے کہ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے ہیں اور وہ رنگ جھوٹ کے سوا اور کچھ نہیں جھوٹ ان لوگوں کی رگ و پے کا خون اور دل کی دھڑکن بن چکا ہے جھوٹ ان کا دین ایمان اور زندگی کا جزو لاینفک ہے۔ پھر کوئی ممکن تھا کہ یہ اپنے خدا کو بغیر جھوٹ کے رہنے دیتے۔ چنانچہ اسے بھی اپنا ہمرنگ ظاہر کرنے کے لئے اور کچھ نہیں تو جھوٹ کا امکان ہی سے دیا۔ اور کون جانتا ہے کہ یہ ان کی معراج کا پہلا درجہ ہو اور تدریج امکان سے فعلیت تک پہنچتا ہی ان کا منہ تارے نظر ہو۔ آئیے اب ہم آپ کو دیوبندی قلابازوں کا ایک اور کرشمہ دکھائیں۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

” یہ لوگ حقیقت کذب امکان کذب اور صورت کذب میں جو دقیق فرق

ہے اس کو یا تو سمجھتے ہی نہیں۔ اور حشیم پوشی کر کے خلط ملط اور گڈمڈ کو

دیتے ہیں۔ حالانکہ ایک ادنیٰ سمجھ والا آدمی بلکہ مبتدی طالب علم

لفظ کرنے اور کر سکنے میں بخوبی فرق سمجھ سکتا ہے۔ اور کرتا ہے اور کر

سکتا ہے میں اہل لسان کے نزدیک فرق بالکل نمایاں ہے۔“

(تنقید متین ص ۱۷۲)

اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ دیوبندیوں کے نزدیک خدا جھوٹ بولتا نہیں

بول سکتا ہے۔ اس فرق کو انہوں نے کرتا ہے اور کر سکتا ہے۔ سے ادا کیا ہے اور

حامد میاں صاحب لکھتے ہیں۔

” کہ اب اسے غلامِ شرابوں نے یہ جامہ پہنایا کہ اللہ تعالیٰ معاذ اللہ

جھوٹ بول سکتا ہے“

(سلسلہ علماء دیوبند ص ۵۹)

دیکھئے حامد میاں کو اعتراف ہے اللہ تعالیٰ کے لئے جھوٹ بول سکتا ہے
کا عقیدہ رکھنا غلط ہے۔ اور اس غلط عقیدہ سے دیوبندیوں کو بری کمر رہے ہیں
اور سرفراز صاحب اس غلط عقیدہ پر اصرار کر رہے ہیں۔ اسے اہل حق کا مسلک
بتلاتے ہیں اور اسی عقیدہ میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عظمت بیان کرتے ہیں۔ ان
دونوں میں سے کون جھوٹا ہے۔ اسے ہم قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔ ہمارے
نزدیک دونوں ہی جھوٹے ہیں۔ حامد میاں تقیہ کرنے کی وجہ سے اور اپنا باطل
عقیدہ چھپانے کی وجہ سے جھوٹے ہیں یا دیوبندیوں کے اس غلط عقیدہ کی تردید
کی جرات نہ رکھنے کی وجہ سے جھوٹے ہیں۔ اور سرفراز صاحب اس عقیدہ کو اہل
سنت کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹے ہیں۔

انتزاع کذب جہور معتزلہ اور اہلسنت کا متفق مسلک ہے

سرفراز صاحب نے انتزاع کذب کی بحث میں جگہ جگہ یہ تاثر دیا ہے کہ انتزاع
کذب معتزلہ کا مذہب ہے۔ اور امکان کذب اہلسنت کا مسلک ہے اور اس
طرح سرفراز صاحب نے تاریخ کو جھٹلا کر اپنے جھوٹے مسلک کو سچا کرنے کی مذہوم
کوشش کی ہے اگر ہم اس پر اسے پیش کرنا شروع کر دیں تو ایک عظیم دفتر درکار
ہوگا۔ سر دست بحر العلوم کی ایک عبارت قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرتے ہیں
جس سے سرفراز صاحب کے جھوٹ کا راز فاش ہو جائے گا۔

معتزلہ نے کہا ہے کہ اگر حسن و قبح کو
عقلی نہ مانا جائے تو اللہ تعالیٰ کا کذب عقلاً
محال نہیں ہوگا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کا
کذب ممکن ہو تو یہ بھی ممکن ہے کہ وہ جھوٹے

والمعتزلة قالوا ثانيا انما
لولا اى كون الحكم عقليا لما امتنع
الكذب منه تعالما
للعقل بغيره واذا جاز الكذب عليه

فلا یمتنع اظہار المعجزة علی اید
 الکاذب ولو اکتفی بہ لکفی فیستد
 باب المنبوة وهو مفتوح والجواب
 انہ ای المذکور نقص فیجب
 تنزی تعالیٰ عنہ کیف وقد مر
 انہ لا نزاع فیہ فانہ عقلی باتفاق
 العقلاء فالملزمة ممنوعة۔
 (مسلم البشوت مع فوائح الرحمت ص ۲۴) اور محال عقلی ہے۔

مذکورہ بالا عبارت سے دو فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ کذب کا
 محال ہونا صرف معتزلہ کا مسلک نہیں بلکہ سب کا متفق علیہ مسلک ہے۔ دوسرا
 یہ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب متنع بالذات اور محال عقلی ہے، اور مکذبین کے اس جھوٹ
 پر صریح رد ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال عادی اور متنع بالغیر ہے۔ اس
 کی مزید تحقیق آئندہ صفحات میں کر دی گئی ہے۔

امام رازی و امتناع کذب | سرفراز صاحب نے امام رازی پر
 بھی یہ افترا باندھا ہے کہ وہ امکان
 کذب کے معتقد ہیں۔ انہوں نے ان کا جس عبارت سے امکان کذب ثابت کیا
 ہے اسے ہم ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔ دیکھئے سرفراز صاحب نے امکان کذب
 پر نویں دلیل قائم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

(۹) حضرت امام رازی فرماتے ہیں کہ نہ تو طاعت پر ثواب واجب

ہے اور نہ معصیت پر عتاب ضروری ہے بلکہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا

فضل اور احسان ہے (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۵) (تنقید متین ص ۱۸۲)

قارئین کرام! آپ نے سرفراز کی نقل کردہ عبارت تو ملاحظہ فرمائی جس سے
 سرفراز صاحب نے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ امام رازی امکان کذب کے معتقد

ہیں۔ اب ہم آپ کے سامنے امام رازی کی وہ عبارت پیش کرتے ہیں جس میں انہوں نے تصریح کی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کا کذب محال ہے۔ اور آگے چل کر انشا اللہ ان کی وہ عبارت بھی پیش کریں گے جس میں انہوں نے امکان کذب کے قائل کے بارے میں فرمایا کہ "قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے"۔ سخت حیرت ہے۔ کہ امام رازی تو فرماتے ہیں کہ امکان کذب کا قائل کافر ہے۔ اور سر فرار صاحب اس کفر کو خود امام کے سر منڈھ سے ہے ہیں۔ گویا امام رازی خود اپنے آپ کو کافر بنا رہے ہیں۔ غالباً اسی موقع کے لئے کہا گیا ہے۔ ع

چہ ولا اور است ذرے کہ بکف چراغ دارد۔

ملاحظہ فرمائے۔ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں۔

الكذب والخلف في قولها
کذب اور خلف اللہ تعالیٰ کے قول
محال۔ (تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱)
میں محال ہے۔

بیز فرماتے ہیں

فالخلف في كلام الله تعالى محال۔
اللہ تعالیٰ کے کلام کا خلاف ہونا محال ہے
(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۱۵)

ایک اور جگہ فرمایا۔

الكذب نقص والنقص على الله
کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے
محال۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۳۲)
محال ہے۔

مزید فرمایا۔

انقلاب خبر الله كذبا محال۔
اللہ تعالیٰ کی خبر کا جھوٹا ہونا محال ہے
(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۵۶)

یہ بھی فرمایا۔

والا لا نقب خبر الله الصدق
کذا با و ذاك محال۔
اللہ تعالیٰ کی سچی خبر کا جھوٹا ہو
جانا محال ہے۔

(تفسیر کبیر ۶ ص ۳۹)

الغرض امام رازی نے اس کثرت سے امتناع کذب پر تصریحات کی ہیں اور اس پر دلائل پیش کئے ہیں کہ ان کو شمار کرنا ایک مستقل رسالہ چاہتا ہے۔

سرفراز صاحب نے امتناع کذب کی بحث میں بار بار یہ شکایت کی ہے کہ یہ مسئلہ خالص علمی اور منطقی طرز کا ہے۔ اور افہام و تفہیم کے لحاظ سے بے حد دقیق اور مشکل ہے۔ اس لئے ہم نے اس بات کا التزام کیا ہے کہ دلائل کی تقریر کو آسان اور سادہ انداز میں پیش کیا جائے تاکہ مکذبین کو کسی قسم کا کوئی شکوہ نہ رہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن اصدق من اللہ
حدیثاً۔
اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ کون سچی بات
کہنے والا ہے۔

مکذبین باری کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا بایں معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بولتا تو نہیں۔ بول سکتا ہے (یعنی ممکن بالذات اور متمنع بالخیر) گزارش یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اسی معنی کے اعتبار سے صادق ہیں کہ جھوٹ بولتے تو نہیں۔ لیکن بول سکتے ہیں۔

بعض لوگوں کو یہ وہم لاحق ہوا ہے کہ انبیاء کرام سے گناہوں کا صدور محال ہے اس لئے یہ عبارت عصمت انبیاء کے خلاف ہے اس وہم کو دور کرنے کے لئے گزارش یہ ہے کہ علامہ تفتازانی متوفی ۷۶۳ھ نے عصمت کی یہ تعریف کی ہے۔

وحقیقة العصمة ان
لا یخلق اللہ تعالیٰ فی
العبد الذائب مع بقاء
عصمت کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ
تعالیٰ بندہ میں انس کی
قدرت اور اختیار کے باوجود

قدارتہ واختیارہ و
 وهذا معنی قولہم
 معی لطف من اللہ
 تعالیٰ یحملہ علی
 فعل الخیر ویزجر
 ممن الشر مع
 بقاء الاختیار تحقیقاً
 لا یتلوع و لهذا
 قال الشیخ ابو
 منصور الماتریدی
 العصمة لا تزیل المختہ
 وبهذا یظہر فساد
 قول من قال انہا
 خاصیتہ فی نفس الشخص
 او فی بدانہ یمتنع
 بسبھا صدور الذنوب عنہ
 کیف ولو کان الذنوب
 ممتنعاً لما صح تکلیفہ ترک الذنوب
 ولما کان مشایعاً علیہ

شرح عقائد نسفی ص ۱۵۷

مطبوعہ نور محمدیہ المطابع کراچی

گناہ نہ پیدا کرے اور منکلیں
 نے جو کہا ہے کہ عصمت اللہ تعالیٰ
 کا لطف ہے جو بندہ کو خیر پر
 برانگیختہ اور شر سے روکتا ہے
 اس قول کا بھی یہی مطلب ہے۔
 اسی وجہ سے شیخ ابو منصور
 ماتریدی نے فرمایا ہے کہ عصمت
 سے بندہ کا مکلف ہونا زائل
 نہیں ہوتا ان تصریحات سے
 ظاہر ہو گیا کہ جن لوگوں نے
 دشیعہ حضرات عصمت کی یہ تعریف کی
 ہے کہ وہ انسان کے دن میں ایسی
 خاصیت ہے جس کی وجہ سے انسان
 کا صدور محال ہو جاتا ہے یہ تعریف
 فاسد ہے کیونکہ اگر کسی انسان
 سے گناہوں کا صدور محال ہوتو
 تو اس کو نہ گناہوں کے ترک کرنے
 کرنے کے ساتھ مکلف کرنا
 صحیح ہوگا اور نہ ترک گناہ پر
 وہ ثواب کا مستحق ہوگا۔

مسائل اعتقاد میں خاف اہلسنت کے امام شیخ ابو منصور ماتریدی متوفی ۳۳۵ھ ہیں اور انہوں نے تصریح کر دی ہے کہ انبیاء کرام سے گناہ ممکن ہیں لیکن وہ کرتے نہیں ہیں مفتی احمد یار خاں مرحوم نے بھی لکھا ہے کہ نبوت کے بعد انبیاء کرام سے خطاً و نسیاناً گناہ کبیرہ صادر ہو سکتے ہیں اور عمداً بعض ایسے معائنہ بھی جو خلیس نہ ہوں ملاحظہ فرمائیے لکھتے ہیں۔

انبیاء کرام گناہ کبیرہ سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد ہاں نسیاناً خطاً صادر ہو سکتے ہیں لی ان قال اور وہ معائنہ جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں (جاء لحق حصہ اول ص ۲۲۷)

مفتی صاحب کی اس عبارت میں صاف تصریح ہے کہ انبیاء سے گناہوں کا صدر ممکن ہے اور مفتی احمد یار خاں مرحوم ومن اصدق من اللہ حدیثا کی تفسیر میں لکھتے ہیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا جھوٹ ممتنع بالذات ہے کیونکہ پیغمبر کا جھوٹ ممتنع بالغیر اور رب سالی تمام سے زیادہ سچا تو اس کا سچا واجب بالذات ہونا چاہیے ورنہ اللہ کے صدق اور رسول کے صدق میں فرق نہ ہوگا (نور العرفان ص ۱۲۲) مفتی صاحب نے جو کچھ آیت کی تفسیر میں لکھا ہے یہ بعینہ ہی ہے جو توضیح البیان میں زیادہ آسان طریقہ اور وضاحت سے مذکور ہے۔

اللہ تعالیٰ کا صدق انبیاء علیہم السلام کے صدق کے برابر ہوگا کیونکہ دونوں جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن بولتے ہیں۔ اور یہ قرآن کریم کی نص صریح کے خلاف ہے، کیونکہ قرآن پاک کا یہ ارشاد

ومن اصدق من اللہ حدیثا اور یہ استغناء انکاری ہے جس کا

مصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچا ہے۔ یعنی نہ تو جھوٹ بولتا ہے ورنہ بول سکتا ہے۔ پس صدق میں نہ کوئی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر ہے اور نہ اس کے

بر ہے۔ لیکن مکذبین کی بدعت سے لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم

سلام دونوں کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہو، یعنی جھوٹ بولتے تو نہیں لیکن ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا معنی اس وقت صحیح ہوگا جبکہ اہلسنت کے طریقہ

پر یہ اعتقاد رکھا جائے۔ کہ ساری مخلوقات سے زیادہ سچے انبیاء علیہم السلام ہیں
لیکن ان کے کام میں بھی کذب ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹ بولتے
تو نہیں۔ لیکن بول سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انبیاء سے بھی زیادہ سچا ہے کیونکہ اس کے
کلام میں کذب ممتنع بالذات اور محال عقلمانی ہے یعنی وہ نہ جھوٹ بولتا ہے اور نہ
بول سکتا ہے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

بہر نوع ہم اہلسنت امتناع کذب پر یہ دلیل
قائم کرتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کاذب ہوتا تو
کا کذب بھی قدیم ہوتا۔ اور جب اس کا کذب
قدیم ہوتا تو پھر اس کا زوال ممتنع ہوتا کیونکہ
قدیم پر عدم نہیں آسکتا اور جب کذب زوال
ممتنع ہوتا تو اللہ تعالیٰ کا صادق ہونا
محال ہو جاتا کیونکہ ایک ضد کا وجود
دوسری ضد سے مانع ہوتا ہے پس اگر وہ
کاذب ہوتا تو اس کا صادق ہونا ممتنع ہوتا لیکن
اس کا صادق ہونا تو ممتنع نہیں ہے اس لئے کہ
ہم بدہمتہ جانتے ہیں کہ جو کسی شئی کو جانتا ہے
اس کے لئے بمطابق واقعہ اس شئی کی خبر دینا محال
نہیں ہے اور اس کی صحت کا جانا بدیہی ہے۔
پس جب صدق کا امکان قائم ہے تو لا محالہ
کذب کا امتناع حاصل ہو جائے گا۔

اما صحابنا فدیلمہم انما لوکان
کاذبا لکان کذبا قدیما ولوکان
کذبا قدیما لامتنع زوال کذبا
لامتناع العدم علی القدیم ولو امتنع
زوال کذبا قدیما لامتنع کونہ
صادق لان وجودا خدرا الضدین بمنع
وجود ضد الاخر فلوکان کاذبا لامتنع
ان یصدق لکنہ غیر ممتنع لانا نعلم
بالضرورة ان کل من علم شیئا فانما
لا یمتنع علیہ ان یحکم علیہ بحکو
مطابق للسحکوم علیہ والعلم بھذا
الصفة ضروری فاذا کان امکان
الصدق قائما کان امتناع الکذب
حاصلا محالہ۔

تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱

علامہ تفتازانی امتناع کذب پر دلائل قائم کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

بہر کیف امتناع کذب پر پہلی دلیل یہ ہے کہ

اما اولاً فاجماع العلماء واما ثانيا

اجماع علماء سے کذب محال ہے دوسری یہ کہ
 اخبار انبیاء علیہم السلام سے تو امر ثابت ہے کہ اللہ
 تعالیٰ کا کذب محال ہے اور ان اخبار کا صدق
 معجزات سے ثابت ہے۔ نہ کہ اللہ تعالیٰ کے کلام سے
 حتیٰ کہ دو لازم آئے تیسری یہ کہ کذب کے نقص
 ہونے پر تمام عقلاء کا اتفاق ہے اور نقص اللہ
 تعالیٰ پر محال ہے چوتھی یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ ازل
 میں کذب سے متصف ہوتا تو اس کا صدق
 ممنوع ہو جاتا کیونکہ ازل و وصف قدیم ہوتا
 ہے اور قدیم پر عدم ممنوع ہے۔ حالانکہ
 ہم بداہتہ جانتے ہیں کہ جو کسی نسبت کو جانتا
 ہو اس کے لئے اس کے مطابق خبر دینا
 ممنوع نہیں ہے۔

(شرح مقاصد ج ۲ ص ۱۰۲)

یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص نہ وعدہ
 میں سچا ہے نہ وعید میں کیونکہ اللہ تعالیٰ
 پر کذب محال ہے۔

فما تواتر من اخبار الانبياء عليهم
 السلام الثابت صدقهم بدلالة معجزات
 من غير توقف على ثبوت كلام الله تعالى
 فضلا عن صدقه واما ثالثا فان
 الكذب نقص باتفاق العقلاء وهو
 على الله تعالى محال لما فيه من امانة
 الحجز والجهل والعبث واما رابعا
 فلانه لو اقص في الازل بالكذب
 في خبر ما لا يمنع صدقه فيه
 لان ما ثبت قدمه امتنع عدوه
 لكننا نعلم بالضرورة ان من علم
 النسبة لا يمتنع عليه ان يخبر
 عنها على ما هي عليه۔

ومن اصدق من الله حديثا
 لا احدا صدق منه في اخباره
 ووعدا ووعيدا لا استحالة
 الكذب عليه تعالى (تفسير مدارك)

علامہ بیضاوی اسی آیت کے فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس آیت میں انکار فرماتا ہے کہ
 کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے زیادہ سچا ہو کیونکہ
 اس کی خبر میں کذب کسی طرح راستہ نہیں پاسکتا
 اس لئے کہ کذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ

انکار ان یكون احدا اكثر صدقا
 منه فانه لا يتطرق الكذب
 الى خبره بوجه لان نقص
 وهو على الله محال۔

(انوار التنزیلی)

پر محال ہے)

علامہ حازن اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ولا یجوز علیہ الکذاب
اللہ تعالیٰ کے لئے کذب ممکن نہیں ہے۔

علامہ اسماعیل فرماتے ہیں۔

لا ینتظر فی الکذاب الی خبرہ بوجہ
لانہ نقض وهو علی اللہ محال۔
کذب اللہ تعالیٰ کی خبر کی طرف راستہ نہیں پاسکتا
کیونکہ وہ نقض ہے اور نقض اللہ تعالیٰ

پر محال ہے۔

(تفسیر روح البیان)

ملا علی قاری رحمہ اللہ متوفی ۱۰۱۴ھ فرماتے ہیں۔

والکذاب علیہ محال۔
کذب اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۱۳)

فاضل سیالکوٹی فرماتے ہیں۔

الکذاب فی کلامہ تعالیٰ
باطل بالاجماع۔
اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب بالاجماع
باطل ہے۔

(عاشیہ عبد الحکیم علی الخیالی ص ۲۰)

امام ابن ہمام فرماتے ہیں۔

یستجیل علیہ صفات النقص
کالمجہل والکذاب (سامرہ ص ۳۹۳)
اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں مثل جہل
اور کذب کے۔

علامہ عبد العزیز پرہاروی فرماتے ہیں۔

واعلم ان اهل الملل اجمعوا علی
ان الکذاب من اللہ سبحانہ محال
جان لو کہ تمام اہل مذاہب کا اس بات پر اجماع
ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کا کذب محال
ہے۔

(نبراس ص ۲۱۹)

استحالة کذب پر علماء اسلام کی پیشمار تصریح
موجود ہیں۔ ہم نے ان میں سے چند عبارات

محال عقلی یا محال عادی

پیش کرنے پر اکتفا کی ہے۔ مکذہبن سے جب کچھ نہیں بن پڑتا۔ تو یہ کہتے ہیں کہ ان عبارات میں محال سے مراد محال عقلی نہیں۔ بلکہ محال عادی ہے اور وہ کذب کے جواز اور امکان کے منافی نہیں ہے۔ لہذا امکان کذب کی نفی ثابت نہیں ہوئی

الجواب۔ اولاً تو محال کا معنی متباہر محال بالذات اور محال عقلی ہے اور الفاظ میں اصل یہی ہے کہ ان کو معانی متباہرہ پر محمول کیا جائے۔

ثانیاً محال کا معنی محال بالخیر کرنا بوجہ خلاف اصل ہونے کے محتاج الی القرینہ ہے اور جب عبارت میں کوئی قرینہ صارفہ نہیں ہے، نہ حالی نہ متفالی۔ تو اس کو مجاز پر محمول کرنا قطعاً باطل ہے۔ پس جن عبارتوں میں مطلقاً محال کا ذکر کیا گیا ہے، اس سے مراد یقینی طور پر محال عقلی ہے۔

ثالثاً۔ یہ کہ یہاں محال سے مراد محال عقلی ہونے پر تصریحات موجود ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے فواتح الرحموت سے نقل کر چکے ہیں۔

رابعاً۔ جو دلائل ہم نے کتب کلامیہ سے نقل کئے ہیں۔ ان کا مطلب محال عقلی ہے۔ نہ کہ محال عادی۔ دیکھئے شرح مقاصد جلد ۲ ص ۱۰۴۔ شرح موافق ص ۶۰۲ تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۸۱۔

خامساً۔ اس شبہ کی اس وقت کوئی حیثیت ہو سکتی تھی۔ جب کتب کلامیہ اور تفاسیر میں وقوع کی نفی کی جاتی۔ لیکن جب کہ کتب کلامیہ اور تفاسیر میں امکان اور جواز کی نفی کی ہے تو ثابت ہوا کہ کذب باری محال عقلی اور متمنع بالذات ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے وہ عبارات لاتے ہیں جن میں جواز اور امکان کی نفی پر روشنی تصریح موجود ہے۔

علامہ جلال الدین دوانی فرماتے ہیں۔

ولا یصح علیہ الجہل ولا الکذاب اللہ تعالیٰ کیلئے نہ جہل ممکن ہے نہ کذب

(شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۲۸)

نیز فرماتے ہیں۔

الكذب نقص والنقص عليه محال
فلا يكون من الممكنات ولا يشمله
القدرة. (شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۶۲)

علامہ خازن فرماتے ہیں۔

ولا يجوز عليه الكذب

كذب نقص ہے اور نقص اللہ تعالیٰ کے لئے
محال ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا نہ تو کذب ممکن
ہے اور نہ اسکو قدرت الہی شامل ہے۔

كذب اللہ تعالیٰ کے لئے ممکن اور جائز نہیں

(تفسیر خازن ج ۱ ص ۳۷۸)

امام رازی فرماتے ہیں۔

فاذا جوز عليه الخلف فقد

جوز الكذب على الله ولهذا خطأ

عظیم بل يقرب من ان يكون كفراً

جب اللہ تعالیٰ پر خلف جائز رکھا
گیا تو اس پر کذب جائز رکھا گیا اور یہ عظیم
خطا ہے بلکہ کفر کے قریب ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۹۲)

ابن عابدین شامی فرماتے ہیں۔

الصحيح ان الدعا بالمغفرة

للمشركين كفر لعدم جواز عقلاً

وشرعاً (المختار ج ۱ ص ۲۸۸)

صحیح یہ ہے کہ مشرک کے لئے مغفرت کی دعا کرنا
کفر ہے کیونکہ مشرک کی مغفرت نہ عقلاً
ممکن ہے نہ شرعاً۔

واضح رہے کہ مشرک کی مغفرت اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب کو مستلزم
ہے جب مغفرت مشرک محال عقلی ہوئی تو کذب بھی محال عقلی ہوا۔ کیونکہ مستلزم
محال ہوتا ہے۔

بجہ اللہ العزیز ہم نے تصریحات علماء اہلسنت سے یہ ثابت کر دیا ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا کذب عقلاً ممکن نہیں اور محال بالذات ہے، لہذا ثابت ہوا
کہ باقی عبارتوں میں بھی محال سے مراد محال بالذات ہے۔

قارئین کرام ہم نے امتیاع کذب کو نصوص قطعیہ اقوال مفسرین اور اجماع
اہل ملل سے ثابت کر دیا۔ اس کے برعکس اہل دیوبند کے پاس امکان کذب

کے عقیدہ پر نہ کوئی نص قطعی ہے اور نہ مستند اکابر اسلام میں سے کسی کا صاف اور صریح قول ہے کہ وہ عموم قدرت اور خلف و عید سے لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اور ہم سطور ذیل میں انشاء اللہ العزیز ان کی تمام غلط فہمیاں دور کر دیں گے۔

عموم قدرت سے دیا بنہ کو دھوکا | قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ علی کل شیء قدیر

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ چنانچہ مکذبین کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے تو اپنے جھوٹ بولنے پر بھی قادر ہے چلئے امکان کذب ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ علامہ بیضاوی اس آیت کے تحت نشیء کا معنی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نشیء کا معنی ہے جس کا وجود چاہا گیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ جس چیز کو پیدا کرنا چاہے پس وہ تین زمانوں میں سے کسی ایک زمانہ میں موجود ہو جاتی ہے اور اسی معنی پر اللہ تعالیٰ کا قول ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ اللہ خالق کل شیء مبنی ہے اور اس معنی کے لحاظ سے شیء کا لفظ اپنے عموم پر باقی رہے گا۔ بخلاف معتزلہ کے انہوں نے نشیء کا معنی کیا جس کا ہونا صحیح ہو۔ اور یہ واجب کو بھی شامل ہے یا انہوں نے اس کا معنی کیا جس کا جاننا صحیح ہو۔ اور یہ متمنع کو بھی شامل ہے پس دونوں آیتوں میں معتزلہ کو نشیء میں ممکن کیساتھ تخصیص کرنا پڑی۔

ای شیء وجودہ وما شاء اللہ
ووجودہ فہو موجود فی الجملة
وعلیہ قولہ تعالیٰ ان اللہ علی کل
شیء قدیر۔ اللہ خالق کل شیء فہما
علی عمومہما بلا مشنویتا و
المعتزلة۔ لما قالوا اللہ ما یصح
ان یوجد وھو لیم الواجب الممكن
او ما یصح ان یعلم ویخبر عنہ فیعم
المتنوع ایضا لزم ہر التخصیص فی
الموضعین بدلیل العقل۔

(انوار التنزیل ج ۱ ص ۲۸)

علامہ بیضاوی کی اس تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک جس چیز کو اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔ وہ فی الجملہ موجود ہوگی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی

اپنے کذب پر قدرت مافی جائے۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا کذب کسی نہ کسی مرتبہ میں موجود ہو۔

ثانیا اگر یہ مان لیا جائے کہ جس چیز کے پیدا کرنے پر اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا موصوف ہونا بھی ممکن ہے۔ تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کا سیاہی اور سفیدی کے ساتھ متصف ہونا بھی ممکن ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ممکن ہے۔ محمود حسن صاحب کی طرح سرفراز صاحب بھی کہہ دیں۔ کہ جب اللہ تعالیٰ کا تمام قبائح کے ساتھ اتصاف جائز ہے۔ تو سیاہی اور سفیدی کے ساتھ بھی موصوف ہونا جائز ہو جائے تو کیا حرج ہے۔ جواباً گذارش ہے کہ آپ کی جان پھر بھی نہیں چھوٹی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو موت کے پیدا کرنے پر بھی قدرت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے حیات اور موت کا خالق ہے اور جب آپ کے نزدیک قدرت علی الکذب کی وجہ سے خدا کا کذب ممکن ہے تو لازم آئے گا کہ قدرت علی الموت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی موت بھی ممکن ہو۔ اور جس کی موت ممکن ہو۔ اس کا وجود واجب نہیں ہوتا۔ پس لازم آیا۔ کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہے۔ اور جس کا وجود واجب نہ ہو۔ وہ خدا نہیں ہو سکتا۔ مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ امکان کذب سے انکار کیجئے۔ چاہے خدا کی خدائی سے انکار ہو جائے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ سرفراز صاحب! خدا جانے بھی دیجئے اور اللہ تعالیٰ کے وجوب صدق پر ایمان لا کر امکان کذب سے توبہ کیجئے۔

عموماً اہل دیوبند خلف و عید سے
یا تو خود مغالطہ کھاتے ہیں یا جان

خلف و عید پر اہل دیوبند کا مغالطہ

بوجھ کر لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ حقیقت خواہ کچھ ہو۔ بہر حال ان کے استدلال کا خلاصہ یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عصاة کو عذاب دینے کی وعید فرمائی ہے اور بعض شاعر کے نزدیک اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے کہ ان کو عذاب نہ دے باوجود وعید کے عدم عذاب پر قدرت بعینہ کذب پر قدرت ہے۔ چلنے چھٹی ہوئی۔ امکان

کذب ثابت ہو گیا۔ یہ ہے وہ خلف و عید جس سے دیوبندی امکان کذب ثابت کرتے ہیں۔ دیوبندیوں نے اس استدلال میں جو مغالطہ کھایا ہے اسے زائل کرنے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ اصل مسئلہ خلف و عید کی تحقیق کریں تاکہ حق اپنے جمیع پہلوؤں کے ساتھ واضح ہو جائے۔

اہل سنت کا اس مسئلہ پر اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کے سوا سب کچھ بخش دے گا جس کے لئے چاہے کہ صاحب گناہ کبیرہ جو بخیر توبہ کے مرگیا ہو۔ اسے بھی اللہ تعالیٰ بخش دے گا معتزلہ نے اس کا انکار کیا کیونکہ گنہ گاروں کے بارے میں قرآن کریم میں آیات و عید موجود ہیں۔ اور اگر گنہ گاروں کی بخشش بلا توبہ مان لی جائے تو ان آیات کا خلاف لازم آئے گا۔
علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

واللہ تعالیٰ لا یغفر ان یشرک
بہ الی ان قال ویغفر ما دون ذالک
لمن یشاء من الصغائر والکبائر
مع التوبۃ اوبدا وفہا خلافا
للمعتزلۃ (شرح عقائد نسفی ص ۸۰)

اللہ تعالیٰ شرک کو نہیں بخشے گا
اور اس کے سوا سب کچھ بخش دے
گا۔ خواہ صغیرہ گناہ ہوں یا کبیرہ۔ توبہ
کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور اس میں معتزلہ
کا اختلاف ہے۔

اب اہل سنت پر یہ اعتراض باقی رہا کہ جب صاحب گناہ کبیرہ کی مغفرت مان لی تو ان آیات کا خلاف لازم آگیا۔ جن میں گنہ گاروں کی و عید بیان کی گئی ہے پس اہل سنت مانتے ہیں کہ اس سوال کے جواب میں کہا کہ خلاف تب لازم آتا۔ اگر آیات و عید اپنے عموم پر ہوتیں یعنی ہر گنہ گار کو عذاب ہوگا، حالانکہ وہ آیات اپنے عموم پر نہیں ہیں، بلکہ آیات عفو ان کی مخصوص ہیں۔ پس آیات عفو اور آیات و عید دونوں کے محل علیحدہ علیحدہ ہو گئے۔ یعنی بعض گنہ گاروں کو اللہ تعالیٰ عذاب دے گا۔ اور بعض کو بخش دے پس کسی تعارض لازم نہیں آیا۔
علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وقد كثرت النصوص في العفو
فيخصص المذنب المتعفو
عن عموماً الوعيد -

(شرح عقائد نسفی ص ۸۱)

اور عفو میں کثیر نصوص وارد ہیں پس جو
گنہ گار بلا توبہ بخشے جائیں گے۔ ان
کی آیات و وعید سے تخصیص کر لی جائے
گی۔

اور بعض اشاعرہ نے اس کے جواب میں کہا کہ جسے عذاب کی دھمکی دی جائے
اور پھر بعد میں اس کو سزا نہ دی جائے تو یہ محض کرم ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ گنہ گاروں
کو معاف کر دے گا۔ اور اگر آیات و وعید کا خلاف واقع ہو جائے۔ تو کوئی حرج
نہیں۔ کیونکہ خلف و وعید بوجہ کرم ہونے کے جائز ہے۔
علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

وزعم بعضہم ان الخلف فی
الوعید کرم فیجوز من اللہ
تعالیٰ۔ (شرح عقائد نسفی ص ۸۱)

اور بعض لوگوں (اشاعرہ) نے اس سوال کے
جواب میں کہا کہ خلف فی الوعد کرم ہے اور
وہ اللہ تعالیٰ پر جائز ہے۔

مکذبین یاری سے پہلی گذارش

اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ
جو لوگ خلف و وعید کو مانتے ہیں وہ

محض خلف و وعید کے امکان کو نہیں مانتے۔ بلکہ اس کو بالفعل مانتے ہیں کیونکہ گنہ گاروں
کو مغفرت بالفعل حاصل ہوگی۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔ و یغفر ما دون ذالک
لمن یشاء من الصغائر والکبائر مع التوبہ اوجدا و کھا اللہ تعالیٰ شرک
کے ما سوا تمام گنہ بخش دے گا خواہ گنہ صغیر ہوں یا کبیرہ۔ توبہ کی ہو یا نہ کی ہو۔ اور
اشاعرہ کے نزدیک خلف و وعید گنہ گاروں کی مغفرت پر مترتب ہے پس چونکہ یہ
مغفرت بالفعل ہے۔ تو خلف و وعید جو اس پر مترتب ہے۔ وہ بھی بالفعل ہوگا
اور آپ چونکہ کذب کو خلف و وعید کا لازم سمجھتے ہیں۔ پس لازم آئے گا کہ اللہ
تعالیٰ کے کلام میں کذب بالفعل واقع ہو۔ اور خدا بالفعل جھوٹا ہو (العیاذ باللہ)
پس اب دیوبندیوں سے گذارش ہے کہ اگر وہ کذب کو واقعی خلف و وعید کی فرع

سمجھتے ہیں تو امکان کا پوند لگا کر لوگوں کو دھوکا نہ دیں۔ بلکہ صاف طور پر خدا کو بالفعل کاذب کہا کریں۔

احناف ما تدری مذہب رکھتے ہیں اور شوافع

تے اشعری مذہب کو اختیار کیا ہے۔ اب ہم

دیوبندی حضرات سے پوچھتے ہیں کہ جب وہ اپنے آپ کو حنفی کہلاتے ہیں تو انہوں نے خلف و عید کے مسئلہ میں حنفیوں کے ماتریدی مذہب چھوڑ کر شافعیوں کے اشعری طریقہ کو کیوں اختیار کیا۔ کیا اس کی وجہ صرف یہ نہیں ہے کہ انہیں اپنی کم فہمی سے بعض اشاعرہ کے مذہب میں کذب کا چور دروازہ نظر آ گیا تھا۔

ماتریدیہ اور محققین اشاعرہ نے خلف و عید

کو رد کر دیا ہے۔ کیونکہ آیات و عید کا خلاف

ماننا اللہ تعالیٰ کے قول کو بدلنا اور بالفعل قول بالکذب کرنا ہے۔ کیونکہ خلف و عید پر اللہ تعالیٰ کا کلام بالفعل کاذب ہو جائے گا۔

علامہ تفتازانی اشعری فرماتے ہیں۔

المحققون علی خلاف کیف و
لھو تبدیل للقول وقد قال اللہ
تعالیٰ وما یبدل القول لہی۔
(شرح عقائد ص ۸۱)

اور محققین نے خلف و عید کا انکار کیا
کیونکہ خلف و عید ہیں اللہ تعالیٰ کے قول کو
بدلنا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے
قول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اور امام فخر الدین رازی اشعری فرماتے ہیں۔

قولہ تعالیٰ فلن یخلف اللہ تعالیٰ
عہدہ یدل علیٰ انہ سبحانہ منزہ
عن الکذب فی وعدہ و وعیدہ قال
اصحابنا لان الکذب صفة نقص
والنقص علی اللہ محال وقالت

اللہ تعالیٰ کا قول فلن یخلف اللہ عہدہ
اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ سبحانہ اپنے
وعدہ اور وعید دونوں میں کذب سے
منزہ ہے۔ اہلسنت کی دلیل یہ ہے کہ کذب
نقص ہے۔ اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے

المختزلة لانه سبحانه عالو بقبح
القيح وعالم بكونه غيا عنه والكذب
قيح لانه كذب والعالم بقبح القبيح
وبكونه غيا عنه يستحيل ان يفعل
فدل على ان الكذب منه سبحانه
محال فلهدا قال قلن يخلف الله عهدا
فان قيل العهد هو الوعد وتخصيص
الشيء بالشيء يدل على نفي ما عداه
فلما خص الوعد بانه لا يخلفه علمنا
ان الخلف في الوعد جائز ثم العقل
يطابق ذلك لان الخلف في الوعد
لؤم وفي الوعد كرم قلنا الدلالة
المدكوورة قائمة في
جميع انواع الكذب

تفسير كبير ج ۱ ص ۳۸۳

اور تمت کلمت ربك صدقا وعدلا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

من صفات كلمتا اللہ كونها
صدقا وعدلا والدليل عليه ان
الكذب نقص النقص على اللہ محال
الى ان قال واعلم ان هذا الكلام
كما يدل على ان الخلف في وعد اللہ
تعالی محال فهو ايضا يدل على ان
الخلف في وعيد اللہ محال بخلاف

تقال بما عسى

اور محتزله کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ
قیح کے قبح سے واقف ہے اور قبح سے غنی ہونے
کا بھی عالم ہے اور کذب قبح ہے اور اس کو
اسکی قباحت کا علم بھی ہے اور جو کسی شیء کی قباحت
پر مطلع ہو اس کے لئے اسے صادر کرنا محال
ہے پس ثابت ہوا کہ کذب اللہ تعالیٰ
پر محال ہے۔ اگر کوئی شخص اعتراض کرے
کہ عہد وعدہ کو کہتے ہیں۔ اور نفی وعدہ کی
تخصیص اس پر دلالت کرتی ہے کہ وعید
میں خلف جائز ہے اور عقل بھی اس کی مؤید
ہے کیونکہ وعد میں خلف قبح ہے۔ وعید
میں خلف کرم ہے۔ تو اس کا جواب یہ
ہے۔ کہ اس قسم کی دلالت سے تمام
اقسام کے کذب اللہ تعالیٰ پر جائز قرار
پائیں گے۔

اللہ تعالیٰ کے کلمات کی صفت صدق
ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ کذب نقص ہے
اور نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔ اور یہ کلام
جس طرح خلف وعید کے محال ہونے
پر دلالت کرتا ہے۔ اسی طرح خلف
وعید کے استحالة پر بھی دلالت کرتا
ہے بخلاف واحدی کے۔

کیونکہ اس نے ومن یقتل مؤمناً متعمداً
فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا کی تفسیر میں کہا کہ اللہ
تعالیٰ کی وعید میں خلف جائز ہے اور واحدی
کا قول اسلئے غلط ہے کہ وعد اور وعید دونوں
اللہ تعالیٰ کے کلمات ہیں۔ اور جب اس آیت
سے ثابت ہو گیا کہ کلمات اللہ کا صدق واجب
ہے تو جس طرح وعد کا خلف ممتنع ہے اس طرح
وعید کا خلف بھی ممتنع قرار پائے گا۔

فی تفسیر قولہ تعالیٰ ومن یقتل
مؤمناً متعمداً فجزاؤہ جہنم خالداً
فیہا ان الخلف فی وعید اللہ جائز
وذلك لان وعد اللہ ووعیدہ
کلمة اللہ فلما دلت ہذا الاية علی
ان كلمة اللہ یجب کونها موصوفة
بالصدق علم ان الکذب کما انما
ممتنع فی الوعد کذا اللہ ممتنع فی
الوعید (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۱۳۴)

نیز امام رازی ومن یقتل مؤمناً متعمداً کے تحت واحدی
کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وعید خبر کی ایک قسم ہے پس جب اللہ
تعالیٰ کے لئے اس کی خبر میں خلف کو جائز
مانا گیا تو اللہ تعالیٰ پر کذب کو جائز مانا
گیا اور یہ بہت بڑی غلطی ہے بلکہ قریب
بہ کفر ہے کیونکہ تمام عقلا کا اس پر
اجماع ہے کہ اللہ تعالیٰ کذب سے منزہ
ہے اور نیز جب کرم کی بنا پر وعید مؤمنین
میں خلف جائز رکھا گیا ہے تو پھر وعید
کفار میں خلف کیوں جائز نہیں۔ مزید
برآں یہ کہ جب کرم کی بنا پر وعید
میں خلف جائز ہے۔ تو مصلحت کی بنا پر
قصص اور اخبار میں خلف کیوں جائز نہیں

لان الوعد قسم من اقسام
الخبر فاذا جوز علی اللہ الخلف فیہ
فقد جوز الکذب علی اللہ وهذا
خطا عظیم بل یقرب من ان یکون
کفراً فان الغفلاً اجتمعوا علی انما
تعالیٰ منزہ عن الکذب ولا انما
اذا جوز الکذب علی اللہ فی الوعد
لاجل ما قال ان الخلف فی الوعد
کرم فلم لا یجوز الخلف ایضاً فی
وعید الکفار وایضاً اذا جاز الخلف
فی الوعد لغرض لکرم فلم لا یجوز الخلف
فی القصص والاخبار لغرض المصلحة

ومعلوم ان فتح هذا الباب يفضي الى الطعن في القرآن وكل الشريعتا - اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی جرات قرآن بلکہ تمام شریعت میں طعن کا دروازہ کھولتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۱۹۲)

بعض اشاعرہ کے قول خلف وعید کو باغیابا ظاہر کے محققین اہلسنت نے رد کر دیا ہے۔ پس اب مکذبین سے گزارش ہے کہ آپ نے اس باطل اور مردود قول پر اپنے مسلک کی عمارت قائم کر کے کیا اہل فہم کو یہ سوچنے کا موقعہ نہیں دیا کہ جس مذہب کی بنیاد ہی فاسد ہے اس کی عمارت کے فساد کا کیا عالم ہوگا۔

اس تحقیق سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ بعض اشاعرہ نے جو خلف وعید کا قول کیا ہے۔ اس کو جمہور اہل سنت نے رد کر دیا۔ لیکن غور طلب امر یہ ہے کہ کیا جن اشاعرہ نے خلف وعید کا قول کیا۔ وہ قول بالکذب بھی کرتے ہیں جس طرح مولوی ابینٹھوی۔ مولوی گنگوہی اور مولوی محمود حسن صاحب اور تمام وہابی دیوبندی مکذبین نے اپنی جہالت سے سمجھا کہ یہ مسئلہ تو قدما میں مختلف فیہ ہے اور امکان کذب خلف وعید کی فرع ہے۔ پس ہم واشکاف الفاظ میں یہ ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں کذب کے محال ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔

دیکھئے کمال الدین بن ابی شریف جو اشعری المذہب فرماتے ہیں۔

لاخلاف بین الاشعریة وغیرہم فی ان کل ما کان وصف نقص فی حق العباد فالباری تعالیٰ منزہ عنہ وهو محار علی تعالیٰ والكذب وصف نقص فی حق العباد الی ان قال فہو مستحیل فی حقہ عزوجل۔

اشعریہ اور ان کے غیر کے درمیان اس بات میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ ہر وہ شے جو بندوں کے حق میں وصف نقص ہو وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے اور کذب بندوں کے حق میں وصف نقص ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ پر محال ہے۔

(مسامرہ ص ۲۰۶)

مسامرہ کی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ اشاعرہ اور ماتریدیہ میں امتناع کذب کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب خلف وعید کے مسئلہ پر انہیں قول بالکذب لازم کیا گیا، تو انہوں نے کذب سے اپنی برأت کا اظہار کیا اور کہا کہ آیات وعید انشاء بخوف پر محمول ہیں اور انشاء میں صدق و کذب کا احتمال نہیں ہوتا۔ پس خلف وعید سے کذب لازم نہیں آتا۔

بعض محققین نے اور جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آیات وعید اصرار عدم توبہ یا عدم عفو یا مشیت کے ساتھ عند اللہ مقید ہیں۔ یعنی جس آیت میں گنہ گار کو عذاب دینے کی وعید کی گئی ہے اس کے بعد شرط محذوف ہے مثلاً میں گنہ گار کو ضرور عذاب دوں گا۔ اگر اس کو معاف کروں یا اگر چاہوں تو یا اگر وہ توبہ نہ کرے اور محصیت پر مصر رہے۔ پس اب اگر اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر کے عذاب نہ دے یا اپنی مشیت یا اس کی توبہ کی وجہ سے عذاب نہ دے۔ تو اس کے کلام کا خلاف لازم نہیں آیا۔ البتہ ظاہری اور صوری طور پر اسے خلف وعید کہا گیا ہے۔ کیونکہ کلام میں شرط کا ذکر نہیں۔ اور علماء محققین نے شرط کے حذف کرنے کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اگر شرط کو کلام میں صراحتاً ذکر کر دیا جاتا تو گنہ گار گناہوں پر دلیر ہو جاتے۔ اب ہم آپ کے سامنے اپنے اس بیان کی تائید میں علماء محققین کی عبارات پیش کرتے ہیں۔

دیکھئے مشہور اصولی علامہ محب اللہ بہاری اپنی شہرہ آفاق تصنیف مسلم الثبوت پر واجب کی تعریف میں فرماتے ہیں۔

وقیل ما وعد بالعتاب علیٰ تدکما	اور بعض لوگوں نے واجب کی تعریف
ولا یخرج العفولان الخلف فی	میں کہا کہ واجب وہ فعل ہے جس کے فعل
الوعید جائد دون الوعد رد بان	پر عذاب یا جائے اور عفو اس تعریف سے
ایعاد اللہ تعالیٰ خبر فرما صادق	خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ خلف وعید جائز ہے

اور یہ جواب مردود ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی وعید قطعی طور پر خبر ہے پس وہ یقیناً صادق ہوگی اور بعض لوگوں نے جو وعید کو انشاء تخولیف پر محمول کیا ہے وہ بغیر کسی موجب کے حقیقت سے عدل کرنا ہے عدل ازیران کی یہ تقریر وعید میں بھی جاری ہو سکتی ہے پس معاد کا دروازہ بند ہو جائے گا بلکہ میں کہتا ہوں کہ انشاء کی تقدیر پر تو عفو بالکل باطل ہو جائیگا اور کلام آسمیں ہے کہ عفو باوجود متحقق ہونے کے واجب کی اس تعریف سے خارج ہو جاتا ہے پس ضروری ہے کہ یوں کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آیات وعید عدم کیساتھ مقید ہیں

خلف وعید سے جو بظاہر کذب لازم آتا ہے اس کے علامہ محب اللہ بہاری نے دو جواب دیئے ہیں، ایک آیات وعید کو عدم عفو سے مقید کر کے۔ دوسرا ان آیات کو انشاء تخولیف پر محمول کر کے پھر دوسرے جواب پر یہ اعتراض قائم کیا کہ یہ آیات اخبار ہیں اور اخبار کو بلا موجب انشاء پر محمول کرنا عدول عن الحقیقہ ہے۔ علاوہ ازیں اس طرح تو کوئی آیات وعید کو بھی انشاء ترغیب پر محمول کر سکتا ہے۔ علامہ بحر العلوم بکھنوی نے فواتح الرحموت میں اس اعتراض کا جواب دے کر انشاء تخولیف والے جواب کی تصویب فرمائی ہے۔

فرماتے ہیں۔

حق یہ ہے کہ حقیقت سے عدول کرنے کا موجب متحقق ہے اور وہ اہل کبائر کیلئے جواز عفو کا ثبوت ہے اور یہ ثبوت مثل آفتاب نیم روز کے قطعی اور یقینی ہے پس غیر کفار کی وعیدات میں ظاہر سے عدول کرنا

فالحق ان الموجب للعدول منحقق وهو ثبوت جواز العفو لاهل الكبائر الغير المشرک وثبوت قطعياً جلیباً مثل الشمس علی نصف النهار فلا بد من العدول عن

ضروری ہوا۔ پس یا تو آیات کو مقید کیا جائے گا یا ان کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے گا۔ رہا وعدہ تو اس میں چونکہ حقیقت سے عدول کرنے کا کوئی موجب نہیں تو وہ اپنی حقیقت پر رہے گا۔

میں کہتا ہوں اگر آیات وعید کو انشاء تخویف پر محمول کیا جائے تو خلف لازم نہیں آئے گا۔ کیونکہ یہ اس وقت معنوی طور پر خبر نہیں ہوں گی اور اگر ظاہر کے اعتبار سے انہیں اخبار پر ہی محمول کیا جائے تو پھر یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض کے قبیل سے ہیں اور دوسرے دلائل کی وجہ سے عموماً وعید سے مذنب مخفور کی تخصیص کر لی جائیگی اور اگر یہ دونوں وجہیں نہ کی جائیں تو لزوم کذب اور خلف سے چھٹکارا مشکل ہے البتہ اگر یہ کہا جائے کہ آیات وعید میں سزا کے وقوع کی خبر نیا مقصود نہیں بلکہ سزا کا استحقاق بیان کرنا مقصود ہے (یعنی کسی شخص نے گناہ کیا تو وہ اس سزا کا مستحق ہے نہ کہ اسے یہ سزا ملے گی پس عفو کی تقدیر پر کذب لازم نہیں آئیگا) چنانچہ آیہ کریم فجزاہ جنم خالداً فیہا میں اس کا اشارہ موجود ہے۔

الظاہر فی الوعیدات التی لغير الکفرۃ فاما بانقیبدا وجعلہ لانشاء التخیف واما الوعد فلا موجب فیہ فیبتقی علی الحقیقۃ (فواتح الرحموت ص ۲۳)

علامہ محقق جلال الدین رقم طراز ہیں۔

قلت ان حملت آیات الوعید علی انشاء التہدید فلا خلف لانه جینئذ لیس خبراً بحسب المعنی وان حمل علی الاخبار كما هو الظاهر فیمكن ان یقال بتخصیص المذنب المغفور عن عموماً الوعید باللائل المفضلة ولا خلف علی هذا التقدير ایضا فلا یلزم تبذیل القول واما اذا لم یقل باحد هذین الوجهین فی شکل التفصی عن لزوم التبذیل والکذب اللهم الا ان یحمل آیات الوعید علی استحقاق ما وعد به لعلی وقوعه بالفعل وفي الایة المذکوره اشارۃ الی ذالک حیث قال فجزاؤہ جہنم خالداً فیہا۔

شرح عقائد دوانی ج ۲ ص ۶۳

علامہ محقق شرح عقائد دوانی اس بحث میں نیز فرماتے ہیں -

اور اس اشکال کا رفع اس طرح ہے
کہ آیات وعید مشروط کے ساتھ
مقید ہیں جو دوسری آیات اور احادیث
سے معلوم ہیں مثلاً اصرار - عدم
توبہ اور عدم عفو وغیرہ اور یہ اخبار
تضایا شرطیہ کی قوت میں ہیں پس
انتفاء شرط کی تقدیر پر انتفاء مشروط
(عقاب) اصلاً کذب کو مستلزم نہیں ہے -

والوجه فی دفعہ ان آیات
الوعید مشروطہ بشروط
معلومہ من الآیات
الآخر والاحادیث منہا
الاصداً وعدم التوبہ
منہا عدم عفوہ تعالیٰ
فیکون فی قوۃ الشرطیۃ فلا یلزم
الکذب اصلاً -

(شرح عقائد دوانی ج ۲ ص ۲۹)

شیخ محقق عبدالحق دہلوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں -

اور بعض لوگوں کا یہ مسلک ہے کہ وعدہ
اور وعید کا خلاف قطعاً ممکن نہیں ورنہ
اخبار میں کذب لازم آئے گا -
اس کا جواب یہ ہے کہ اقتضاء
کرم کے قرینہ سے وعید مشیت کے
ساتھ مشروط ہے اور وعدہ کی خبر
یقینی طور پر پوری ہو اور جن آیات و
احادیث میں مشیت کی تصریح ہے وہ نیز
اس امر پر قرینہ ہیں یا پھر آیات وعید
میں وعید سے مراد سزا کا استحقاق ہے - نہ کہ سزا
کا وقوع اور فعلیت اور یا آیات وعید
انشاء تحلیف پر محمول ہیں اور حقیقت میں

و بعضے برائیں اندک خلاف روعدہ
دوعید او قطعاً نرود والا کذب
اخبار اول لازم آید تعالیٰ عن ذالک
جو ابش آنست کہ بقرنیہ اقتضاء کرم
در اخبار وعید شرط مشیت مقدر بود
اگرچہ تصریح بدان نکرده باشد و خبر
وعدتاً مقضیاً باشد و آیات احادیث
کہ درینجا تصریح بمشیت وقوع یافتہ
است نیز قرینہ آن تواند بود یا خود
از اخبار وعید استحقاق عذاب است
نہ وقوع بالفعل یا مراد بدل انشاء وعید
است نہ حقیقت اخبار پس کذب

تبدیل لازم نہ آید۔

(تکمیل الایمان ص ۱۲۳)

علامہ خیالی فرماتے ہیں

واقول لعل مرادهم ان الکرم
اذا اخبره بوعد فاللائق بشانه
ان يبني اخباره على المشية وان
لم يصرح بذلك بخلاف الوعد
فلا كذب ولا تبديل۔

(عاشية النجالي ص ۱۲۶)

اور علامہ عبدالعزیز پیر ہاروی اشاعرہ کی طرف سے لزوم امکان کذب
کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اشاعرہ نے جو کہا ہے کہ خلف وعید کرم
ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ کریم جب
کسی سزا کی خبر دیتا ہے تو اس کے کرم سے
بعید نہیں کہ وہ اس سزا کو اپنی مشیت پر
موقوف کرے اگرچہ وہ اس تعلیق کی تصریح
نہیں کرتا تا کہ عاصی معصیت پر دلیر نہ
ہو جائے۔ لیکن جب وہ کسی انعام کی بشارت
دیتا ہے تو اس کی شان کے لائق ابقار اور
پورا کرنا ہے۔ قوت قلوب میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جس سے
اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے تو اسکو پورا فرماتا ہے
اور جس کو کسی عمل پر سزا کی خبر دیتا ہے تو اس

معنی قولهم الخلف في الوعيد
كرم ان الكرم اذا اخبر بالوعيد
فلا يبعد من كرمه ان يحلفه
بالمشية وان لم يصرح بها لئلا
يغتر بها العاصي اما اذا اخبر
بالوعد فاللائق بحاله الابقاء
والانجاس وقال في قوة القلوب
روينا عن رسول الله صلى
الله عليه وسلم من وعد
الله على عمل تو ابا فهو
منجز له ومن اوعده على
عمله فهو فيه بالخيار

میں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے۔

(نبراس ص ۳۶۶)

علامہ بیضاوی اور شیخ ابوسعود اپنی تفسیروں میں لایمخلف اللہ المیعاد کے تحت فرماتے ہیں۔

اس آیت سے وعید یہ نے وعید لازم ہونے پر استدلال کیا اور اس کا جواب یہ ہے کہ فساق کی وعید دلائل مفصلہ کی بنا پر عدم عفو کے ساتھ مقید ہے جس طرح وہ عدم توبہ کے ساتھ بالاتفاق مقید ہیں۔

واستدل به الوعیدیۃ واجیب بان وعید الفساق مشروطۃ بعدم العفو لدلائل مفصلۃ کہا ہو مشروطۃ بعدم التوبۃ وفاقا۔

اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔

بہر حال تیرا یہ قول کہ اگر اللہ تعالیٰ فاسق کو عذاب نہ دے تو وہ کاذب ہو جائے گا۔ پس اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اس وقت لازم آتا ہے جبکہ وعید جزا ثابت ہوتی ہے اور کسی شرط پر موقوف نہ ہوتی اور میرے نزدیک تمام آیات وعید عدم عفو کے ساتھ مختص ہیں پس ترک عذاب سے اللہ تعالیٰ کے کلام کا کاذب ہونا لازم نہیں آتا۔

فاما قولك لو لو يفعل لصا
كاذبا ومكذبا بالنفسه فجوابه
ان هذا انما يلزم لو كان الوعيد
ثابتا جزم من غير شرط و
عندى جميع الوعيدات مشروطا
بعدم العفو فلا يلزم من
تركه دخول الكذب في
كلام الله تعالى (تفسیر کبریٰ ج ۲ ص ۶۰۹)

خلف وعید کی بحت میں ہم نے جو عبارات پیش کی ہیں اور ان سے جو جوابات مستنبط ہوئے ان کا خلاصہ یہ ہے کہ عفو کی تقدیر پر آیات وعید کا خلاف لازم نہیں آتا اور یہ اس لئے ہے کہ یہ آیات عام مخصوص عنہ البعض ہیں۔
ثانیاً: اس لئے کہ یہ آیات عدم عفو وغیرہ سے مقید ہو کر قضا یا شرطیہ کی قوت میں ہیں۔

ثالثاً: اس لئے کہ یہ انشاء تخویف پر محمول ہیں۔

رابعاً۔ اس لئے کہ ان آیات میں وقوع عقاب کی خبر نہیں۔ بلکہ استحقاق عقاب کی خبر ہے۔ اور ان چاروں جوابوں کو ہم نے بکثرت علماء کے حوالوں سے پیش کیا ہے اور بیشتر علماء کی عبارات کو طوالت کے خوف سے ترک کر دیا ہے۔

مذہب سے جو تھی گزارش | سطور گزشتہ میں جو تحقیق پیش کی گئی ہے اس سے واضح ہو گیا کہ خلف و عید اپنے

ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے اور خلف و عید سے جو معنی بعض اشاعرہ نے لیا ہے۔ وہ نہ کذب کا عین ہے اور نہ کذب کو مستلزم ہے۔ کیونکہ وہ خلف و عید کو انشاء، تحویف پر محمول کرتے ہیں اور انشاء صدق و کذب کا احتمال نہیں رکھتا اور اہلسنت ماتریدیہ نے آیات و عید کو عدم عفویا مشیت کے ساتھ مقید کیا ہے اور اس طور پر صرف ظاہر اور صورت خلف و عید رہ جاتا ہے۔ اور یہ نہ کذب کا عین ہے نہ اس کو مستلزم ہے۔ پس دیوبند کے اہل علم پر عقل انگشت بندال ہے۔ جنہوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیا ہے کہ مسئلہ امکان کذب قدماء میں مختلف فیہ رہا ہے۔ اور امکان کذب خلف و عید کی فرع ہے۔

دیکھئے خلیل احمد صاحب اینٹھوی لکھتے ہیں۔
امکان کذب کا مسئلہ تو اب جدید کسی نے نہیں نکالا۔ بلکہ قدماء میں اختلاف ہوا ہے کہ خلف و عید آیا جائز ہے کہ نہیں۔ ۱۲ الی ۱۲ ان قال اور امکان کذب کہ خلف و عید کی فرع ہے جو قدماء میں مختلف

فیہ ہو چکا ہے۔ (براہین قاطعہ ص ۶)

اور اسی مضمون کو رشید احمد صاحب گنگوہی نے بھی فتاویٰ رشیدیہ میں بیان کیا ہے اور امکان کذب کو خلف و عید کی فرع قرار دیا ہے۔ حالانکہ ہم دلائل کثیرہ سے واضح کر چکے ہیں کہ خلف و عید کسی کے مذہب پر بھی نہ کذب کا عین ہے نہ اس کو مستلزم ہے نہ اس پر متفرع ہے۔

مکذبین سے پانچویں گزارش

ہم سطور سابقہ میں امام رازی سے نقل کر چکے ہیں کہ امکان اور جواز کذب کا

قول قریب بہ کفر ہے۔

دیکھئے امام رازی فرماتے ہیں۔

اما اذا جوز علی اللہ الخلف فیہ فقد جوز

الکذب علی اللہ وهذا خطأ عظیم

بل یقرب من ان یکون کفراً۔

خلف وعید کو جائز رکھنا کذب کو جائز رکھنا

ہے اور جس نے اللہ تعالیٰ پر کذب جائز رکھا

اس نے کفر کے قریب قول کیا۔

د تفسیر کبیر ج ۳ ص ۲۹۲

پس مکذبین سے گزارش ہے کہ وہ آنکھوں دیکھتے مکھی نہ کھائیں اور جس چیز کو

علماء اہلسنت نے کفر کہا ہے۔ اس کو اپنا عقیدہ نہ بنائیں۔

عموم قدرت اور خلف وعید سے عام طور پر مکذبین اور ابناء بدعت عوام

الناس کو مغالطہ دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ ذرا اس پر کھیل کر گفتگو

کی جائے۔ اس کے بعد اب ہم سرفراز صاحب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جنہوں

نے مغالطہ عامۃ الورود کے قبیل سے تیرہ مغالطہ دیئے ہیں۔ اور بزعم خود شیل مکان

کذب کو ثابت کر لیا ہے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ " اللہ

تعالیٰ قرآن کریم میں یہ ارشاد فرمایا

سرفراز صاحب کا پہلا مغالطہ

ہے کہ :-

ولئن شئنا لنذہبن

بالذی اوجینا الیک ثولا

تجدلک بہا علینا وکیلا الارحۃ

من ربک ان فضلہ کان

علیک کبیر (پ ۱۵۔ نبی اسرائیل) (تفہیم ص ۱۴)

اور اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس چیز

کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے

اپنے واسطے اس کے لادینے کو ہم پر کوئی

ذمہ دار مگر مہربانی سے تیرے رب کی

بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

اور اس آیت سے سرفراز صاحب نے مندرجہ ذیل مطلب کشید کیا ہے۔
 ” نہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ سے نبوت اور وحی چھینی ہے اور نہ یہ مقام
 آپ سے چھیننے کا اور کسی مسلمان کو اس میں شک نہیں لیکن اس بالا
 مضمون میں یہ امر واضح کر دیا ہے کہ اگر (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ
 آپ سے یہ مقام چھیننا چاہے تو اس پر قادر ہے۔
 (تنقید متین ص ۱۷۴)

اس آیت کریمہ میں نبوت سلب کرنے کا کوئی ذکر نہیں۔ مگر سرفراز صاحب
 نے جب دیکھا کہ اگر سلب نبوت کا لفظ قرآن میں نہ بڑھایا گیا تو دیوبندی بدعت
 پیوند زمین ہو جائے گی۔ پس اپنے عقیدہ فاسد کو ثابت کرنے کے لئے سلب
 نبوت کا چور دروازہ نکال لیا اور اس تحریف کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے کہ
 ”جب وہ خبر دے چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تا
 قیامت دبلکہ قیامت میں بھی رہے گی، تو اس خبر کے خلاف قدرت
 تسلیم کرنے سے اس کے کلام میں کذب کا احتمال اور امکان پیدا
 ہوتا ہے“ (تنقید متین ص ۱۷۴)

یہ ہے سرفراز صاحب کی سیدہ زوری اور ڈھٹائی کیونکہ وہ اپنے ان
 خیالات میں منفر و ہیں۔ اس لئے اپنی اس جسارت پر وہ اہل علم کی تائید پیش
 کرنے سے قاصر رہے۔۔۔۔ اب ہم اس آیت کے تحت مفسرین کرام کی
 تفاسیر تفویض قلم کرتے ہیں۔

علامہ ابی السعود اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

ولئن شئنا لنذهبن بالمدی
 اوحینا الیک من القرآن الذی هو
 شفاء ورحمتا للمؤمنین وھنیع
 بلعلوم التی اوتیتموھا و ثبتناک
 اور اگر ہم چاہیں تو آپ سے اس قرآن کریم
 کو لے لیں جس کی ہم نے آپ کی طرف وحی کی
 ہے جو شفاء ہے اور مؤمنین کے لئے رحمت
 ہے اور تمام علوم کا منبع ہے۔ اور ہم نے

آپ کو ثابت قدم رکھا جس وقت وہ آپ کو فتنہ میں ڈال رہے تھے! اور اگر ہماری تائید نہ ہوتی تو قریب تھا کہ آپ انکی طرف کچھ ماٹل ہو جاتے اور قرآن لے جانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو مصاص اور سینوں سے محو کر دیتا۔

عليه حين كما واليفتتونك عنه
ولولا لك دت نركن اليهم شيئا
قليلا الى ان قال والمراد من
الذهاب به المحو من المصاحف
والصدوس۔ (تفسير الجوسعود)

اور امام رازی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

قرآن کریم میں جو لفظ ہین بالذی او جینا وارد ہے۔ اس سے مراد دلوں اور مصاصوں سے علوم کو محو کر دینا ہے۔

المراد بهذا الاذهاب ازالة
العلم به عن القلوب وازالة النفوس
الذاتية عن المصحف۔

(تفسیر کبیر)

علامہ بیہناوی فرماتے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن کو لے جائیں اور اس کو مصاص اور سینوں سے محو کر دیں۔

والمعنى ان شاءنا ذهبنا بالقرآن
ومحونا من المصاحف والصدوس۔

(انوار التنزيل)

جلالین شریفی ہیں۔

یعنی وحی سے مراد قرآن ہے پس اگر ہم چاہیں تو اس کو صدور و مصاص سے محو کر دیں۔

اي القرآن بان نمحوه من
الصدوس والمصاحف۔

ان تفاسیر کے حوالوں سے یہ امر واضح ہو گیا کہ یہاں پر علوم اور قرآن کو سینوں اور مصاص سے محو کرنے کا ذکر ہے۔ نہ کہ سلب نبوت کا بیان ہے جس پر سرفراز صاحب نے عقیدہ امکان کذب کی بنیاد رکھی ہے۔

سرفراز صاحب کا دوسرا مغالطہ | سرفراز صاحب سمجھتے ہیں۔

کیا وہ کہتے ہیں کہ اس نے باندھا اللہ پر جھوٹ

ام يقولون افتري على الله كذبا

سو اگر اللہ چاہے مہر کرے تیرے
دل پر اور مٹا دے اللہ جھوٹ کو اور ثابت
کرے سچ کو اپنی باتوں سے اس کو معلوم
ہے جو دلوں میں ہے۔

فان يشاء الله يختم على قلبك
ويبصر الله الباطل و يحق
الحق بكلها تا انما عليهم بذات
الصداق۔

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تیرے دل پر
(معاذ اللہ) مہر لگا دے۔ وحی نبوت بند بلکہ سلب کر لے۔

(تنقید متین ص ۱۲۴، ۱۲۵)

سرفراز صاحب نے اس جگہ بھی دل کھول کر قرآن میں تحریف کی ہے اور
ترجمہ و تفسیر میں من مافی کاروائی کر کے بزعم خویش یہ ثابت کر لیا کہ اللہ تعالیٰ
نے قرآن کریم میں آپ کی نبوت سلب کرنے پر قدرت کا اظہار فرمایا۔ اور یہ
بھی خبر دی ہے کہ قیامت تک آپ کی نبوت باقی رہے گی۔ لہذا سلب
نبوت کا امکان بعینہ کذب کا امکان ہے۔ چلئے چھٹی ہوئی۔ امکان کذب
ثابت ہو گیا۔

الجواب۔ اس آیت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس کا ترجمہ سلب وحی یا
سلب نبوت کیا جاسکے۔ ہمارے نزدیک اس آیت کا صحیح ترجمہ اس طرح ہے
فان يشاء الله يختم على قلبك اور اگر اللہ چاہے تو تمہارے دل پر اپنی رحمت
و حفاظت کی مہر فرما دے۔

علامہ جلال الدین اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں

یعنی اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو آپ کے دل پر مشرکین
کی نازیبا باتوں پر صبر کی مہر لگا دے تاکہ آپ
مشرکین کی نازیبا اور تکلیف دہ باتوں پر صابر ہو
جائیں اور بے شک اللہ تعالیٰ نے آپ کے
دل کو ایسا کر دیا۔

(فان يشاء الله يختم
يربط (على قلبك) بالصبر على
اذا هم بهذا القول وغيره و
قد فعل۔

(تفسیر جلالین)

اس آیت کی تفسیر میں علامہ نسفی فرماتے ہیں۔

مجاہد نے کہا معنی یہ ہے کہ کفار کی اذیتوں پر آپ کے دل کو صابر بنا دے اور ان کے قول افتراء علی اللہ کذباً پر تاکہ ان کی تکذیب پر آپ کو مشقت نہ ہو۔

قال مجاهد ای یربط علی قلبک بالصبر علی اذا هم و علی قولهم افتراء علی اللہ کذباً باللائلاخله مشقة بتکذیبهم

(مدارک التنزیل)

علامہ خازن اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

یعنی آپ کے دل کو ایسا صابر بنا دے کہ اس پر کفار کی اذیتیں اور ان کا آپ کو مفتری کہنا شاق نہ گذرے۔

ای یربط علی قلبک بالصبر حتی لا یشتق علیک اذا هو قولهم انما مفتر (باب التأویل)

خازن مدارک اور جلالین کی عبارتوں سے سجد اللہ یہ امر واضح ہو گیا کہ نہ سلب نبوت کا خود قرآن میں ذکر ہے اور نہ مفسرین کرام کے اذہان میں یہ ناپاک معنی موجود تھا جسے بنیاد قرار دے کر سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ کے لئے کذب جیسے نقص کا امکان ثابت کیا ہے۔ بعض مفسرین نے پختہ علی قلبک کی اور بھی کئی تفسیریں کی ہیں۔ ہم انہیں بھی پیش کر کے اس مسئلہ کو بالکل بے غبار کر دینا چاہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

علامہ بیضاوی فرماتے ہیں۔

مشرکین کے اس قول کے جواب میں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھا ہے اللہ تعالیٰ کا فان یشاء اللہ نختم علی قلبک فرمانا ان کے اس افتراء کو آپ صیبی شخصیت سے بہت بعید قرار دینا ہے کیونکہ اللہ پر افتراء کرنے کی جسارت تو وہ شخص کر سکتا ہے جس

استبعاد للافتراعن مثله بالاشعار علی انما انما یجتزی علیہ من کان محتوما علی قلبہ جاہلا بریبہ فاما من کان ذال بصیرة و معرفة فلا وکان قال ان یشاء اللہ خذ لانک ینختم علی قلبک

لتجری بالافتراء علیہ و
 قیل یختل علی قلبک
 یمسک القرآن والوحی
 عنہ اویربط علیہ
 بالصبر فلا یشق
 علیک اذا هم

(انوار التنزیل)

کے دل پر مہر لگی ہو۔ اور وہ اپنے رب سے جاہل ہو
 لیکن صاحب معرفت و بصیرت ہو اس سے یہ
 افتراء ہونا محال ہے پس گویا کہ اللہ تعالیٰ
 نے فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ کو رسوا کرنا چاہتا
 تو آپ کے دل پر مہر لگادیتا تاکہ آپ اس پر افتراء
 کرنے اور یوں بھی کہا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو آپ سے
 نزول قرآن یا وحی روک لیتا اور یہ بھی تفسیر کی گئی کہ
 اگر اللہ چاہے تو آپ کے دل پر صبر کی مہر لگا دے۔

اب آپ پورے غور سے علامہ بیضاوی کی نقل کردہ تینوں تفسیروں کو ملاحظہ
 فرمائیں کسی تفسیر میں بھی سرفراز صاحب کے ناپاک عقیدہ کی گنجائش نہیں ہے پہلی
 تفسیر میں واضح ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو نبی علیہ السلام
 اس پر افتراء کرنے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسا نہیں چاہا۔ اور ہم پہلے بیان کر چکے
 ہیں۔ کہ انبیاء کے کلام میں کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغیر ہونا ہے دوسری
 تفسیر پر معنی یہ ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وحی یا قرآن کو روک لیتا اور اساک
 وحی یا قرآن امر ممکن ہی نہیں۔ بلکہ حقیقت ثابتہ ہے۔ کئی مواقع پر ہشمار حکمتوں کے
 پیش نظر وحی روک لی گئی۔ اور تیسری تفسیر کی تفصیل ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں پس
 بحد اللہ ثابت ہو گیا کہ قرآن شریف کی اس آیت کریمہ میں اس ناپاک عقیدہ کا نام
 و نشان تک نہیں۔ جسے ثابت کرنے کے لئے سرفراز صاحب نے قرآن میں بنور
 زیادتی کی اپنی طرف سے الفاظ داخل کئے اور پھر تفسیر با لرای کر کے اپنے لئے
 آخرت کی مخصوص وادی میں جگہ بنائی۔

سرفراز صاحب کا تیسرا مطالعہ | سرفراز صاحب نے اللہ تعالیٰ
 کے جھوٹ کو ممکن ثابت کرنے

کے لئے تیسری مرتبہ کہا اور قرآن کریم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی

دعا تفل کی جس کے بنیادی الفاظ یہ ہیں ومن عصافی فانک غفور رحیم جو میری نافرمانی کرے تو تو اس کو بخشنے والا مہربان ہے اور اس کا مقصد ان کے الفاظ میں یہ ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ مشرک اور بت پرست کی جس کا خاتمہ کفر ہے ہو چکا ہو مغفرت کا کیا سوال ہے۔ رب العزت کا قطعی فیصلہ جب یہ ہے کہ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ الا یہا۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس چیز کو نہیں معاف کریگا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔ تو پھر مشرک کی بخشش کا کیا سوال حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس مضمون میں یہ تبلا نام مقصود ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ بت پرستوں کو بھی بخشنا چاہے تو اس کو قدرت ہے۔ (تنقید متین ص ۱۷۶)

اس استدلال کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین کی مغفرت ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کے کذب کو مستلزم ہے اور چونکہ یہ مغفرت ممکن ہے۔ اسلئے اللہ کے کلام ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ کا کذب ممکن ہو گیا۔ اس کلام میں سرفراز صاحب نے انگنت وجوہ سے اپنی جان اور ایمان پر ظلم کیا ہے اور ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس آیت میں تحریف کی ہے دوسرے یہ کہ خدا کے لئے نقص ثابت کرنے کی مذموم سعی کی۔ ثالثاً یہ کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تقدس و عصمت پر جاہلانہ حملہ کیا۔ اور یہ ثابت کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے حضور مشرکوں اور کافروں کی بخشش کی دعا کی۔ حالانکہ مشرکوں کے حق میں دعا کرنا معصیت ہے بلکہ بقول علامہ شامی کفر ہے۔

ملاحظہ ہو سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما کان للنبی والذین امنوا ان	پیغمبر علیہ السلام اور باقی مسلمانوں کے لئے یہ جائز نہیں
یتخفروا للمشرکین ولو کانوا اولیٰ	کہ وہ کافروں کی سرٹائے جہنم ظاہر ہونے کے بعد
قربی من بعد ما تبین لہم اخم	کسی مشرک کے حق میں دعا مغفرت کریں اگرچہ ان کے
اصحاب الحجیم وما کان استخفا	رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں اور ابراہیم علیہ السلام کا اپنے

ابراہیم لایبیا الاعن موعدة
وعدھا ایاہ فلہما تبین لہما
عدواللہ تبرا منہ

چچا آذر کے حق میں دعا کرنا ان کے وعدہ ایمان کی
وجہ سے تھا۔ پھر حبان پر ظاہر ہو گیا کہ وہ اللہ کا دشمن
ہے تو وہ اس سے بیزار ہو گئے۔

قرآن شریف کی یہ آیت صاف اعلان کر رہی ہے کہ مشرکین کے حق میں مغفرت
کی دعا کرنا معصیت ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ برأت کا ذکر فرما رہا
ہے۔ کہ وہ مشرکین سے بیزار تھے! اور آذر کے حق میں جو انہوں نے دعا کی وہ اس امید
پر کی تھی کہ یہ وعدہ اسلام کو پورا کرے گا۔ اور جب اس نے وعدہ پورا نہ کیا۔ تو اس
سے بیزار ہو گئے۔ اب آپ سرفراز صاحب کو دیکھئے کہ ان کا نہ قرآن پر ایمان
ہے۔ نہ خدا کی بات کا اعتبار کرتے ہیں۔ اور بیک جنبش قلم حضرت ابراہیم علیہ السلام
کے لئے مشرکوں کے لئے بخشش کی دعا مانگنے کا جرم ثابت کر کے ان کے دامن عصمت
کو داغدار کر رہے ہیں۔ اب غور کیجئے کہ خدا کے لئے کذب کا امکان ثابت کرنے کے لئے
سرفراز صاحب کہاں تک پہنچ گئے اور کس طرح آیات قرآنی کو ہوائے نفسانی سے
یا زچہ اطفال بنا لیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے لئے علی الاعلان معصیت کا ثبوت اپنی
کتاب میں چھاپ دیا اور ورق کے ورق سیاہ کر ڈالے۔

اب ہم آپ کے سامنے اسی آیت کی تفصیل ہم رازی کے قلم سے پیش کرتے ہیں۔

واحتج اصحابنا بھذا الایتا
علی ان ابراہیم علیہ السلام ذکر
لھذا الکلام والغرض منہ الشفاعت
فی حق اصحاب الکبائر من امتہ
والدلیل علیہ ان قولہ ومن
عصانی فانک غفور رحیم صریح فی
طلب المغفرة والرحمة لا اولئک
العصاة فنقول اولئک العصاة اما
ہمارے اصحاب اہل سنت نے اس
آیت سے اس بات پر استدلال کیا ہے
کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس دعا
سے اپنی امت کے گناہگار مسلمانوں
کی شفاعت کی ہے اور اس پر دلیل
یہ ہے کہ من عصانی فانک غفور رحیم
گناہگاروں کی شفاعت پر صریح نص
ہے اب یہ گناہگار یا مومن ہوں گے یا کافر۔

ان یكونوا من الکفار اولایکونوا
 کذا لک (والاول) باطل من وجهین
 (الاول) انه علیہ السلام بین فی
 مقدمتہ ہذا الایۃ انما میرا
 عن الکفار وهو قولہ اجنبی وبنی
 ان نعبد الاصلنام وایضا قولہ
 فمن تبعنی فانه منی یدل
 بمفہومہ علی ان من لم یتبعہ علی
 دینہ فانه لیس منہ ولا یتبعہ
 باصلاح مہماتہ (والثانی) ان
 الامۃ مجمعۃ علی ان الشفاعۃ فی
 استقاۃ عذاب الکفر غیر جائزۃ
 ولما بطل هذا ثبت ان قولہ
 ومن عصانی فانک غفور رحیم
 شفاعتہ فی العصاۃ الذی لا
 یكونون من الکفار۔

کافر تو ہو نہیں سکتے۔ اولاً اس لئے کہ
 اس آیت کے شروع میں حضرت ابراہیم
 علیہ السلام کفار سے بیزاری کا اظہار
 فرما چکے ہیں اور وہ یہ قول ہے واجنبی
 وبنی ان نعبد الاصلنام (مجھے اور میری
 اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ۔
 نیز فمن تبعنی فانه منی اس پر دلالت کرتا
 ہے کہ جو آپ کا تابع نہ ہو وہ آپ سے
 نہیں اور آپ کو اس کی طلب مغفرت
 کی ضرورت نہیں ہے۔ ثانیاً اس لئے کہ امت
 کا اجماع ہے کہ کفر کے عذاب کو ساقط کرنے
 کے لئے شفاعت کرنا جائز نہیں اور جب
 یہ شفاعت باطل ہو گئی تو ثابت ہو گیا کہ
 آپ کی دعاؤں میں عصافی فانک غفور رحیم
 امت کے ان گنہگاروں کے حق میں شفاعت
 ہے جو کافر نہیں ہیں۔

مشہور ہے کہ گرگٹ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دشمنی میں نارغرو دو کو
 بھڑکانے کے لئے پھونکیں مار کر حق عداوت پورا کیا تھا۔ لکھڑ کے سرفراز نے بھی
 حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شفاعت مشرکین کی تہمت لگا کر اس تاہنخ کو ایک
 بار پھیر دیا ہے۔ لیکن نہ اس کی پھونکوں سے پیدا ہوا ابراہیم علیہ السلام کو کوئی
 گزند پہنچ سکا۔ اور نہ سرفراز صاحب کی دشنام طرازی سے آپ کے دامن
 تقدس پر کوئی حرف آسکتا ہے۔ بہر حال امکان کذب پر قائم کی ہوئی اس
 تفسیری دلیل کا حال بھی قارئین پر واضح ہو گیا کہ اس دلیل کی بنیاد اس

اب ہم کتاب کو اہل سنت کے عقائد بیان کرنے کے بعد ختم کرتے ہیں، پھر مسلک اہلسنت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ليستجیل عليه سمات النقص اللہ تعالیٰ پر صفات نقص محال ہیں جیسے
کالجھل والكذب (سامرہ ص ۳۹۳) جہالت اور کذب۔

اب قارئین کرام نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ اہل سنت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات ہے اور یہی امام ابن ہمام کا مسلک ہے اور ص ۲۰۹ پر محقق ابن ہمام نے کچھ کہا ہے اس کی حقیقت علامہ نسفی پر جرح کے سوا اور کچھ نہیں جس کی توضیح ہم ابھی ہدیہ ناظرین کئے دیتے ہیں۔

محقق ابن ہمام نے علامہ نسفی پر اعتراض کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ علامہ نسفی نے امکان کذب کو معتزلہ کی طرف منسوب کیا حالانکہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کذب ممتنع بالذات ہے حقیقت یہ ہے کہ اکثر معتزلہ کا مذہب امتناع کذب ہی ہے جیسا کہ محقق ابن ہمام نے فرمایا ہے۔ لیکن بعض معتزلہ اس بات کے قائل ہیں کہ کذب اور ظلم اللہ تعالیٰ کا مقدور ہے۔ لیکن ان کا از نکاب نہیں کرتا۔ ملاحظہ فرمائیے صاحب موافق نے بعض معتزلہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

سأهلب المعتزلي قال تعالى راہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اچھوٹ
حتی ان یکذب ویظلم قادس بولنے اور ظلم پر قادر ہے۔

اور امام رازی متوفی ۶۰۶ھ ان الله ليس بظلام اللجبید کی تفسیر میں فرماتے ہیں

قالت المعتزلة هذا الایتنا تدل
على مطالب الثالث انه
سبحانه تمدح باننا لا یفعل
الظلم فوجب ان یكون
قادسا علیہ خلاف ما
یقولوا النظام وان یرحم

معتزلہ نے کہا کہ یہ آیت کئی مطالب پر
دلالت کرتی ہے از انجملہ یہ ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اپنی عدم ظلم سے مدح
فرمائی پس واجب ہوا کہ اسے ظلم
پر قدرت ہو بخلاف مذہب
نظام کے اور واجب ہوا

ثانیاً اس قاعدہ کی بنا پر لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ کی ہلاکت، اور اس معدوم ہونا بھی ممکن اور مقدور ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو عدم ہلاکت سے موصوف کیا ہے۔ کل شیہی ہالک الاوجہ اور آپ کے بیان کردہ قاعدہ کی بنا پر عدم ہلاکت کمال تک ہوگی جب ہلاکت ممکن اور مقدور ہو۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت ممکن ہوئی تو اس کا عدم ممکن ہو گیا۔ اور جس کا عدم ممکن ہو وہ آپ کا خدا ہوگا۔ مسلمانوں کا نہیں ہے۔

ثالثاً کسی وصف کو باوجود مقدور ہونے کے نہ کرنا کمال اس کے لئے ہوتا ہے۔ جس کے لئے وہ وصف ممکن ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ کذب ممکن ہی نہیں ہے۔ اس لئے یہ قاعدہ جاری نہیں ہوگا۔

دیکھئے علامہ قاسم بن قطلوبغا شرح مسائرہ میں اسی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

قلنا من یجوز منه وقوع
نکال الامور فامتناعه مع
منه الوقوع فلا یجوز وصفه
بالقدرة علیہ۔

میں کہتا ہوں کہ جس سے کذب ظلم اور جہل کا وقوع جائز ہو اس کے لئے ان امور کو باوجود قدرت کے نہ کرنا زیادہ کمال کا موجب ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے لئے تو یہ امور ممکن ہی نہیں پس اللہ تعالیٰ کو ان امور پر قادر ہونے سے موصوف کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

(شرح المسائرہ مع المسامرہ ص ۲۱۰)

شرح مواقف کی عبارت | سرفراز صاحب نے شرح مواقف (ص ۷۹) کا حوالہ تو دے دیا لیکن اس کتاب کی بھی عبارت پیش نہیں کی۔ بہر حال ہم ان کی طرف سے عبارت پیش کر کے اس کا جواب دیتے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے۔ میر سید شریف شرح مواقف اس بحث کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ:

”معتزلہ کے نزدیک گنہگاروں کو عذاب دینا واجب ہے۔“

ورنہ کذب لازم آئے گا۔“

اہل سنت نے جواباً کہا کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ عذاب کا وقوع ہو اور وقوع عذاب بلا وجوب سے کذب اور حلف لازم نہیں آتا۔ اس پر سید شریف نے اعتراض کیا کہ اگر عذاب واجب نہ ہو تو یہ بھی جائز نہ ہوگا کہ عذاب واقع نہ ہو اور عدم وقوع عذاب کا امکان حلف اور کذب کے امکان کو مستلزم ہے اور کذب اور حلف محال ہے۔ پس اس کا جواب میں سید شریف نے کہا:

استحالة منه ممنوعة كيف وهما
من الممكنات التي يشملها قدرته
تعالى۔ (شرح مواقف ص ۷۰۹)

کذب کا محال ہونا ممنوع ہے کیونکہ کذب
اور حلف ان ممکنات میں سے ہیں جنہیں
اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل ہے۔

الجواب: اولاً گذارش یہ ہے کہ میر سید شریف کی یہ عبارت محل تاویل میں ہے۔ اور اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے مردود ہے۔ چنانچہ علامہ جلال الدین دوانی نے شرح عقائد جلالی میں اس کو رد کر دیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

واعترض عليه الشريف العلامة
بأنه جينئذ يدرك جواباً زهما وهو
محال لان امکان المحال محال واجاب
عنه بان استحالة هما ممنوع كيف
وهما من الممكنات التي يشملها قدرت
الله تعالى قلت الكذب نقص النقص
عليه محال فلا يكون من الممكنات
ولا يشملها القدرة وهذا كمالا
يشمله القدرة سائر جوه النقص
عليه تعالى كالجهد والعجز ونفي صفة
الكلام وغيرها۔

علامہ شریف نے اعتراض کیا کہ عدم وجوب
عذاب اور امکان عفو کی تقدیر پر کذب کا
امکان ہے۔ لازم آئے گا اور وہ محال
ہے۔ پھر خود جواب دیا کہ کذب کا استحالة
ممنوع ہے کیونکہ کذب اور حلف ان ممکنات
میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت شامل
ہے میں کہتا ہوں کہ کذب نقص ہے اور
نقص اللہ تعالیٰ پر محال ہے پس نہ تو یہ ممکن
ہے نہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت داخل
ہے جس طرح باقی وجوہ نقص کو اللہ تعالیٰ کی
قدرت شامل نہیں ہے۔ اسی طرح کذب کو

(شرح عقائد جلالی ج ۲ ص ۶۲) بھی قدرت الہی شامل نہیں ہے۔

بہر کیف اپنے ظاہری محمل کے اعتبار سے سید شریف جرجانی کی یہ عبارت مردود ہے۔ علامہ جلال الدین دوانی کے علاوہ اور علماء و شارحین نے بھی اس کو رد کیا ہے۔ طوالت کی وجہ سے ہم نے اسی عبارت پر اکتفا کیا ہے۔

ثانیاً یہی سید شریف جرجانی شرح مواقف ص ۶۸۸ پر لکھتے ہیں:

”انبیاء کرام کا صدق واجب ہے“

نوٹ:۔ شریف جرجانی کی عبارت کو ہم نے قوسین میں ذکر کیا ہے باقی عبارت صاحب مواقف کی عبارت ہے۔

اجم (اہل الملل) والشرائع (وکلہا)
علی وجوب عصمتہم من بعد کذب
فیما دلّت المعجزۃ (القاطع علی
صدقہم فیہ) کد عوی الرسالت
وما یبلغونہ من اللہ (الی الخلائق
اذ یوجاز علیہم النفول والافتدانی
ذالک عقلاً لا وی الی ابطل المعجزۃ و محال۔ (شرح مواقف ص ۶۸۸)

تمام ادیان اور شرائع کا اس بات پر اجماع ہے کہ انبیاء کی امور تبلیغیہ میں تعمّد کذب سے عصمت واجب ہے۔ کیونکہ اگر امور تبلیغیہ میں ان پر اقراء اور کذب عقلاً جائز ہو تو دلالت معجزہ باطل ہو جائے گی اور یہ محال ہے۔

اگر میر سید شریف کی ان دونوں عبارتوں کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جائے تو ان کا مطلب یہ ہو گا کہ انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن بالذات اور ممتنع بالغير ہے اور انبیاء علیہم السلام کا صدق واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا صدق ممکن ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ومن اصدق من اللہ قبلا۔
اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی سچا نہیں ہے۔

اور واضح ہے کہ کوئی ہوشمند بھی اس بات کو قبول نہیں کرے گا۔

ثالثاً سید شریف جرجانی نے اپنی اس عبارت میں تصریح کی ہے کہ امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام کا کذب ممتنع بالذات ہے۔ اور امور تبلیغیہ میں انبیاء علیہم السلام

جو کچھ کہتے ہیں وہ ان کا کلام نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہوتا ہے۔ پس امور تبلیغیہ میں کذب کا ممتنع بالذات ہونا بعینہ اللہ تعالیٰ کے کذب کا ممتنع بالذات ہوتا ہے۔ پس سید شریف جرجانی کا یہ کلام اس مفہوم میں صریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممتنع بالذات اور محال عقلی ہے اور ص ۷۰۶ پر جو سید شریف نے کہا ہے۔ اگر اس کا مفہوم ظاہری لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے تو ان کی عبارت میں صریح تضاد موجود ہے اور متضاد کلام سے استدلال کرنا باطل ہے۔

راجا جب یہ ثابت ہو گیا کہ سید شریف جرجانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے کلام میں کذب ممتنع بالذات ہے تو پھر ان کے ص ۷۰۹ کی عبارت میں توجیہ کی جائے گی اور وہ یہ ہے کہ اس کذب اور حلف سے ظاہری اور صوری طور پر کذب اور حلف مراد ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں حضرت ابراہیم کی طرف ظاہری اور صوری طور پر کذب کی نسبت کی گئی ہے۔ اور حقیقت میں وہ کذب نہیں ہے۔ اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کے گنہ گاروں کو معاف فرمائے تو یہ ظاہری اور صوری کذب ہے۔ حقیقت میں یہ حلف اور کذب نہیں ہے۔ کیونکہ آیات وعید مشیت یا عدم عفو وغیرہ کے ساتھ مقید ہیں۔

خامسا اگر یہاں حلف اور کذب سے ظاہری اور صوری کذب مراد نہ لیا جائے بلکہ حقیقت کذب کا ارادہ کیا جائے۔ تو میر سید شریف جرجانی کے نزدیک کذب کا فقط امکان ہی نہیں بلکہ فعلیت اور وقوع کذب ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ حلف اور کذب عفو سے لازم آ رہا ہے اور عفو یقینا واقع ہو گا۔ پس لازم آئے گا کہ کذب بھی یقینا واقع ہو۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک ہے۔

سادسا حلف اور کذب سے مراد یہاں حکایت کا مرتبہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کا محکی عنہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا گنہ گاروں کو واقع میں بخش دینا اور یہ بلاشبہ مقدور ہے بلکہ یقینا واقع ہو گا اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ کلام اور گفتگو گنہ گاروں کی مغفرت اور عدم مغفرت میں ہے اور مغفرت اور عدم مغفرت درجہ محکی عنہ میں

ہے۔ نہ کہ حکایت میں صدق اور کذب حکایت کی صفت ہے نہ کہ محکی عنہ کی رہا
یہ وہم کہ گنہ گاروں کی مغفرت سے کذب لازم آئے گا، تو اس کا جواب لئی مرتبہ واضح
ہو چکا ہے۔ کہ چونکہ آیات وعید عدم عفو سے متقید ہیں۔ اس لئے کذب ثابت
نہیں ہوگا۔

سابعاً یہ کہ یہ کلام مزعوم معتزلہ پر ہے۔ کیونکہ معتزلہ کا زعم یہ ہے کہ گنہ گاروں
کی مغفرت سے کذب لازم آتا ہے اور اہلسنت کے نزدیک یہ کذب ہے ہی
نہیں۔ کیونکہ آیات وعید عدم عفو سے متقید ہیں۔ خلاصہ یہ کہ گنہ گاروں کی مغفرت
معتزلہ کے زعم پر کذب ہے تو علامہ سید شریف کی عبارت کا حاصل یہ ہے۔
جو معتزلہ کا مذعوم کذب ہے (یعنی گنہ گاروں کا عفو) وہ ممکن ہے نہ کہ فی نفسہ
کذب باری ممکن ہے۔ کیونکہ اسی شرح مواقف میں علامہ شریف نے متعدد مقامات
پر استحالہ کذب باری تصریح کی ہے۔

ثانیاً یہ کہ شرح مواقف میں فرقہ ضالہ کے مذہب کے بیان میں میر سید شریف
نے فرمایا (وراہب المعتزلہ) قال اللہ تعالیٰ قادر علی ان یکذب ویظاہر
ذو لوفل لکان المرہا کا ذبا ظالماً تعالیٰ عنہ عدواً کبیراً (شرح مواقف ص ۷۴)
راہب معتزلہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ظلم اور کذب پر قادر ہے۔ میر سید شریف ان کے
رد میں فرماتے ہیں اور اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جھوٹا اور ظالم خدا ہوتا۔

شرح مواقف کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ بعض معتزلہ کا مذہب ہے
کہ اللہ تعالیٰ کا کذب ممکن ہے۔ پس میر سید شریف نے معتزلہ پر حجت قائم کرنے
کے لئے ان بعض معتزلہ کے مذہب پر کہا کہ کذب ممکن ہے یعنی اگر عفو سے
امکان کذب لازم آتا ہے تو معتزلہ کے مذہب پر کوئی اشکال نہیں۔ کیونکہ ان
کے نزدیک کذب ممکن ہے نہ یہ کہ فی نفسہ کذب باری ممکن ہے۔

تاسعاً یہ کہ مذکورہ عبارت میں میر سید شریف نے کذب پر قدرت پرورد
کیا ہے۔ پس اگر یہ کہا جائے کہ میر سید شریف خود بھی کذب پر قدرت کے قائل

پس تو ان کا یہ رد خود اپنے اوپر وارد ہوگا۔

عاشراً یہ کہ میر سید شریف صحیح مذہب کے بیان میں فرماتے ہیں:

ولا يصح عليه الحركة ولا الانتقال
ولا الجهل ولا الكذب ولا الشئ من
صفات النقص خلا ما من جوارها
عليه كما تقدم۔

اللہ تعالیٰ پر نہ حرکت جائز ہے نہ انتقال
نہ جہل نہ کذب اور نہ کوئی اور صفت نقصان
بخلاف اس شخص کے جو انہیں اللہ تعالیٰ
پر جائز رکھتا ہے۔

شرح مواقف کی اس عبارت میں کذب باری کی صحت اور جواز کی صراحت تالیفی
کی ہے۔ اور اس کو فرقیہ ناجیہ (صحیح مذہب) کا مسلک قرار دیا ہے اور اس کے
بخلاف کو غیر ناجیہ کا مسلک ٹھہرایا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ میر سید شریف کے
نزدیک کذب باری کے امکان کا عقیدہ گمراہی ہے اور نجات امتناع کذب
باری کے عقیدہ میں ہے۔ لہذا ان کی سابقہ عبارت کا محمل اس کے سوا کچھ نہیں۔
جس کا ہم ذکر کر چکے ہیں۔

حادی عشر سرفراز صاحب نے تنقید متین ص ۱۸۲ پر یہ دعویٰ کیا تھا کہ شرح مواقف
ص ۷۰۹ پر تصریح موجود ہے کہ امکان کذب اہلسنت کا امتناع کذب معتزلہ کا
مسلک ہے۔ ہم نے قارئین کی عدالت میں شرح مواقف ص ۷۰۹ کی عبارت
پیش کر دی ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ فرمایا ہو گا کہ اس عبارت میں اس تصریح
کا نام و نشان موجود نہیں ہے۔ اس کے برخلاف ہم نے شرح مواقف ص ۷۰۹
کی عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح موجود ہے کہ امکان کذب بعض معتزلہ
کا مسلک ہے اور ص ۷۱۲ سے عبارت پیش کی ہے۔ جس میں تصریح ہے کہ
فرقہ ناجیہ کا مسلک امتناع کذب ہے۔ واللہ الحمد علی ذلک۔

کاش مبتدعین دیوبند کی آنکھیں کھل جائیں اور انہیں ہوش آجائے۔ ویسے
سرفراز صاحب کی بلاغت قابلِ داد ہے کہ انہوں نے کذب باری کا امکان ثابت
کرنے کے لئے کاذب حوالہ فراہم کیا۔ اور جھوٹ کو جھوٹ سے ثابت کرنے

کافن ایجاد کر دیا۔

ثانی عشر میر سید شریف نے یہاں اصول معتزلہ پر کلام کر کے انہیں جواب دیا ہے۔ جواب سے قبل معتزلہ کے مذہب کا بیان کرنا ضروری ہے۔ جس کی

تفصیل یہ ہے:

”کہ معتزلہ اور اہل سنت دونوں کا اس میں اتفاق ہے کہ کلام اللہ تعالیٰ

کی صفت ہے۔ لیکن اہل سنت کے نزدیک کلام الہی کی دو قسمیں ہیں۔

کلام نفسی۔ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت اور اس کی ذات کے ساتھ قائم

ہے اور قدیم ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اور معتزلہ کلام نفسی کے سرے سے

منکر ہیں اور کلام لفظی کو اللہ تعالیٰ کی صفت، کو مانتے ہیں۔ لیکن اس

کی ذات کے ساتھ قائم نہیں مانتے اور ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ

کے متکلم ہونے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کلام لفظی کو مثلاً انسان

کی زبان پر پیدا فرماتا ہے۔ یعنی معتزلہ کے نزدیک کلام اللہ تعالیٰ

کی صفت حقیقی نہیں ہے بلکہ اس کا ایجاد صفت فعلی ہے“

پس اب سید شریف اصول معتزلہ پر کہتے ہیں کہ تم نے گنہ گاروں کا عذاب

اس لئے واجب کہا تھا۔ کہ عفو ماننے سے امکان کذب لازم آتا ہے اور کذب

محال ہے لیکن تمہارے اصول پر تو کذب محال نہیں رہتا۔ کیونکہ کلام نفسی کے تو تم

جو اب حلف یا کذب تمہارے نزدیک فقط کلام لفظی کا کذب تمہارے اصول

کے لحاظ محال نہیں ہے کیونکہ کلام لفظی تمہارے نزدیک صفت بایں معنی ہے کہ

اللہ تعالیٰ اس کو مثلاً انسان میں پیدا کرتا ہے تو کلام لفظی کا کذب ہونے کا

یہ معنی ہو گا کہ اللہ تعالیٰ اس کلام کا کذب کو انسان کی زبان پر پیدا فرماتا

ہے اور یہ پیدا کرنا محال بالذات نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ بھوٹ بولتے ہیں۔

ان کے کلام کو اللہ تعالیٰ پیدا کرتا ہے۔ اگر کلام کا کذب کا پیدا کرنا محال ہوتا تو پھر

کسی آدمی سے کذب کا صدور ممکن نہ ہوتا۔

بحمد اللہ العزیز ہم نے سرفراز صاحب کے پیش کردہ مجمل حوالہ پر سیر حاصل
 بحث پیش کر دی ہے اور شرح موافق کی عبارت سے مکذبین جو دھوکا کھاتے
 ہیں۔ اس کو بارہ وجوہ سے زائل کر دیا ہے۔ اللہ عزوجل قبول فرمائے۔ اور کم کردہ راہ
 لوگوں کو ہدایت عطا فرمائے۔ (آمین)

فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی کی عبارات

اسی بحث میں
 سرفراز صاحب نے

فتوح العقائد اور مجدد الف ثانی کی عبارات بھی پیش کی ہیں۔ چنانچہ لکھتے
 اور فتوح العقائد ص ۳۱ میں ہے۔

» واما وعید کفار پس خلاف آل جائز است از جهت آنکہ
 خلاف محض فضل و کرم و مہنویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نیز بر ہمیں اعتقاد
 ہستند۔ (تفہیم متین ص ۱۱۲)

الجواب آیات وعید کفار سے قطع نظر کر کے لابلش شرطی کے مرتبہ میں بیشک
 کفار کے لیے عفو جائز ہے اور اسی لحاظ سے محلی عنہ کے مرتبہ میں ان پر فضل و کرم
 بھی بلاشبہ جائز ہے۔ لیکن اس مرتبہ میں علف کذب کو مستلزم نہیں ہے اور بشرط
 شرطی کے مرتبہ میں علف کذب کو مستلزم ہے اور اس مرتبہ میں علف کا کوئی بھی
 قائل نہیں ہے۔

مزید تفصیل ہمارے سابقہ جوابات کی روشنی میں معمولی طور پر کرنے سے
 حاصل ہو سکتی ہے۔ سرفراز صاحب پھر مجدد الف ثانی کے بارے میں لکھتے ہیں۔
 اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی اپنے فاروقی جلال میں آکر نیک لوگوں کے
 بارے میں فرماتے ہیں،

» و اگر ہمہ را بدوزخ فرستاد و عذاب ابدی فرماید جائے اعتراض

نیست۔ (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول ص ۱۲۰)

الجواب۔ مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کا کلام (مکتوبات حصہ چہارم دفتر اول ص ۱۲۰) حق ہے

لیکن طرفہ تماشایہ۔ ہے کہ وہ اس عبارت سے اللہ تعالیٰ کی شان استغناء اور عظمت بیان کر رہے ہیں۔ اور آپ اسی عبارت سے اللہ تعالیٰ کے لیے کذب قبیح ثابت کر رہے ہیں۔

بہر حال نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی۔ ہمارے نزدیک اس عبارت کا وہی محل ہے جو ہم پہلے کئی مرتبہ بیان کر چکے ہیں کہ

۱۔ وعدے سے صرف نظر کر کے دیکھا جائے تو اللہ تعالیٰ مالک ہے کہ وہ اپنے ملک میں جیسا چاہے تصرف کرے۔ خواہ تمام صالحین کو جہنم میں ڈال دے کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ یعنی لا بشرطی کے مرتبہ میں۔ اور یہ مرتبہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

۲۔ اگر اللہ تعالیٰ نے صالحین سے وعدہ ثواب نہ فرمایا ہوتا تو یہ بھی جائز تھا کہ سب کو عذاب دے دیتا۔ اور یہ مرتبہ بھی کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

۳۔ تعذیب صالحین ممکن بالذات ہے اور ممتنع بالغیر ہے۔ اور جس غیر کی وجہ سے یہ ممتنع ہے۔ وہ کذب باری ہے۔ پس کذب باری محال بالذات ہے مزید تفصیل کے لیے سابقہ جوابات کا مطالعہ فرمائیں۔

سرفراز صاحب کا گیارہواں شبہ | سرفراز صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ محقق عبدالحق دہلوی اس مسئلہ پر

بحث کرتے ہوئے یہ بھی فرماتے ہیں کہ:

”نعم اختلاف در آں است کہ آیا جائز است عقلاً یا نہ؟ معتزلہ

بر آنند کہ جائز نیست زیرا کہ آن موجب بتعید و تنفیر است و

نزد اصحاب ما کہ گروه اہل سنت و الجماعت اند ای ہم جائز است کہ

حق تعالیٰ یکے را از چاہ ضلالت آوردہ ہدایت رساند بمرتبت نبوت

رساند و لیکن دلیل بر آنست کہ ایں جائز بوقوع نیاوردہ“ (تنقید متین ص ۱۸۲)

خدا معلوم اس عبارت سے امکانِ کذب کیسے لازم آگیا۔ اس عبارت کا مطلب تو صرف اس قدر ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو کسی کو گمراہی کے کنوئیں سے نکال کر مرتبہ نبوت تک پہنچا دے۔ بسر و چشم۔ لیکن اس سے اللہ تعالیٰ کا کذب کیونکر لازم آگیا۔ اور اگر فرض کیجئے قرآن کریم کی کسی آیت سے یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح نہیں کرے گا تو اس کا وہی جواب ہے جو ہم بارہا دیکھے ہیں کہ یہ قدرتِ لابشرطی کے مرتبہ میں ہے اور وہ کذب کو مستلزم نہیں ہے۔

بارہواں اور تیرہواں مغالطہ | اس کے بعد بارہویں اور تیرہویں دلیل میں رشید احمد گنگوہی اور محمود حسن کے اقوال

پیش کئے ہیں۔ ان اقوال کے بارے میں گزارش ہے کہ جہل مرکب کے یہ نسخے ہمارے ہاں مقبول نہیں۔ جو اپنے ایمان اور آخرت کے بدلے میں نہیں خریدنا چاہتا ہو اس پر پیش کیجئے۔

محمود حسن صاحب کے کلام پر تنقید | ناہم مولوی محمود حسن صاحب کی عبارت چونکہ سخت توہین آمیز

ہے۔ اور اس میں اللہ عزوجل کی ربوبیت پر شدید حملہ کیا گیا۔ اس لیے ہم اس پر تبصرہ کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ ملاحظہ ہو سرفراز صاحب کے شیخ الہند کا ارشاد ہے۔

”سب جانتے ہیں ذاتِ تعالیٰ شانہ سے افعالِ قلیحہ کے

صدور کی توبت نہیں آسکتی لیکن افعالِ قلیحہ کو مثل دیگر ممکنات ذاتیہ

کے مقذور باری جملہ اہل حق تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ خرابی ہے تو ان

کے صدور میں ہے۔ نفس مقذوریات میں اصلاً کوئی خرابی نہیں آتی“

(جہد المقل جلد ۱ ص ۴۱ بحوالہ تنقید متین ص ۱۸۴)

مولوی محمود حسن نے اس شاطرانہ عبارت میں مغالطہ آفرینی کی انتہائی مذموم سعی کی ہے افعالِ قلیحہ سے کیا مراد ہے۔ وہ افعالِ قلیحہ جن سے اللہ تعالیٰ

متصف ہو۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کا کاذب اور ظالم ہونا یا وہ افعال قبیحہ جن سے مخلوق متصف ہو۔ مثلاً مخلوق کا کاذب اور ظالم ہونا۔ دوسری صورت میں افعال قبیحہ کی نہ مقدریت میں خرابی ہے نہ ان کے صدور میں۔ بلکہ اس معنی میں افعال قبیحہ کا صدور واقع ہے۔ اور یہ ہمارے موضوع سے قطعاً خارج۔ اور پہلی صورت میں یعنی اگر افعال قبیحہ سے اللہ تعالیٰ کا متصف بالقباح ہونا مراد ہو تو یہ قطعاً باطل اور محال صریح ہے۔ جیسا کہ مسامرہ کی عبارت سے گذر چکا ہے۔

(ملاحظہ فرمائیے مسامرہ ص ۲۰۶)

علاوہ ازیں اگر بقول محمود حسن اصفہان بالقباح کی نفس مقدریت سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی ہے تو غور فرمائیے خود کشتی کرنا اور اپنے آپ کو ختم کر دینا یہ ایک قبیح فعل ہے۔ پس اگر اللہ تعالیٰ کی قدرت میں اپنے آپ پر عدم طلاق داخل ہو تو پھر اللہ تعالیٰ جائز العدم قرار پائے گا۔ اور جو جائز العدم ہو وہ واجب الوجود نہیں ہوتا۔ دیوبند کے تمام چھوٹے بڑے مل کر بتلائیں کہ اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود نہ ہونے سے بڑھ کر بھی کوئی خرابی ہے۔

اب شمشان بھومی جا کر محمود حسن صاحب کی اتما کو آواز دے بچھے اور ان سے پوچھئے۔ آپ تو کہتے تھے کہ فعل قبیح کو مقدر ماننے سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور اپنے آپ کو ہلاک کر دینا بھی ایک فعل قبیح ہے۔ اور اس کے ماننے سے تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہیں رہتا۔ آسان لفظوں میں خدا خدا نہیں رہتا اور نفی الوجودیت سے بڑھ کر کائنات میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

چلتے چلتے شیخ الحد صاحب نے اشاعرہ پر بھی ایک تہمت لگا دی آخر ہند کے شیخ جو ٹھہرے۔
چنانچہ لکھتے ہیں:

تایید کر دیا ہے کہ اصل میں دیوبندی بدعت معتزلہ سے ماخوذ ہے۔ پس آپ جی کھول کر معتزلہ کی خرافات، ذکر کیجئے۔ اس ذکر سے آپ ہی روشنی میں آتے جائیں گے۔



ینصب علیہ - (الغار التنزیل) جانتا۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں؛

وقولہ ولا اعلم الغیب ای ولا ادعی
کوئی موصوفاً بعلم اللہ تعالیٰ (تفسیر کبیر)

یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں اللہ تعالیٰ کے
علم کے ساتھ موصوف ہوں۔

مذکورہ بالا حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ اعلیٰ حضرت نے وضاحت کے لیے
ترجمہ میں جو لفظ ”آپ“ ذکر کر کے معنی کیا ہے۔ اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ نجیب جان
لیتا ہوں۔ یہ معنی آیات قرآنی عقائد اہل سنت اور تمام معتبر تفاسیر کے
مطابق ہے۔

سرفراز صاحب نے اس آیت میں عطائی غیب
علم عطائی کی نفی پر مفاسد کی نفی مراد لی ہے اور ذاتی کی نفی پر تنقید کرتے

ہوئے لکھتے ہیں؛

”جس ذات اور متنی کا خود اپنا وجود ہی ذاتی نہ ہو اس کے بار
میں یہ سوال کہاں سے اور کیسے پیدا ہو گیا کہ اس کا علم یا کوئی اور
وصف ذاتی ہو سکتا ہے۔ جس کی نفی کی ضرورت پیش آئے“

(تنقید تین ص ۱۳۳ طبع دوم)

مبتدعین دیوبند عموماً اور مولوی سرفراز صاحب خصوصاً اس بات پر زور دیتے
ہیں کہ نفی اسی چیز جاتی ہے جو ممکن ہو اور ہو سکتی ہو اور جو چیز نہ ممکن ہو سکتی ہو۔
اس کی نفی کا کوئی فائدہ نہیں۔ پس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ذاتی علم غیب
ممکن ہی نہیں تو اس کی نفی کا بھی کوئی فائدہ نہیں۔ سرفراز صاحب کا یہ قول ان کے
خام ذہن کی پیداوار ہے۔

اولاً اس لیے کہ اہل علم اور قرآن پر بصیرت رکھنے والے حضرات پر مخفی نہیں
کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی زوجہ اور ولد کی نفی کی ہے۔ انی یكون له ولد ولم
تكن له صاحبة (انعام) اسی طرح اپنے کفو اور مثل کی بھی نفی کی ہے۔ ولد

یہ کہیں کہ کفو احد (افحص) لیس کشتہ شئی (شوری) اپنے شریک کی نفی کی ہے۔ لا شریک له (انعام) اپنی پیدائش کی بھی نفی کی ہے۔ لہ یولد (افلاص) اپنی ہلاکت کی نفی کی ہے۔

پس اب اگر سرفراز صاحب کے من گھڑت قاعدہ کو مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں اس چیز کی نفی کی گئی ہے۔ جو ہو سکتی ہو تو العیاذ باللہ لازم آئے گا کہ اللہ کی اولاد بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہو۔ اس کی مثل بھی ممکن ہو اور اس کا کفو بھی ہو سکتا ہو اس کا شریک بھی ہو سکتا ہو۔

دیکھا آپ نے کہ سرفراز صاحب کے من گھڑت قاعدہ اور عطائی علم غیب کے انکار نے ان کو کیسی خرابیوں کی طرف پہنچایا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہے کہ سرفراز صاحب ان تمام خرابیوں کو من و عن مان لیں گے کہ بے شک خدا کی اولاد بھی ممکن ہے۔ اس کی زوجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کی مثل اور کفو بھی ممکن ہے۔ اس کا شریک بھی جائز ہے۔ کیونکہ اس کے شیخ الہند "جہد المقل" میں لکھ چکے ہیں:

«اربا بجملة قباح کے صدور کو ممکن بالذات کہنا بجا اور مذہب

اہلسنت ہے» (جہد المقل ج ۲ ص ۴۱)

ٹھیک ہے آپ ان تمام امور کو خدا کے لیے ممکن مان لیجئے کیونکہ آپ کے مذہب غیر مہذب میں اللہ تعالیٰ کا ان قباحتوں سے موصوف ہونا ہی تہذیب ہے۔ مگر لہ یولد سے اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو اور کل شئی ہالٹ الا وجہہ سے اللہ تعالیٰ ہلاکت کو بھی ممکن مانیں گے۔ اب اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کی پیدائش اور ہلاکت کو ممکن نہ مانا تو آپ کی کلی ٹوٹ گئی اور ثابت ہو گیا کہ محال پر بھی نفی آتی ہے اور جو امر نہ ہو سکتا ہو۔ اس کی نفی بھی کی جاتی ہے۔ پس لا اعلم الغیب کی نفی پر آپ کا لغو اعتراض ساقط ہو گیا۔ اور اگر آپ اپنی کلی کو محفوظ رکھ کر اللہ تعالیٰ کی پیدائش اور ہلاکت کو ممکن مان لیں۔ پھر تو اللہ تعالیٰ واجب الوجود نہ رہا کہ جب اللہ تعالیٰ کی پیدائش کو ممکن مانا تو اس کا وجود ممکن ہو گیا۔ اور جب اللہ تعالیٰ کی ہلاکت کو ممکن

مانا تو اس کا عدم ممکن ہو گیا۔ اور جس کا وجود بھی ممکن ہو۔ اور عدم بھی ممکن ہو اس سے دیوبند کے لوگ تو خدا مان کر پوجتے ہوں گے۔ اسلام میں جس خدا کی پرستش ہوتی ہے۔ اس کا وجود واجب لذاتہ اور عدم ممنوع لذاتہ ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ اس باطل قاعدہ کی بنا پر دیوبندیوں نے عطائی علم غیب کا انکار کیا اور اس قیامت کے ثبوت کے لیے ایسی بنیاد قائم کر دی جس سے اللہ تعالیٰ کے واجب الوجود ہونے کا بھی انکار ہو گیا۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

ثالثاً اس لیے کہ ہم نے لا اعلم الغیب کی تفسیر میں معتمد تفسیر کے حوالے پیش کئے ہیں۔ جن سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ صرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ یا صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ہی اس آیت میں نفی کو ذاتی غیب پر محمول نہیں کیا۔ بلکہ باقی مفسرین نے بھی اس آیت میں نفی کو ذاتی غیب پر محمول کیا ہے۔

ثالثاً اس لیے کہ خود دیوبندیوں کے حکیم الامت کی عبارت سے بھی ثابت ہے کہ اس مقام پر ذاتی غیب کی نفی مراد ہے۔ ملاحظہ فرمائیے تھانوی صاحب لکھتے ہیں:

”مطلق غیب سے مراد اطلاقات شرعیہ ہیں وہی غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ اور سبیل نہ ہو اور اسی بنا پر لا یعلم من فی السموات والارض الغیب لا اللہ اور ولو کنت العلم الغیب وغیرہ فرمایا گیا

ہے“ (حفظ الایمان ص ۱۲)

تھانوی صاحب کی یہ عبارت اگرچہ کلیتہً صحیح نہیں ہے اور ان کا بیان کردہ قاعدہ قرآن کریم سے مردود ہے۔ تاہم سرفراز صاحب کا ضابطہ توڑنے کے لیے اس میں کافی جان موجود ہے۔ کیونکہ تھانوی صاحب کے قانون کے مطابق جہاں بھی مطلقاً غیب کا ذکر عبارت شرعیہ میں وارد ہو گا۔ اس سے مراد وہ غیب ہو گا جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ اور اس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اور اسی کو

ذاتی غیب کہتے ہیں۔ پس لا اعلم الغیب میں بھی مطلق غیب کا ذکر ہوا۔ لہذا تھانوی صاحب، قانون کے موافق یہاں بھی غیب سے مراد ذاتی غیب ہی ہوگا۔ جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور جس کے ادراک کے لیے کوئی واسطہ نہ ہو۔ اب سرفراز صاحب کی مرضی ہے چاہے تو تھانوی صاحب کی دلیل کو رد کر کے اپنے حکیم الامت کی جہالت کا اقرار کریں۔ یا ان کے قانون کو تسلیم کر کے اپنی کم علمی اور کج فہمی کا اعتراف کر لیں۔

تھانوی صاحب کی جہالت | باقی رہی یہ بات کہ تھانوی صاحب کا یہ قاعدہ صحیح ہے یا غلط تو جواب یہ ہے

کہ تھانوی صاحب کا بنایا ہوا یہ قاعدہ عقلاً نقلاً ہر طرح باطل ہے کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔ یومنون بالغیب۔ اور اس آیت کریمہ میں بھی مطلق غیب کا ذکر ہے اور یہاں اس غیب سے مراد ذاتی غیب نہیں ہے کیونکہ متعین اس غیب پر ایمان لائے ہیں۔ جس کا انہیں دلائل سے علم ہوا پس یہاں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر دلیل ہو۔ نہ کہ غیب ذاتی۔

نقلاً اس لیے باطل ہے کہ مفسرین نے اس آیت کریمہ کو عطائی غیب پر محمول کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیے علامہ بیضاوی میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

وقسو نصب علیہ دلیل
كالصانع وصفاته و
ایوم الاخر و احوالہ و هو
المراد بہ فی ہذا الآیت۔

اور غیب کی دوسری قسم وہ ہے جس پر دلیل قائم ہو جیسے صانع اور اس کی صفات یوم آخر اور اس کے احوال وغیرہ اور اس آیت میں غیب کی یہی دوسری قسم مراد ہے۔ اب قارئین کرام پر دیو بندیلوں کے حکیم الامت کا علم و فضل ظاہر ہو گیا ہوگا جنہوں نے یہ قاعدہ بتایا تھا کہ اطلاقات شرعیہ میں غیب سے مراد وہ غیب ہے جس پر کوئی دلیل قائم نہ ہو۔ دیکھئے:

آسمانوں اور زمینوں میں جو عیب ہے اس کو
اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لا يعلم من في السموات و
الارض الغيب الا الله۔

اور

ولو كنت اعلم الغيب۔
اگر میں عیب کو جانتا ہوتا۔

میں جو الغیب مذکور ہے وہی الغیب یؤمنون بالغیب میں بھی ہے اور اس آیت میں
عیب اسی طرح مطلقاً مذکور ہے۔ جس طرح ان دو جگہوں پر ہے اور علامہ بیضاوی
فرماتے ہیں اس سے وہ عیب مراد ہے جس پر دلیل قائم ہو۔ کیا ایسا بے خبر اور کلام الہی
سے ناواقف شخص جسے عام مروج درسی کتاب بیضاوی کا بھی علم نہ ہو۔ حکیم الامت
کملانے کا مستحق ہو سکتا ہے اور جن لوگوں کے حکیم الامت کے علم کا یہ حال ہے۔
خود ان کے اپنے علم کا کیا عالم ہوگا۔

اس تحقیق سے واضح ہو گیا کہ سرفراز صاحب، کا ضابطہ تقانوی صاحب کے بیان
سے ٹوٹ گیا۔ اور تقانوی صاحب کا قاعدہ خود قرآن کریم سے مجروح ہو گیا۔ اب سوال یہ
ہو گا کہ پھر عیب کے ذاتی یا عطائی کی تعین کا کیا ضابطہ ہے۔ اس کا جواب یہ
ہے کہ عیب اپنے معنی کے اعتبار سے مشترک معنوی ہے۔ کیونکہ علامہ بیضاوی
نے عیب کی یہ تعریف کی ہے:

المخفی الذی لا یدرک بالحس و
لا یقتضیہ بدیۃ العقل۔
عیب اس پوشیدہ چیز کو کہتے ہیں جس کا علم نہ
حواس خمسہ سے ہو سکے نہ بغیر غور و فکر کے۔

اور پھر اس کی دو قسمیں ہیں۔ ماعلیہ دلیل اور مالادلیل علیہ (تفسیر بیضاوی) اور لفظ مشترک
سے کسی معنی کی تعین بغیر قرینہ کے نہیں ہوتی پس جہاں کہیں حالی یا منقالی قسریہ

لہ ماعلیہ دلیل کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے رسول کے واسطے سے بتلادیا یا غور و فکر سے معلوم کیا
جاسکے جیسے اللہ تعالیٰ کا وجود یہ علم عطائی کہا جاتا ہے اور مالادلیل علیہ اس چیز کے علم کو کہتے ہیں جو
نہ اللہ تعالیٰ نے بتلادیا ہو اور نہ عقل سے مانا جاسکتا ہو یہ علم ذاتی ہے۔

غیب ذاتی ہوگا تو غیب ذاتی مراد میں گے اور جہاں قرینہ غیب عطائی کا ہوگا وہاں عطائی مراد لیا جائے گا۔ پس جن آیات میں غیب دینے کا ذکر ہے۔ تو واضح امر ہے کہ وہاں غیب عطائی ہی مراد ہے اور جہاں غیب کی نفی کا ذکر ہے تو وہاں پر غیب ذاتی ہی مراد ہوگا۔ کیونکہ دوسری آیات سے جب غیب عطائی ثابت ہو گیا اب اس کی نفی تضاد کو مستلزم ہوگی۔ پس لامحالہ اس نفی کو ذاتی پر محمول کرنا پڑے گا۔ متناوی صاحب کا قاعدہ توڑنے کے بعد اگر ہم ان کی اصلاح کریں تو یوں کہا جاسکتا ہے کہ اطلاق شرعیہ میں مطلقاً غیب کا جہاں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اختصاص ہو یا غیر سے نفی ہو۔ اس غیب سے مراد غیب ذاتی ہے۔ جیسے:

عندہ مفاہیم الغیب اور لا اعلم الغیب ولو كنت اعلم الغیب
 اور لا یعلم من فی السموات والارض الغیب الا اللہ۔
 اور اس اصلاح کے بعد بھی یہ بحث سرفراز صاحب کے رد کے لیے کافی اور اسی امر کی طرف ہم نے سطور بالا میں اشارہ کیا تھا۔

سرفراز صاحب کی ایک اور الجھن | سرفراز صاحب نے ایک اور سوال کیا ہے:

”غور کیجئے کہ آپ نے یہ کیوں نہ فرما دیا۔ کہ میں ذاتی طور پر محمد اور

رسول نہیں ہوں۔ بلکہ عطائی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور عطائی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوں۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے وجہ فرق بین ہو؟“

یہ سچے ہم نے غور کر لیا اور وجہ فرق بھی بیان کئے دیتے ہیں۔ خدا کرے کہ آپ کی سمجھ میں آجائے۔ بات یہ ہے کہ علم اور قدرت ایسی صفات ہیں جو اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام میں بظاہر مشترک ہیں۔ اس وجہ سے ان میں یہ اشتباہ ہو سکتا تھا کہ کہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی معاذ اللہ خدا تو نہیں ہیں۔ پس اس اشتباہ کو دور کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا کہ میں نہ ذاتی طور پر غیب جانتا ہوں نہ ذاتی قدرت رکھتا ہوں۔ بخلاف ذات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور وصف

رسالت کے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں مشترک نہیں۔ لہذا یہاں پر نہ کوئی اشتباہ تھا نہ اس کو زائل کرنے کے لیے ذاتی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ذاتی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نفی کی ضرورت تھی۔

ثانیاً یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو لوگوں نے علم اور قدرت کے عظیم مظاہر ہونے کی وجہ سے الہ اعتقاد کر لیا تھا نہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی باقی صفات کی وجہ سے پس گمراہی کی اس جڑ کو کاٹنے کے لیے ضروری تھا کہ آپ سے بالخصوص ذاتی علم اور ذاتی قدرت کی نفی کی جاتی۔ دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ان المراد منه ان يظهر الرسول من نفسه التواضع لله والخضوع له لعبوديته حتى لا يعتقد فيه مثل اعتقاد النصارى في المسيح عليه السلام۔

اس آیت سے مراد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تواضع اور خضوع کو ظاہر فرمائیں اور اللہ تعالیٰ کی بندگی کا اعتراف کریں حتیٰ کہ آپ کے حق میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح الوہیت کا اعتقاد نہ کر لیا جائے۔

(تفسیر کبیر ج ۴ ص ۲۸)

ثالثاً اس لیے کہ علم اور قدرت ہی دو ایسے وصف ہیں جن پر مدار الوہیت ہے۔ چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ علم اور قدرت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وهذان الوصفان هما اللذان بهما ثبت الربوبية والالوهية والجلالة والعزة۔

علم اور قدرت دو ایسی صفات ہیں جن سے ربوبیت اور الوہیت ثابت ہوتی ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۳ ص ۳۵۱)

اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ پر ہی بناء الوہیت ہے نہ کہ باقی صفات پر۔ پس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بالخصوص علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی کی وجہ اہل فہم پر روز روشن کی طرح عیاں ہو گئی۔ دیکھئے علامہ آلوسی حنفی اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

محض علم غیب کی نفی کی خبر دینے کے لیے کوڑا
فائدہ نہیں۔ فائدہ تو اس بات میں ہے کہ یوں
کہا جائے کہ میں یہ بات پسند نہیں کرتا تھا تا کہ
اُن دونوں صفتوں کی نفی ہو جائے جو خواص
الوہیت میں سے ہیں تاکہ حاصل یہ ہو کہ میں
الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا۔

لا فائدة في الاخبار باني لا اعلم
الغيب انما الفائدة في الاخبار
باني لا اقول ذلك ليكون نفيا
لادعاء الامر من الذين هم امن
خواص الالهية ليكون المحنى
اني لا ادعى الالهية.

(روح المعانی ج ۷ ص ۱۳۲)

اور امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں؛

میں نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے
خزانے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ میں
دعویٰ نہیں کرتا کہ میں ایسی قدرت کے ساتھ
متصف ہوں جو اللہ کی شان کے لائق ہو
اور میں غیب نہیں جانتا کا مطلب یہ ہے کہ
میں اللہ کے علم کے ساتھ موصوف ہونے کا
دعویٰ نہیں کرتا اور ان دونوں آیتوں کا حاصل
یہ ہے کہ میں الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتا

ان المراد من قوله لا اقول
لكو عندي خزائن الله معناه
واني لا ادعى كوني موصوفاً بالقدرة
الائفة بالاله تعالى وقوله ولا
اعلم الغيب اى ولا ادعى كوني
موصوفاً بعلم الله تعالى و مجموع
لهذين الكلامين حصل انما
لا يدعى الالهية -

(تفسیر کبیر جلد ۴ ص ۲۸)

رابعاً یہ کہ آپ کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
سے ذاتی علم کی نفی کیوں کہلوائی۔ اور ذاتی محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا ذاتی رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کی نفی کیوں نہ کہلوائی۔ محال ہے معتزلہ کا اندازِ فکر ہے۔ کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ
کے افعال میں چون و چرا تلاش کرتے تھے اور ہر بات کی علت اور عرض ڈھونڈتے
تھے جس کی علت سمجھ میں آئی۔ مان لیا جس کی عرض سمجھ میں نہ آئی چھوڑ دیا۔ اسی لیے
انہوں نے میزان حساب و کتاب اور پلصراط وغیرہ کا انکار کر دیا۔ ہمارے

نزدیک اللہ تعالیٰ نے جو مناسب جانا کیا اس کے کسی فعل پر کوئی اعتراض نہیں۔
وہ فعال مطلق ہے۔ اس کی شان یہ ہے:

لا یسئل عما یفعل
وہ کسی فعل پر جواب دہ نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں قل لا اعلم الغیب کیوں فرمایا قل
لست برسول یا قل لست بمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کیوں نہ فرمایا۔ ایک جرأت
ہے جس کے تصور سے بھی ہمارا دل لرزتا ہے۔ لیکن سرفراز صاحب کی اس جرأت
سے قطع نظر کر کے بھی ہم نے ذاتی علم غیب اور قدرتِ ذاتیہ کی تخصیص کی حکمت
بیان کر دی ہے اللہ تعالیٰ انہیں سمجھنے کی توفیق دے۔

مبتدعین دیوبند عام طور پر قرآن کریم کی مذکورہ ذیل آیت سے
علم شعر کی تحقیق

وما علمناہ الشعر وما
اور ہم نے ان کو شعر کہنا نہ سکھایا۔ اور نہ

وہ ان کی شان کے لائق ہے۔

ینبغی لہ۔

اس آیت کریمہ سے مبتدعین دیوبند ثابت کرتے ہیں۔ کہ آپ کو شعر کا علم
نہ تھا۔ ان لوگوں کے عقائد کو دیکھ کر ہم حیرت اور افسوس میں غرق ہو جاتے ہیں
کہ یہ اُمت کے ہزاروں افراد کے لیے شعر کا علم مانتے ہیں۔ اور اگر انہیں کسی
ذات کے لیے شعر کا علم ماننے سے انکار ہے تو اس ذات کے لیے جو کائنات
کے محسن ہیں۔ جن کے دم قدم سے یہ چمن وجود کھلا ہوا نظر آتا ہے۔ جن کے علم
کی عظمتوں کی قرآن نے گواہی دی۔ جن کا علمی وقار خدا کو اس قدر عزیز تھا۔ کہ کسی کو
ان کا دنیاوی استاد بنانا گوارا نہ کیا۔ جن کے ایک خادم اور فیض یافتہ کے علم
کی عظمتوں کے آگے فرشتوں کی گردنیں جھک گئیں اور ابلیس انگشت بندھا رہ گیا۔
آج یہ منہ پھٹے لوگ علم و عرفان کے اس عظیم آفتاب کی فیض آفرینیوں کا انکار
کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو امتی کھلاتے ہیں۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کو احساس تھا کہ اس آیت سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے

کی کوشش کی جائے گی۔ پناہ نچہ انہوں نے گمراہی کے سیلاب کو روکنے کے لیے
اب سے بہت پہلے اس کے آگے بند باندھ دیا تھا۔
فرماتے ہیں؛

”معنی یہ ہیں کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کا ملکہ نہ دیا۔ الخ

سرفراز صاحب اس تفسیر پر تنقید کرتے ہیں؛

”مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ جتنا بھی لفظوں کا چکر دیا ہے۔

سب بے سود ہے۔ اولاً اس لیے کہ لغت شرع اور عرف میں جس چیز

پر بھی لفظ شعر کا طلاق ہو سکتا ہے خواہ وہ کچھ بھی ہو۔ اس آیت سے

اس کی نفی قطعی طور پر ثابت ہے۔ اس سے ملکہ کی نفی کرنا اور کلام موزوں

اور شعر صحیح و سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی خالص تحریف ہے نعوذ باللہ

(تنقید متین ص ۱۹۶)

شعر کے علم کی مطلقاً نفی پر نواشکال | سرفراز صاحب کی یہ عبارت
کئی وجہ سے مردود ہے۔

اولاً اس لیے کہ سرفراز صاحب اس پر بصد ہیں کہ حضور کو شعر کا مطلقاً علم نہ تھا۔

اب سوال یہ ہے کہ جب آپ شعر کو مطلقاً نہیں جانتے تھے۔ تو آیت کریمہ و ما

علمناہ الشعر میں بھی تو لفظ شعر موجود ہے۔ اب بتلائیے کہ حضور کو اس شعر کا علم تھا

یا نہیں اگر تھا تو آپ کا قول باطل ہو گیا۔ اور اگر نہیں تھا تو لازم آیا کہ حضور پورے

قرآن کو نہیں جانتے تھے۔ کیونکہ پورے قرآن میں شعر اور شاعر دونوں لفظ موجود ہیں

اور مکتب دیوبند کی تعلیم کے مطابق حضور کو شعر و شاعر کا علم نہیں اور قرآن کریم صرف

لفظوں کا نام نہیں ہے بلکہ؛

لفظ اور معنی دونوں کا نام قرآن ہے۔

هو اسم المنظور والمعنى جسيما

پس جب آپ کو شعر کا لغوی عرفی شرعی کوئی معنی معلوم نہیں تھا۔ تو لازم آیا کہ

آپ کو پورے قرآن اور کتاب اور کتاب اللہ کا علم نہ ہو۔ اور جب آپ کو پورے

قرآن کا علم نہیں تھا۔ تو

الرحمن علّم القرآن

کاذب ہو گیا۔

یعلمہم الكتاب والحکمة

یا عل ہو گیا۔

علمک ما لکن تعلم

جو کچھ بھی آپ نہیں جانتے تھے وہ اللہ نے

آپ کو بتلادیا۔

جھوٹا ہو گیا۔ اللہ اکبر خود تو شیخ القرآن کہلاتے ہیں اور نبی علیہ السلام سے علم قرآن کی نفی کرتے ہیں۔

نیز ہم پوچھتے ہیں کہ سرفراز صاحب کو شعر کا کسی وجہ سے علم ہے یا نہیں۔

پہلی صورت میں ان کا علم حضور سے بڑھ گیا۔

اور دوسری صورت میں نفی مجہول مطلق لازم آئی۔

منا نیا اس لیے کہ حدیث میں ہے:

ابی بن کعب سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بعض شعر حکمت

والے ہوتے ہیں۔

عن ابی بن کعب قال قال رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان من

الشعر لحکمت۔ (مشکوٰۃ ص ۱۴۹)

اور یہ بھی حدیث شریف میں ہے:

ان من الشعر حکما۔

بعض شعر حکمت والے ہوتے ہیں۔

اب سرفراز صاحب بتلائیں کہ جب حضور جانتے ہی نہیں کہ شعر کیا چیز ہے۔

تو پھر آپ نے یہ کیسے فرمادیا کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں واضح امر ہے کہ جو یہ کہہ

رہا ہے کہ بعض شعر حکیمانہ ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہو گا کہ شعر کس چیز کا نام ہے۔ ورنہ

حضور کا یہ کلام ہی العیاذ باللہ صحیح نہ ہو گا۔ کہ جب آپ کو شعر کا علم ہی نہیں۔ تو آپ

کو اس کے حکیمانہ ہونے کا کیسے علم ہو گیا۔ نیز جب شعر آپ کے لیے مجہول مطلق

ہے تو کیا مجہول مطلق پر حکم لگایا جاسکتا ہے۔

ثالثاً حدیث شریف میں ہے:

عن عائشۃ قالت ذکر

عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم الشعر فقال رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم هو کلام حسنہ

حسن و قبیحہ فیہ (مشکوٰۃ ص ۲۱۰)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی

ہیں کہ نبی علیہ السلام کے سامنے شعر کا ذکر ہوا

تو آپ نے فرمایا کہ شعر ایک کلام ہے اگر

اس کا مضمون اچھا ہو تو شعر اچھا ہے اور اگر

مضمون بُرا ہو تو شعر بُرا ہے۔

بحان اللہ یہ ہے علم رسالت کی عظمتوں کا جتنا جاگتا نشان معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ

علیہ وسلم شعر کی اچھائی اور برائی اس کے عیوب اور خوبیوں پر مطلع تھے بلکہ آپ نے

شعر کی اچھائی اور برائی جاننے کا قیامت تک کے لیے قانون بنا دیا کہ جس کا مضمون

درست ہو وہ درست ہے اور جس کا مضمون غلط ہو وہ غلط ہے۔ لیکن سرفراز

صاحب کہتے ہیں کہ آپ کے لیے شعر صحیح اور سقیم کا علم ثابت کرنا قرآن کریم کی

خالص تحریف ہے:

رابعاً اس لیے کہ اگر حضور شعر کی اچھائی اور برائی پر آگاہ نہ تھے اور آپ نے

ہمیں اس کے بارے میں ہدایت نہیں دی۔ تو لازم آئے گا کہ حضور کی ہدایات نامکمل

ہوں۔ اگر آپ کے سامنے بُرا شعر پڑھا جائے۔ تو آپ اُسے روکیں گے یا نہیں۔ اگر

نہ روکیں تو یہ منصب نبوت کے خلاف ہے۔ اور اگر روکیں تو یہ دیوبند کے مسلک،

کے خلاف ہے۔ اور ثابت ہوا کہ حضور شعر کی اچھائی اور اس کی برائی پر مطلع اور

آگاہ ہیں۔

خامساً یہ کہ حدیث میں ہے:

انما قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم ماذا تری فی الشعر فقال ان

المومن یجاہد بسیفہ ولسانہ

حضرت کعب بن مالک نے حضور سے عرض

کیا کہ آپ شعر کے بارے میں فرماتے ہیں آپ

نے فرمایا کہ مجاہد اپنی تلوار اور زبان دونوں سے

(مشکوٰۃ شریف ص ۲۱۰) جہاد کرتا ہے۔

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب آپ پر آیت کریمہ وَعَلِمْنَا هَذَا الشَّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ نَازِلٌ هُوَ حَلِيٌّ مَحْتَمٍ۔ اگر وَمَا عَلِمْنَا هَذَا کے وہ معنی ہوتے جو سرفراز صاحب نے سمجھے ہیں۔ تو کعب بن مالک کا حضور سے شعر کا حکم دریافت کرنا ہی لغو قرار پاتا ہے۔ کیونکہ آپ شعر کو جانتے ہی نہیں تو اس کا حکم کیسے بتلا سکتے ہیں اور اگر کعب بن مالک نے بقول آپ کے سوال کرنے کی غلطی کر ہی لی تھی۔ تو حضور فرمادیتے کہ میں تو شعر کا لغوی عرفی شرعی کسی قسم کا معنی جانتا نہیں۔ اس کا حکم کیسے بتلاؤں گا۔

سادسایہ کہ علم اگر یہاں مطلق ادراک کے معنی میں لیا جائے۔ تو وہ خرابیاں لازم آئیں گی جو ہم نے اوپر ذکر کی ہیں۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہاں پر علم بمعنی ملکہ ہے بلکہ طبیعت انسانیہ کے اس وصف کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اسے کسی کام پر مکمل عبور ہوتا ہے اور وہ بغیر کسی دشواری اور رکاوٹ کے وہ کام کر سکتا ہے۔ آسان لفظوں میں ہم اس کو مہارت اور عادت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ پس آیت کریمہ کا معنی یہ ہے کہ ہم نے آپ کو شعر گوئی کی عادت نہیں ڈالی یا شعر کہنے کی مہارت نہیں عطا کی۔ اور اس آیت کریمہ کا یہ معنی ہرگز نہیں ہے۔ کہ آپ شعر کا معنی نہیں جانتے تھے۔ اور آپ کلام شعری اور غیر شعری میں امتیاز نہیں کر سکتے تھے۔ دیکھئے علامہ اسماعیل حنفی لکھتے ہیں:

ہمارے آئمہ سے امام بغوی تہذیب میں فرماتے ہیں۔ کہا گیا ہے کہ نبی علیہ السلام اچھی طرح شعر کہہ سکتے تھے۔ لیکن کہتے نہ تھے صحیح بات یہ ہے کہ آپ اچھی طرح شعر نہیں کہہ سکتے تھے لیکن آپ شعری اچھائی اور برائی کو جانتے تھے۔

وَفِي التَّهْذِيبِ لِلْبَغْوِيِّ مِنْ
الْمُتَنَاقِلِ كَانَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَحْسِنُ
الشَّعْرَ وَلَا يَقُولُهُ وَالْأَصْحَابُ
كَانُوا لَا يَحْسِنُهُ وَلَكِنْ كَانَ يُمَيِّزُ
بَيْنَ جَيِّدِهِ وَرَدِيئِهِ۔

(روح البیان ج ۳ ص ۲۸۲)

کچھ سطر بعد علامہ اسماعیل حنفی فرماتے ہیں:

والظاہر ان المراد وما
 ینبغی لمن جیت نبوتہ و
 صدق لہجۃ ان یقول الشعر
 لان المعلم من عند اللہ لا یقول
 الاحقا و هذا الاینا فی کونہ فی
 نفسہ قادر علی النظم والنثر
 و یدل علیہ تمیزہ بین جید
 الشعر و ردیہ ای موزونہ و غیر
 موزونہ علی ما سبق و من کان
 ممیزا کیف لا یكون قادر علی النظم
 فی الالہیات و الحکوم لکن القدرہ
 لا تستلزم الفعل فی هذا
 الباب صوتا عن اطلاق
 لفظ الشعر و الشاعر
 الذی یوہر التخییل
 و الکذب۔

اور تحقیقی بات یہ ہے کہ قرآن کریم کے
 قرآن و ما ینبغی کہ، کا مطلب یہ ہے کہ منصب
 نبوت کے اعتبار سے شعر کہنا آپ کے
 مناسب نہیں ہے کیونکہ معلم من اللہ سوا حق
 کے کچھ نہیں کہتا اور یہ نبی علیہ السلام کے
 فی نفسہ شعر گوئی پر قادر ہونے کے منافی
 نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آپ شعر
 کی اچھائی اور بُرائی کو جانتے تھے۔ اور
 اس کے وزن اور قافیہ وغیرہ سے واقف
 تھے اور جو نظم کرنے کو جانتا ہو وہ اس پر
 قادر کیسے نہیں ہو سکتا کہ ان ہی مسائل اور احکام
 کو نظم کی شکل میں بیان کرے لیکن قدرت اس
 باب میں فعلیت کو مستلزم نہیں ہے تاکہ
 احکام شرعیہ لفظ شعر اور شاعری کے اطلاق
 سے محفوظ رہیں کیونکہ یہ لفظ کذب اور
 تخیلات کا وہم پیدا کرتا ہے۔

مذکورہ بالا عبارات سے واضح ہو گیا۔ امام بغوی اور دیگر علماء اہل سنت کے
 نزدیک صحیح بات ہے کہ آپ کو شعر کا علم و ادراک تھا۔ اور علامہ اسماعیل حقی
 کے نزدیک حق یہی ہے کہ آپ کو شعر کہنے پر قدرت بھی تھی۔ البتہ شعر کہنے کی
 مہارت نہ تھی۔ پس ان دلائل کی روشنی میں ثابت ہو گیا کہ حضرت صدر الافاضل
 رحمہ اللہ نے جو فرمایا ہے کہ اس آیت میں آپ سے ملکہ شعر کی نفی کی گئی ہے۔
 وہ خوف بحرف صحیح ہے۔ البتہ بغض رسالت اور جہالت کا ہمارے پاس کوئی علاج
 نہیں ہے۔

سابقاً یہ کہ سرفراز صاحب نے ملکہ کی نفی کو تحریف پر محمول کیا۔ وہ کہتے ہیں کہ یہاں علم کی نفی ہے۔ ملکہ کی نفی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ دیوبند کے اس محقق کو یہ بھی معلوم نہیں کہ ملکہ اور علم میں تضاد نہیں۔ بلکہ ملکہ علم ہی کا ایک معنی ہے۔
دیکھئے علامہ تفتازانی فرماتے ہیں:

هو علم ای ملکہ
وہ (علم) ملکہ ہی ہے۔

(مختصر معانی ص ۳۸، مطول ص ۵۶)

اب جب کہ ثابت ہو گیا کہ علم کا معنی ملکہ بھی ہے۔ پس علمنا میں علم کو ملکہ کے معنی میں لینا تحریف نہیں بلکہ تصریحات علماء کے مطابق ہے۔
ثامناً اس لیے کہ شعر کہتے ہیں:

الكلام الذی قصد
یعنی وہ کلام شعر ہے۔ جس میں وزن کو مقصود

بنایا گیا ہو۔

الی و ناسا۔

اور یہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ کہ نبی علیہ السلام نے کلام موزوں بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

انا النبی لا کذاب
انا ابن عبد المطلب

ایک اور موقع پر فرمایا:

لا عیش الا عیش الاخرہ
فاغفر لانا صام والمہاجرة

اور اس جگہ یہ سوال پیدا ہو گا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وما علمناہ الشعا

پس یہ شعر آپ نے کیسے پڑھے۔ تو مفسرین کرام نے اس کا جواب دیا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ امام رازی فرماتے ہیں:

ذالک لیس بشعر لعدم قصدہ

یہ کلام موزوں شعر نہیں ہے کیونکہ آپ نے

الی الوزن والقافیۃ وعلیٰ ہذا

وزن اور قافیہ کا قصد نہیں کیا تھا۔ پس اس

لو صدر من النبی صلی اللہ علیہ

بناد پر اگر نبی علیہ السلام سے کلام موزوں کے

وسلو کلام کثیر موزوں متقی

کثیر افراد بھی صادر ہوں تو شعر نہ ہوں گے

لا یكون شعر العدم قصده
 کیونکہ آپ تانیہ اور وزن کا قصد نہیں کرتے
 اللفظ - (تفسیر کبیر ج ۷ ص ۱۱) تھے۔

اسی طرح اور مفسرین نے بھی جواب دیئے ہیں۔ اب آپ غور فرمائیے کہ مفسرین
 کرام نے کلام موزوں کے ادراک کو وما علمناہ الشعر کے خلاف نہیں سمجھا
 بلکہ اس کے صدور کو وما علمناہ الشعر کے خلاف سمجھا ہے اور جواب کے درپے
 ہوئے۔ پس ثابت ہوا کہ تمام مفسرین کی مراد یہاں پر علم سے ملکہ ہے۔ نہ کہ مطلقاً
 ادراک جیسا کہ دیوبندیوں نے سمجھا ہے۔

تاسعاً یہ کہ خود علماء دیوبند نے تصریح کی ہے کہ حضور اعلم المخلوق (مخلوق میں
 سب سے زیادہ جاننے والے) ہیں۔ لہذا حضرت فرمائیے تھانوی صاحب لکھتے ہیں:
 ”کہ بفضلہ تعالیٰ میرا اور میرے سب بزرگوں کا عقیدہ ہمیشہ سے
 آپ کے افضل المخلوقات فی جمیع الکمالات العلمیہ والعملیہ ہونے
 کے باب میں یہ ہے۔“

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(بسط البنان ص ۱۹)

اور مولوی حلیل احمد صاحب لکھتے ہیں:

”ہم زبان سے قائل اور قلب سے معتقد اس امر کے ہیں کہ
 سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمامی مخلوقات سے زیادہ علوم عطا
 ہوئے ہیں۔“ (عقائد علماء دیوبند ص ۳۹)

اب سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ اگر حضور کو شعر گوئی کا علم نہ ہو تو
 بتلائیے کہ امت کے جن افراد کو شعر کا علم ہے ان کا علم اس شعبہ میں حضور سے
 زائد ہوا یا نہیں۔ پس حضور اعلم المخلوقات کیسے ہوئے۔ اب یا تو عقائد دیوبند کو
 باطل کیسے یا اپنی بد عقیدگی سے تو یہ کیسے۔ ممکن ہے سرفراز صاحب یہ عذر
 پیش کریں کہ برسی چیز عالم حضور سے نفی کرنے میں کوئی برائی نہیں۔ تو گذارش

ہے کہ مطلقاً شعر تو مذموم نہیں ہے۔ حضور نے خود فرما دیا ہے کہ:
 ہو کلامِ حسنہ حسن
 جس شعر کا مضمون اچھا ہو وہ اچھا ہے اور جس
 کا مضمون برا ہو وہ برا ہے۔

و قبیحہ قبیحہ۔
 نیز اگر شعر مطلقاً مذموم ہے تو پھر حسان بن ثابت کے اشعار پر کیا فتویٰ لگائیے
 گا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو حضرت حسان کو منبر پر بٹھا کر شعر سنا کرتے
 تھے۔ اس بارے میں کیا حکم ہو گا۔ اور سب کو چھوڑیے۔ اپنے آباؤ اجداد کی شاعر
 کو کس کھاتہ میں رکھئے گا۔ قصائد قاسمی اور مرثیہ گنگوہی کس مرتبہ میں شامل ہوں گے۔
 پس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں کہ مطلقاً شعر مذموم نہیں ہے۔ جس کا مضمون مذموم
 ہو وہ مذموم ہے اور جس کا مضمون محمود ہو۔ وہ محمود ہے۔ پس جن اچھے اشعار
 کا علم افراد امت کو ہے اور حضور کو نہ ہو۔ تو اس علم میں یہ افراد امت حضور سے
 بڑھے یا نہیں۔ پھر آپ کے اعلم المخلوق ہونے کا عقیدہ کس طرح سلامت ہے گا
 افسوس اور صد افسوس کہ آپ اپنے اجداد اور ہبان کے لیے اشعار کا علم ثابت
 کرتے ہیں، اور حضور جو اعلم المخلوق ہیں ان سے اس کے علم کی نفی کرتے ہیں۔ سبح
 کیسے کیا آپ نے اپنے دیوتاؤں کا مرتبہ حضور سے بڑھا نہیں دیا۔ بہر حال ان
 دلائل سے واضح ہو گیا کہ علم بمعنی ادراک آپ کے لیے ثابت ہے اور جو منفی
 ہے وہ علم بمعنی ملکہ ہے۔

سرفراز صاحب کے ایک اعتراض پر بحث کرنے کے بعد مناسب معلوم
 ہوتا ہے۔ کہ اس بات پر بھی روشنی ڈالی جائے۔ کہ آخر ملکہ شعر کو کیوں منافی نبوت
 قرار دیا گیا۔ اس کی ایک وجہ تو یہ ہے جو ہم ابھی روح البیان سے نقل کر چکے ہیں۔
 دوسری وجہ جو امام رازی نے تفسیر کبیر میں ارقام فرمائی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ
 نثر میں الفاظ معنی کے تابع ہوتے ہیں اور نظم میں معنی الفاظ کے تابع ہوتے ہیں۔
 پس شاعر کی بالذات نظر الفاظ کی طرف اور نبی کا مقصود الفاظ نہیں۔ معنی ہوتے
 ہیں۔ اس وجہ سے نبی علیہ السلام کو شعر گوئی کا ملکہ نہیں دیا گیا۔

صدر الافاضل کا دوسرا جواب اور اس کی توضیح | وما علمنا الشرا

سے مبتدعین دیوبند

کے تنقیص علم پر استدلال کا دوسرا جواب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا یہ کہ قرآن تعلیم شعر نہیں ہے اور شعر سے کلام کاذب مراد ہے۔ خواہ موزوں ہو یا غیر موزوں۔ اس آیت میں اشارہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے علم اولین و آخرین تعلیم فرما گئے۔ جن سے کشف حقائق ہوتا ہے اور آپ کے معلومات واقعی اور نفس الامری ہیں۔ کذب شعری نہیں جو حقیقت میں جہل ہے۔ وہ آپ کی شان کے لائق نہیں اور آپ کا دامن تقدس اس سے پاک ہے۔

اب سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے؛

”وما علمنا الشرا میں تو نفی ہے۔ اس سے علم اولین و آخرین کی تعلیم کے اشارے کا جوڑ نہلا معلوم کیسے تھا۔ قرآن کریم کا یہ قطعی مضمون تو یہ بتلا رہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مطلقاً شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ آپ کی شان کے لائق ہے۔ لیکن مولوی نعیم الدین صاحب کہتے ہیں۔ کہ اس میں اشارہ ہے کہ آپ کو اولین و آخرین کے علوم کی تعلیم فرمائی گئی ہے۔ نہ معلوم یہ اشارہ کیسے ثابت ہوا“ (تنقید متین ص ۱۹۷)

مفسرین نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ قرآن شعر کی طرح کلام کاذب نہیں۔ چنانچہ شبیر احمد صاحب عثمانی اپنی تفسیر میں اسی مقام پر لکھتے ہیں؛

”اس پیغمبر کو ہم نے قرآن دیا ہے۔ جو نصیحتوں اور روشن تعلیمات

سے معمور ہے۔ کوئی شعر و شاعری کا دیوان نہیں دیا۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن کی تعلیم دی جس میں علوم و آخرین موجود ہیں نہ کہ کذب کی تعلیم دی ہے جو آپ کی شان کے لائق نہیں اور عقلمند شخص کیلئے

یہ واضح اشارہ ہے۔

صدر الافاضل کا تیسرا جواب | صدر الافاضل رحمہ اللہ اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں شعر بمعنی کلام موزوں کے

جاننے اور اس کے صحیح و سقیم۔ جید و ردی کو پہچاننے کی نفی نہیں۔ بلکہ علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں طعن کرنے والوں کے لئے یہ آیت کسی طرح سند نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم کائنات عطا فرمائے۔ اس کے انکار میں اس آیت کو پیش کرنا محض غلط ہے۔

سرفراز صاحب کی تنقید:

”مثالثاً یہ کہ کس آیت اور خبر متواتر سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی طور پر (ایک ذرہ اور ایک فرد بھی اس سے مستثنیٰ نہ ہو) علوم کائنات عطا فرمائے گئے تھے۔ تاکہ یہ آیت کریمہ اس سے متعارض ہو۔ اور اس کو اس کے مقابلہ میں سند لانا صحیح نہ ہو اور اس کو اس کے مقابلہ میں پیش کرنا محض غلط ہو۔ قرآن و حدیث میں تو کوئی ایک حوالہ بھی صریح اس پر موجود نہیں ہے۔ ہاں فی الجملہ اولین و آخرین کا آپ کو عطا ہونا صحیح دلائل سے ثابت ہے۔ مگر وہ بعض ہیں کل نہیں۔“ (تنقید متین ص ۲۳۶ طبع دوم)

علم کلی | عام طور پر مقتدین دیوبند علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم کلی کو اپنے طنز کا نشانہ بناتے ہیں۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اصل عقیدہ کو دلائل سے بیان کر دیا جائے۔ غور فرمائیے ہر چیز قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور جس چیز کا قرآن کریم میں ذکر ہے۔ اس کا نبی علیہ السلام کو علم ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر چیز کا نبی علیہ السلام کو علم ہے قیاس کا صغریٰ یہ ہے۔ کہ ہر شے قرآن میں مذکور ہے اور اس پر قرآن کریم کی یہ آیت دلیل ہے:

ونزلنا عليك الكتاب
تبياناً لكل شيء -
اور ہم نے آپ کے اوپر جو کتاب نازل کی
ہے۔ وہ ہر چیز کو بیان کرنے والی ہے۔

اس آیت کا مرکز استدلال لفظ "کل" ہے اور تمام اصولیین کا اتفاق ہے۔
کہ لفظ کل الفاظ عموم میں سے ہے۔ چنانچہ علامہ تفسار زانی فرماتے ہیں:

اذا اضيف كل الى المنكرة
فهو لعموم افرادها -
جب لفظ کل کی نکرہ کی طرف اضافت ہو تو وہ
اپنے مضاف الیہ کے تمام افراد کو شامل
ہوتا ہے۔ (توضیح تلویح ص ۱۴۳)

اور آیت مذکورہ میں کل کی اضافت شئی کی طرف ہے جو نکرہ ہے پس یہاں لفظ
کل شئی کے ہر فرد کو شامل ہے۔ اور عام اپنے تمام افراد کو قطعی اور یقینی طور پر شامل ہوتا
ہے۔ اور کوئی ظنی دلیل اس کا مخصوص نہیں ہو سکتا۔ علامہ تفسار زانی فرماتے ہیں:

وعند جمهور العلماء اثبات
الحكم في جميع ما تينا وله من الافراد
قطعا و يقينا عند مشائخ الحراق
وعامة المتأخرين -
جمہور کے نزدیک عام کے تمام افراد کے
لیے اس کا حکم قطعی طور پر ثابت ہوتا ہے
اور مشائخ عراق اور عامۃ متأخرین کا
مذہب ہے۔

(توضیح تلویح ص ۱۱۱)

یہی وجہ ہے کہ احناف زہر واحد کو بھی عام کے لیے مخصوص نہیں مانتے۔ اور انہوں
نے "فَأَقْرُوا مَا تيسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ" میں ما کے عموم کے لیے لاصلوٰۃ
الابفاتحة الكتاب کو مخصوص نہیں تسلیم کیا۔ بلکہ ملا جیون رحمہ اللہ نے واشکاف
الفاظ میں تصریح فرمائی ہے کہ:

لا يجوز تخصيص قولها ولا
تاكلوا مما الحريزنا كرسم الله عليه
ومن دخله كان منا بالقياس
وخبر الواحد - (نور الانوار ص ۷۰)

اللہ تعالیٰ کے قول ولاتاكلوا مما لم يذكر اسم الله
عليه اور من دخله كان منا کے عموم کی تخصیص
زہر واحد اور قیاس سے جائز نہیں
ہے۔

ان دلائل سے یہ بات واضح ہو گئی کہ
میں کل کا عموم قطعی ہے۔ جس کے لیے کوئی خبر واحد یا قیاس بھی مخصوص نہیں بن سکتا۔
پس قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم ہر چیز کے علم کو شامل ہے۔ علامہ آلوسی
حنفی فرماتے ہیں؛

والتحقیق عندی ان جمیع
ما عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم
من الاسرار الہیة وغیرها من
الاحکام الشرعیة قد اشتمل
علیہ القرآن المنزل فقد قال
سبحانہ ونزلنا علیک الكتاب
تبیانا لکل شیء وقال تعالیٰ ما فرطنا
فی الكتاب من شیء وقال صلی اللہ
علیہ وسلم فیما اخرجہ الترمذی
وغیرہ ستکون فتن قبل و ما
المخرج منها قال کتاب اللہ تعالیٰ
فیہ نبثا ما تبدکو وخبر ما بعد
کو وجکو وفیکم واخرج ابن
جریر عن ابن مسعود قال انزل
فی هذا القرآن کل علم و بین لنا فیہ
کل شیء ولکن علمنا
یقصر عما بین لنا فی هذا
القرآن -

(روح المعانی ج ۶ ص ۱۷۰)

اور علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہیں؛

میری تحقیق یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے
اسرار الہیہ۔ احکام شریعیہ یا جو کچھ بھی بیان
فرمایا ہے۔ ان تمام علوم پر قرآن مشتمل
ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہم نے
آپ پر کتاب نازل کی ہے۔ جو ہر چیز
کا بیان کرتی ہے۔ نیز فرمایا۔ ہم نے اس
کتاب میں کسی شئی کے بیان میں کمی نہیں کی
ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ
عنقریب فتنے ظاہر ہوں گے۔ آپ سے
پوچھا گیا کہ ان سے نجات کی کیا صورت ہے
آپ نے فرمایا کتاب اللہ! اس میں تم سے
پہلوں اور پچھلوں کی خبریں ہیں اور تمہارے
لیے احکام ہیں اور ابن جریر نے ابن مسعود
سے روایت کی ہے کہ انہوں نے بیان
فرمایا اس قرآن میں ہر شئی کا علم ہے۔ اور
ہر چیز کا بیان ہے لیکن ہماری عقول قرآن
کریم سے ان کو حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

وقال الشافعي هرة بمكة سلوني
 عما شئتم اخبركم عنه في كتاب الله
 الى ان قال وقال ابن ابي الفصل
 المرسي في تفسيره جمع القرآن
 علوم الاولين واخذين بجيث
 لم يخط بها علما حقيقة الا المتكلم
 بها ثم رسول الله صلى الله عليه وسلم
 خلا ما استاثر به سبحانه تعالى
 ثم ورت عنه معظم ذلك
 سادات الصحابة واعلامهم
 مثل الخلفاء الاربعة
 وابن مسعود وابن عباس رضي
 الله تعالى عنهم حتى قال لوضاع
 عقاب بغير لوجدته في كتاب
 الله -

(اتقان ج ۲ ص ۱۲۶)

ام شافعی نے فرمایا مجھ سے جو چیز پوچھو
 تو میں تمہیں وہ قرآن میں دکھا دوں گا۔ اور ابن
 ابی الفضل مرسی نے اس کی تفسیر میں کہا
 کہ قرآن کریم تمام علوم اولین و آخرین کا
 جامع ہے جن کے علم کا حقیقت میں
 سوائے اللہ کے کسی نے احاطہ نہیں
 کیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوا
 ان امور کے جو اللہ کے ساتھ خاص ہیں
 پھر کبار صحابہ اس علم سے فر حصہ کے
 وارث ہوئے۔ مثل خلفائے راشدین
 کے اور حضرت ابن مسعود اور ابن عباس
 کے اور ابن عباس نے تو یہاں تک فرمایا
 کہ اگر میرے اونٹ کی رسی بھی گم ہو جائے
 تو میں اسے بھی قرآن میں پالوں گا۔

علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ اور علامہ سیوطی شافعی متوفی ۹۱۱ھ کی ان عبارات
 سے یہ بات واضح ہو گئی کہ قرآن کریم میں کل اشیاء کا بیان اور علم موجود ہے۔
 اس مقام پر یہ شبہ نہ ہو کہ بعض مفسرین نے تبیاناً لکل شئی کی صرف احکام
 شریعہ کے ساتھ تفسیر کی ہے۔ کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ کل کا عموم قطعی
 ہے۔ اور اس کی تخصیص خبر واحد اور قیاس سے بھی نہیں ہو سکتی تو بعض مفسرین
 کے اقوال اس کے منحصص کس طرح ہو سکتے ہیں۔ پس بجز اللہ یہ بات ثابت
 ہو گئی۔ کہ قرآن کریم میں تمام چیزوں کا بیان ہے اور اجماعاً ثابت ہے۔ کہ
 قرآن کریم جس چیز کا بھی بیان ہے۔ نبی علیہ السلام کو ان تمام چیزوں کا علم حاصل ہے۔

پس ثابت ہو گیا کہ نبی علیہ السلام کو تمام چیزوں کا علم حاصل ہے۔ اور اسی علم کو علم کلی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ثانیاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کامل معرفت اسی شخص کو حاصل ہوگی۔ جسے مخلوق کا علم حاصل ہو۔ دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ و کذا لکن ندی ابراہیم ملکوت السموات والارض کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی تمام نشانیاں دکھانے سے یہ مقصد نہ تھا کہ حضرت ابراہیم کو صرف انیس چیزوں کا علم حاصل ہو۔ بلکہ مقصود یہ تھا کہ انیس ان نشانیوں کے علم سے اللہ تعالیٰ کی جلال ذات اور اس عظمت کی معرفت حاصل ہو۔

لیس المقصود من اراة
الله ابراہیم ملکوت السموات
والارض هو مجرد ان یری ابراہیم
هذا الملكوت بل المقصود ان
یراہا فیتوسل بہا الی معرفتہ
جلال اللہ تعالیٰ وقد سہ ود علوہ
وعظمتہ۔ (تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۲)
اور علامہ آلوسی حنفی فرماتے ہیں:

اور تو خوب جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کے دلائل اور مظاہر قدرت کی معرفت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

وانت تعلم ان رویۃ الربوبیۃ
انما ہی برویۃ دلائلہا واثارہا
(روح المعانی ج ۷ ص ۱۷۲)

پس اگر آپ یہ مانتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی معرفت کاملہ حاصل ہے۔ تو آپ کو حضور کے لیے علم کلی بھی ماننا پڑے گا۔

ثانیاً اس لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات کا علم عطا فرمایا۔ اب اگر آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ حضرت ابراہیم سے کم نہیں سمجھتے تو آپ کو حضور کے لیے بھی علم کلی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

ان اللہ اراة الملكوت بالعبین
اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

قال وان الله تعالى شق له السموات
حتى راي العرش والكرسى والى
حيث ينتهى فوقية العالم الجسمانى
وشق له الارض الى حيث ينتهى
الى السطح الاخر من العالم الجسمانى
وراي ما فى السموات من
العجائب والبدائع وراى ما
فى باطن الارض من العجائب

والخرائب -

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۳)

تمام ملکوت ان کی آنکھ سے دکھلائے
یہاں تک کہ تمام آسمانوں کے پار انہیں
عرش اور کرسی دکھلایا۔ عرضیکہ اوپر کی جانب
میں جو کچھ بھی تھا۔ وہ دکھلایا پھر نیچے کی
جانب زمین کی آخری گہرائی تک میں جو کچھ بھی
تھا وہ دکھلایا اور آسمان و زمین کے عجائب و
عرائب بھی اس طرح دکھلائے جیسے ان کی
ظاہری نشانیاں دکھلائی تھیں۔

اس تفصیل سے ظاہر ہو گیا کہ مخلوق کا کلی علم خالق کی کامل معرفت کا ذریعہ
ہے۔ پس جب کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس علم کلی سے بہرہ مند
فرمایا۔ تو نبی علیہ السلام کے بارے میں یہ کیونکر متصور ہے کہ انہیں یہ علم حاصل نہ
ہو۔ بلکہ نبی علیہ السلام کو یقیناً اس سے کہیں زیادہ علم حاصل تھا۔ کیونکہ جب آپ
کو خالق کی معرفت تمام انبیاء سے اتم اور اکمل درجہ میں حاصل ہے۔ تو لازماً مخلوق
کا علم بھی آپ کو سب سے زیادہ حاصل ہوگا۔

رابعاً یہ کہ امام رازی اسی مقام پر فرماتے ہیں کہ انسان پر جب تک حجابات
بشریہ چھائے رہتے ہیں۔ وہ علم و عرفان سے دُور رہتا ہے۔ اور جب حجابات
بشریہ زائل ہو جاتے تو وہ نور جلال ذات کی روشنی میں تمام چیزوں کو دیکھتا ہے۔
چنانچہ امام نے فرمایا:

اور ہر ماسوی اللہ اللہ تعالیٰ سے حجاب
ہے پس جب یہ حجاب زائل ہو جاتا ہے
تو آسمانی حقائق منکشف ہو جاتے ہیں۔
پس اللہ تعالیٰ کے قول و کذا لک نری

وکل ماسوی اللہ فہو حجاب
عن اللہ تعالیٰ فلما زال ذالک
الحجاب لاجرم تجلی لہ ملکوت
السموات بالتمام قولہ و

ابراہیم الخ کا معنی یہ ہے کہ جب حضرت
ابراہیم سے اشتغال بغیر اللہ زائل ہو گیا۔ تو
انہیں اللہ تعالیٰ کے نور جلال کی تجلی بالتمام
حاصل ہوگی۔

كذلك نرى ابراهيم
ملكوت السموات معناه و
ذوال الاشتغال لغیر اللہ حصل
لہ نور تجلی جلال اللہ تعالیٰ

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۲)

پس جو لوگ نبی علیہ السلام کے لیے علم کلی نہیں مانتے۔ کیا ان کے خیال میں حضور
صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ پر حجابات پڑے ہوئے ہیں۔ نیز جب حضرت
ابراہیم علیہ السلام کے بلندی شان کا یہ مرتبہ ہے کہ نور جلال سے تمام حقائق ان پر
منکشف ہو گئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المرسلین ہیں۔ ان کے علم کی
عظمتوں کا کیا عالم ہوگا۔

خامساً ملا علی قاری حنفی متوفی ۱۰۱۲ھ تحریر فرماتے ہیں:

غیب کے مبادی بھی ہیں اور لواحق بھی لیکن
مبادی پر نہ کوئی ملک مقرب اطلاع پاتا
ہے اور نہ کوئی نبی مرسل باقی رہے لواحق
توان کو اللہ تعالیٰ اپنے بعض احبار پر
ان کے عمل کے مطابق مطلع فرماتا ہے۔
اور یہ غیب اضافی ہے۔ کیونکہ جب روح
قدسیہ منور ہو جاتی ہے۔ اور عالم محسوس
کی ظلمت سے کنارہ کش ہو کر آئینہ دل
کو طبیعت کے نہنگ سے صاف کر لیتی ہے
اور علم و عمل پر دوام حاصل ہو جاتا ہے اور
فیضان انوار الہیہ کی وجہ سے یہ نور اور
زیادہ قوی ہو کر فضاء قلب پر پھا جاتا

للغیب مبادی و لواحق
فمبادیہ لا یطلع علیہ ملائقہ تقرب
ولانہی مرسل و اما اللواحق فہو
ما اظہرہ اللہ علی بعض احبائہ
لوحۃ عملہ و خرج ذالک عن
الغیب المطلق و صار غیباً اضافیاً
و ذلک اذا تنور الروح القدسیۃ
وازداد نوریتہا و اشراقہا
بالاعراض عن ظلمۃ عالم
الحس و تخلیۃ القلب عن صدء
الطبیعۃ و المواظبۃ علی العلم
والعمل و فیضان الانوار الالہیۃ

حتى يقوى التور وينبسط في
فضا قلبه فتنعكس فيه النقوش
المرتسمه في اللوح المحفوظ ويطلع
على المغيبات ويتصرف في
اجسام العالم السفلى بل يتجلى
حينئذ الفيض الاقدس بمعرفة
اللاتي هي الشرف العطايا
فكيف بخيرها -

(مرقات ج ۱ ص ۶۲)

ہے تب اس کے دل میں لوح محفوظ کے
نقوش مرتسم ہو جاتے ہیں۔ اور وہ
غیب پر مطلع ہو جاتا ہے اور اس عالم
کے اجسام میں تصرف کرتا ہے۔ بلکہ اس
کے دل پر اللہ تعالیٰ کی تجلیات وارد
ہوتی ہیں اور جب اسے اللہ تعالیٰ کی
معرفت حاصل ہو جاتی ہے جو سب سے
افضل مقام ہے تو بھلا کوئی اور چیز اس سے
کیسے مخفی رہ سکتی ہے۔

ملا علی قاری کی اس عبارت میں یہ تصریح ہے کہ صالحین کا ملین اور عارفین باللہ
سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی۔ کیونکہ جب ان سے اللہ تعالیٰ کی ذات ہی مخفی
نہ رہی تو کوئی اور چیز کیسے مخفی رہ سکتی ہے اور یہی علم کلی ہے۔ پس جب علم صالحین
اور کاملین کو یہ علم حاصل ہے۔ تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو تمام کاملین اور عارفین
کے سر تاج ہیں انہیں یہ علم کیونکر حاصل نہ ہوگا۔

نیز حدیث صحیح میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

فعلمت ما فی السموات
والارض - (مشکوٰۃ ص ۶۹)
پس میں نے جان لیا اس ہر چیز کو جو آسمانوں
میں اور زمین میں ہے۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ فرماتے

ہیں:

آپ کا یہ قول اس سے عبارت ہے
کہ آپ کو تمام جزوی و کلی علوم حاصل
ہو گئے اور آپ نے ان کا احاطہ
کر لیا۔

اس عبارت است از حصول
تمام علوم جزوی کلی و احاطہ آل -

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۳۳)

اور ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی شرح میں علامہ ابن حجر مکی کی عبارت ذکر کی ہے۔

وقال ابن حجر ای جمیع
الکائنات التي في السموات
بل وما فوقها كما يستفاد
من قصة المعراج والارض
هي بمعنى الجنس ای وجمیع
ما في الارضين السبع بل وما
تحتها (مرقات ج ۲ ص ۲۱۰)

علامہ ابن حجر نے فرمایا کہ نبی علیہ السلام نے تمام
کائنات کو جان لیا جو آسمانوں میں ہے
بلکہ اس سے اوپر بھی جیسا کہ قصہ معراج سے
مستفاد ہے اور زمین کا لفظ حدیث میں جنس
کے معنی میں ہے یعنی سات زمینوں بلکہ اس
سے بھی نیچے جو حقائق تھے ان تمام کو
جان لیا۔

ایک اور روایت اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
فتجلی لی کل شیء۔ پس ہر چیز میرے لیے منکشف ہو گئی۔

(مشکوٰۃ ص ۷۲)

اس حدیث میں بھی کل کا مضاف الیہ نکرہ ہے پس معلوم ہوا کہ آپ کو تمام چیزوں
کا علم حاصل ہے۔

اور اس کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا:
پس ظاہر شد و روشن شد مرا ہر
چیز از علوم و شناختم ہمہ را۔
پس مجھ پر تمام علوم ظاہر ہو گئے اور
میں نے ان سب کو پہچان لیا۔

(الثعنتہ الممعات ج ۱ ص ۳۲۳)

بھلا اللہ ہم نے قرآن کریم احادیث اور اقوال محققین علماء کی روشنی میں نبی
علیہ السلام کے علم کلی کو واضح تر بیان کر دیا ہے۔ البتہ منکرین اور متعصبین کی ضد
ہٹ دھرمی اور عناد رسول کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں ہے۔

علم الہی اور علم رسول میں فرق
مسئلہ علم کلی میں عام طور پر مبتدعین دیوبند
یہ کہا کرتے ہیں کہ جب کل اشیاء کا

علم حضور کے لیے مان لیا۔ تو پھر آپ کا علم اللہ کے علم کے مساوی ہو گیا۔ اس لیے اس مقام پر علم کلی کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ پس جاننا چاہیے کہ علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جو خدا کا علم ہے۔ وہ حضور کو سب حاصل ہے۔ بلکہ مخلوقات اور لوح محفوظ کے کل علوم حضور کو حاصل ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم لوح محفوظ میں منحصر نہیں ہے۔ بلکہ کروڑوں الواح بھی اللہ تعالیٰ کے علوم غیر متناہیہ کی متحمل نہیں ہو سکتیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ حضور کا علم نہ اللہ تعالیٰ کے علم کی مثل ہے نہ بعض کی بلکہ ایک ذرہ کے علم میں بھی حضور اور خدا کے علم میں بھی کوئی مماثلت نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو ایک ذرہ کا علم بھی غیر متناہی وجوہ سے ہوتا ہے۔ اور ان غیر متناہی وجوہ میں سے ہر وجہ کا پھر غیر متناہی وجوہ سے علم ہوتا ہے۔ اور یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہتا ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے علم میں غیر متناہی علوم کے تسلسل ہیں۔ اور اس کے علم کی وسعت کسی انسانی دماغ میں آہی نہیں سکتی۔ دیکھئے امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں:

معلومات اللہ تعالیٰ غیر	اور اللہ تعالیٰ کی معلومات غیر متناہی
متناہیہ ومعلومات فی کل	ہیں اور ان معلومات غیر متناہیہ میں سے
واحد من تلك المعلومات ایضا	ہر معلوم پھر غیر متناہی وجہ سے معلوم
غیر متناہیہ۔	ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۷۳)

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے اعتقاد کے مطابق تمام مخلوقات کے علم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں وہ نسبت ہے جو قطرے کو سمندر سے ہے۔ یعنی تمام مخلوقات کا علم بمنزلہ قطرہ ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں حضور کا علم بمنزلہ سمندر ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نسبت اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ ایسی بھی نہیں۔ جیسے قطرے کو سمندر سے ہوتی ہے۔ یعنی اگر

اللہ تعالیٰ کے علم کو سمندر قرار دیا جائے اور حضور کے علم کو اس کے مقابلہ میں قطرہ قرار دیا جائے تو یہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ قطرہ بھی متناہی ہے اور سمندر بھی اور یہ متناہی کی نسبت متناہی کی طرف ہے۔ اور حضور کے علم اور اللہ تعالیٰ کی نسبت متناہی کی نسبت غیر متناہی کی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اور حضور کے علم میں جس طرح مقدار میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اسی طرح کیفیت اور صفت کے لحاظ سے بھی کسی مماثلت کا تصور نہیں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم حادث اور جائز الزوال ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا علم قدیم اور ممتنع الزوال ہے۔ پس ظاہر ہو گیا کہ حضور کے علم کلی کو اللہ تعالیٰ کے علم کے ساتھ نہ مقدار کے اعتبار سے مماثلت ہے نہ کیفیت کے۔ اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضور کے لیے علم کلی ماننے سے آپ کے علم کلی کی خدا کے علم سے مساوات لازم آجاتی ہے۔ ان کے جواب میں ہم اس کے سواء اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ:

ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ایسی قدر نہیں کی

ما قدروا للہ حق

جیسی کہ فی چاہیے تھی۔

قدسا ۵۔

حاصل بحث یہ ہے کہ حضور کے علم کلی کا یہ مطلب نہیں ہے کہ خدا کا کل علم آپ کو حاصل ہے۔ بلکہ مخلوق کا کل علم آپ کو عطا کیا گیا اور اس کی تکمیل نزول قرآن کے ضمن میں تدریجاً ہوئی۔ اور جن احادیث کا یہ مفاد ہے کہ تمام حقائق آپ پر دفعتاً منکشف ہو گئے تھے۔ وہ تدریج کے منافی نہیں ہے کیونکہ عالم کے احوال اور صفات یونانیوں بابت لگتے رہتے ہیں۔ پس آسمان و زمین کے تمام حقائق آپ پر پیش کیے گئے اور آپ نے انہیں جان لیا اور ان کی تفصیلات پر آپ کو تدریجاً اطلاع ہوئی۔

سرفراز صاحب کے شبہات | سرفراز صاحب لکھتے ہیں:

۲
» را بعا کیا ملکہ اور کلام کاذب غیر نفس الامری میں باتیں ہیں۔ اس جہاں
میں نہیں ہوتیں۔ اور آخر ان کی نفی بھی تو عیب کے منافی ہے۔ پھر
عیب کلی کا دعویٰ کیونکر صحیح ہوا؟ (تنقید متین ص ۱۹۷)

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے شعر کے ملکہ کی نفی کی ہے یعنی آپ کو شعر
کننے کی مہارت نہیں ہے۔ اس سے علم کلی کی نفی کس طرح لازم آگئی یہ تو ایسا
ہی ہے کہ مثلاً کوئی کہے۔ چونکہ حضور کو آسمان و زمین بنانے کی مہارت نہیں
ہے۔ اس لیے آپ کو علم کلی نہیں۔

ثانیاً یہ کہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ملکہ (مہارت) کی نفی کی ہے۔ ملکہ کے
علم کی نفی تو نہیں کی ہے۔ حتیٰ کہ آپ اس کی نفی سے علم کلی کی نفی کریں۔
اسی طرح کلام کاذب کی نفی سے علم کلی کی نفی کرنا بھی سراسر حماقت ہے
یہ بات اس وقت تو کسی جا سکتی تھی جب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے یوں فرمایا
ہوتا کہ:

» آپ کو اللہ تعالیٰ نے کلام کاذب کا علم اور ادراک نہیں
عطا کیا»

حالانکہ صدر الافاضل تو فرما رہے ہیں کہ:
» اللہ تعالیٰ نے آپ کو کذب کی تعلیم نہیں دی۔ یعنی جھوٹ
بولنا نہیں سکھایا»

اس سے علم کلی تو کجا۔ علم جزوی کی بھی نفی نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کے
ہاں تعلیم کذب کی نفی سے علم کی نفی ہوتی ہے۔ تو ہمیں بھی کہنے دیجئے کہ آپ
کو ماں باپ اور اساتذہ نے جھوٹ بولنا نہیں سکھایا۔ اس لیے ثابت ہوا کہ
آپ بے علم اور جاہل ہیں»

انبیاء و سابقین کے متعلق حضور کا علم | سرفراز صاحب نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے علمی

ثابت کرنے کے لیے دوسری دلیل اس طرح قائم کی ہے:

ورسلا قد قصصنا عليك
من قبل ورسلام نقصصهم
عبيك -
اور کتنے رسول ہم نے بھیجے ہیں جن میں بعض
کے حالات ہم نے آپ کو اس سے قبل بتا
دیئے ہیں۔ اور ان میں سے بعض کے حالات
نہیں بتائے۔

اس سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض انبیاء کرام علیہ السلام کے حالات کا علم عطا

نہیں کیا۔ (تنقید متین ص ۱۹۸)

اس آیت کریمہ میں زمانہ ماضی میں نبی علیہ السلام کے علم کی نفی ہے۔ اور زمانہ
ماضی میں کسی بات کی نفی سے زمانہ مستقبل میں اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ اور اگر
دیوبندیوں کو اسی پر اصرار ہے کہ ماضی میں نفی سے مستقبل میں نفی لازم آجاتی
ہے۔ تو پھر ہمیں بھی یہ کہنے کا حق پہنچتا ہے کہ اشرف علی صاحبہا نوحی
چونکہ بچپن میں جاہل تھے۔ لہذا آج بھی جاہل ہیں اور ہمیشہ جاہل رہیں گے۔ اسی
طرح قاسم نانوتوی اور آپ کے قطب عالم مولوی رشید احمد گنگوہی چونکہ بچپن میں
جاہل اور بے علم تھے۔ اس لیے مرتے وقت تک جاہل اور بے علم رہے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کلی نزول قرآن کے ضمن میں
تدریجاً وصال تک مکمل ہوا۔ اگر سرفراز صاحب واقعی حضور کی لاعلمی ثابت کرنا
چاہتے ہیں تو انہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ فلاں چیز کا علم آپ کو وصال
تک نہیں ہوا۔ مبتدعین کی پوری جماعت کو ہمارا چیلنج ہے کہ وہ اس طور پر آپ
کی بے علمی ثابت کرے۔

زمانہ ماضی میں کسی چیز کی نفی سے یہ دعویٰ کرنا کہ آپ کو اس کا علم اخیر وقت
تک نہیں ہوا۔ جہالت کی بدترین مثال ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ فرماتے ہیں:

نفی قصہم من قبل لا یتلزم
 نفی قصہم مطلقاً فان نفی الخاص
 لا یتلزم نفی العام فیمكن ان
 یکون قصہم علیہ صلی اللہ علیہ
 وسلم بعد فعلہم (روح المعانی ج ۶ ص ۱۶)

انبیاء علیہم السلام کے قصص کی زمانہ ماضی میں
 نفی مطلقاً ان کے قصص کے علم کی نفی کو
 مستلزم نہیں ہے۔ پس ممکن ہے اللہ تعالیٰ
 نے بعد میں ان کے قصص کو بیان فرمایا اور آپ
 نے ان کو جان لیا ہو۔

تواضع کی تحقیق
 صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب مراد آبادی رحمہ اللہ نے
 لا اقول لکم عندی خزائن اللہ کی تفسیر میں فرمایا:

”مفسرین کا یہ قول بھی ہے کہ حضور کا لا اقول لکم الآیۃ فرمانا بطریق
 تواضع کے ہے۔ (خازن۔ مدارک و جمل وغیرہ)“

اس تفسیر پر سرفراز صاحب کی تنقید ملاحظہ فرمائیے:

”رہا تواضع کا مسئلہ تو بے شک بعض مفسرین کرام نے لا اعلم

الغیب کو تواضع پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ چنانچہ علامہ
 آلوسی حنفی فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع اور اظہار

عبودیت پر حمل کیا ہے تو درست نہیں ہے۔ بل ہولیس بستی

کما لا یخفی (روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۷) بلکہ یہ تو بالکل یسچ ہے۔ اور

بلا یعبا بہ کے درجہ میں ہے۔ اور صاحب مواقف (ص ۷۱) میں لکھتے

ہیں کہ لا نسلم انما فی معرض ۲ لتواضع ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ تواضع

پر محمول ہے۔“ (تنقید متین ص ۲۰۰)

سرفراز صاحب آپ اپنے حلقہ میں اہل علم سمجھے جاتے ہیں اور بد قسمتی سے لوگ
 آپ کو علماء کی صف میں شمار کرتے ہیں۔ پھر کچھ تو خدا نونی اور آخرت کا خیال
 کیا ہوتا۔ اس قسم کی شرمناک خیانت اور بددیانتی سے آپ کب تک مبتدعین
 دیوبند کا بھرم قائم رکھیں گے۔

علامہ آلوسی صاحب روح المعانی اور صاحب مواقف کی طرف آپ نے

خلاف واقع یہ نسبت کی ہے۔ کہ انہوں نے لا اعلم الغیب کو تواضع پر محمول کرنے کو غلط قرار دیا ہے۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا تو آپ نے روح المعانی اور مواقف کے مجمل حوالے کیوں دیئے۔ اور ان کی مکمل عبارات کیوں پیش نہیں کیں۔ کیا اس لیے کہ اگر وہ عبارات سامنے آجاتیں تو آپ کے جھوٹ کا راز فاش ہو جاتا۔

قارئین کرام! حقیقت یہ ہے کہ شرح مواقف ص ۱۰۷ پر جس کا سرفراز صاحب نے حوالہ دیا ہے۔ ایسی کوئی عبارت نہیں جس میں لا اعلم الغیب (میں غیب نہیں جانتا) کو تواضع پر محمول کرنے کو پیچ یا لایعیا بہ کہا ہو بلکہ انہوں نے لا اقول لکم انی ملک (میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) کے بارے میں کہا ہے کہ یہ تواضع پر محمول نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ معتزلہ کا عقیدہ یہ ہے کہ ملائکہ انبیاء علیہم السلام سے افضل ہوتے ہیں۔ اور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ حضور نے تواضعاً فرمایا ہے کہ لا اقول لکم انی ملک کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ فرشتہ کا مقام نبی سے اونچا ہوتا ہے۔ درنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود سے فرشتہ ہونے کی نفی کر کے تواضع نہ فرماتے۔ چنانچہ صاحب مواقف اور صاحب روح المعانی دونوں نے اس دلیل کا رد کیا۔ اور فرمایا لا اقول لکم انی ملک کو تواضع پر محمول کرنا ہم تسلیم نہیں کرتے تاکہ ملائکہ کی انبیاء پر فضیلت ثابت ہو۔ اب ہم آپ کے سامنے مواقف اور روح المعانی کی عبارات پیش کرتے ہیں:

مخالف نے فرشتوں کی فضیلت پر عقلی اور	اجتزہ الخصم علی تفصیل الملائکة
نقلی دلائل سے استدلال کیا۔ بہر حال	بوجوه عقلیہ ونقلیة الی ان
وجہ نقلیہ سات ہیں۔ پہلی یہ ہے کہ حضور	قال انما الوجوه النقلیة فسبعة
نے بطور تواضع فرمایا کہ میں فرشتہ نہیں	الاول ولا اقول لکم انی ملک
ہوں اور اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نہیں	فی معرض التواضع والجواب لانہ
مانتے کہ یہ کلام تواضعاً فرمایا تھا۔	انہ فی معرض التواضع (شرح مواقف ص ۱۰۷)

وخص ابن عباس رضی اللہ عنہما
الغیب بعاقبة ما یصیرون الیہ
ای لا ادعی ذالک ولا ادعی ایضا
المکئیة حتی تکلفوا فی من الافاعیل
الخارقة للعاوات ما لا یتطیقه
البشر من الرقی فی السماء ونحوہ
وتعد واعدم اتصافی بصفاتہم
قادحاً فی امری کما ینبئ عنہ قولہم
مالہذا الرسول یا کل الطعام
ومیشی فی الاسواق ولیس فی
الایة علی ہذا دلیل علی تفصیل
الملائکة علی الانبیاء فیہم للصلوة
والسلام فیما ہد محل النزاع
کما زعم الجبائی لانھا انما وردت
رد ادعی الکفار فی قولہم مالہذا
الرسول الی ان قال و ہذا
الجواب ظہر مما نقل عن القاضی
ذکرنا من ان ہذا القول منہ
صلی اللہ علیہ وسلم من باب التواضع واظہار
العبودیة تطیر قولہ علیہ الصلوۃ والسلام
لا تفضلونی علی ابن متی بل هو لیس

لبشی کمالا یخفی - (روح المعانی ج ۷ ص ۱۲۵)

موافق کے بعد اب صاحب روح المعانی کی عبارت ملاحظہ فرمائیے :-
ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت
میں عیب کو کفار کے انجام کے ساتھ فرمایا
کر لیا یعنی میں اس کے جاننے کا دعویٰ نہیں
کرتا اور نہ ہی میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ
کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ تم مجھ کو افعالِ نمارقہ کا مکلف
کرد کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں یا تم
فرشتوں کی صفات سے میرے نہ موصوف
ہونے کو میری نبوت میں طعن کا موجب
قرار دو جس طرح کفار نے طعنہ دیتے
ہوئے کہا کہ اس رسول کو کیا ہوا ہے
کہ یہ بازار میں چلتا ہے اور کھانا کھاتا ہے
اور اس آیت میں ملائکہ کی افضلیت پر کوئی
دلیل نہیں ہے۔ جیسا کہ جبائی نے سمجھا کیونکہ
یہ آیت کفار کے اس قول مذکور کے رد میں
نازل ہوئی ہے اور یہ جو اب تاضی ذکر کیا
کے اس جواب سے زیادہ ظاہر ہے جس
میں انہوں نے کہا کہ اس قول کا تواضع پر مبنی
ہونا ایسا ہے جیسے آپ نے فرمایا کہ مجھے
ابن متی پر فضیلت منت دو کہ بلکہ یہ جواب
تو بالکل ہی کمزور ہے۔

صاحب روح المعانی کی اس عبارت سے بالکل واضح ہو گیا کہ علامہ آلوسی معتزلہ کے استدلال کو رد کر رہے ہیں کہ لا اقول لکم انی ملک سے فضیلت ملائکہ پر استدلال کرنا غلط ہے اور قاضی ذکر یا نے جو تو واضح کا یہ جواب دیا کہ اس قول کی تو واضح ایسی ہے۔ جیسے لا تفضلوا فی علی ابن متی میں تو واضح ہے کہ اس قول سے یہ لازم نہیں آتا کہ حضور حضرت یونس سے افضل نہ ہوں پس ایسے ہی لا اقول الخ میں تو واضح سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ ملائکہ سے افضل نہ ہوں۔ اب دیکھئے کہ اس پوری عبارت میں کہیں بھی کوئی ایسا لفظ نہیں ہے۔ جس میں لا اعلم الغیب کو تو واضح پر محمول کرنے کا رد کیا گیا ہو۔ پس سرفراز صاحب کے اس جھوٹے پرہم سوائے لعنة اللہ علی الکاذبین کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

آئیے ہم اب آپ کے سامنے خود روح المعانی سے اس امر کی شہادت پیش کرتے ہیں کہ نفی غیب کو تو واضح پر محمول کرنا صحیح اور درست ہے۔ روح المعانی میں علامہ آلوسی اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باوجود کثیر غیب جاننے کے اپنی ذات سے علم غیب کی نفی کیوں کی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:

علامہ خازن نے فرمایا یہ بھی احتمال ہے کہ نبی علیہ السلام نے علم غیب کی نفی تو واضحاً کی ہو اور تو واضح سے کذب لازم نہیں آتا کیونکہ تو واضح کا معنی یہ ہے کہ میں خدا کے بتلائے بغیر غیب کو نہیں جانتا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے غیب پر مطلع ہونے سے پہلے نفی کی ہو۔ اور اطلاع پا کر غیب کی خبر دی ہو یا نبی علیہ السلام کا یہ کلام کفار کے سوال کے جواب

وفي لباب التاويل للخازن في
الجواب عن ذلك انه يحتمل
ان يكون هذا القول منه عليه
الصلوة والسلام على سبيل
التواضع والادب والمخني لا اعلم
الغيب الا ان يطلعني الله تعالى عليه
ويقدرة لي ويحتمل ان يكون قال ذلك
قبل ان يطعه الله تعالى على الغيب
فلما اطعه اخبر به او يكون خرج هذا

میں ہو اور بعد میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو مغیبات کی خبر دی تاکہ وہ آپ کا معجزہ اور نبوت کی دلیل قرار پائے۔ علامہ خازن کی عبارت ختم ہوئی، اور اس عبارت میں غور کرنا چاہیئے اور بعض محققین کی عبارت پہلے جواب (یعنی تواضع) کی تریح کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

(روح المعانی ج ۹ ص ۱۲۱)

علامہ خازن کے جس جواب کا صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے وہ جواب اور اس پر علامہ آلوسی کا تبصرہ ہم نے ہدیہ قارئین کر دیا ہے۔ تاکہ دیکھنے والے دیکھ لیں کہ علامہ آلوسی تواضع والے جواب کو رد کر رہے ہیں۔ یا اس کو تریح دے رہے ہیں۔

صدر الافاضل نے خازن مدراک اور جنم کے حوالہ سے جو بات بیان کی تھی وہ بات حرفاً حرفاً ثابت ہے۔ اور جن تفسیروں کے حوالے صدر الافاضل رحمہ اللہ نے دیئے ہیں ان کے علاوہ دوسرے مفسرین نے بھی تواضع کا قول کیا ہے جن میں سے ایک امام فخر الدین رازی بھی ہیں۔ تواضع کے قول کو سرفراز صاحب رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

”علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب، تو حاصل تھا لیکن آپ نے تواضع کے طور پر فرمایا کہ لا اعلم الغیب میں غیب نہیں جانتا تو کیا دیدہ دانستہ خلاف واقع بات کہنا جھوٹ ہے (معاذ اللہ تواضع)“

(تنقید متین ص ۲۰۰)

افسوس ہے کہ ڈاڑھی سفید ہو چکی۔ لیکن آپ کو ابھی تک تواضع کے معنی کا بھی پتہ نہیں چلا۔ کاش آپ بریلی کے کسی ادنیٰ طالب علم کی ہی شاگردی کر لیتے۔ تو آپ کو تواضع کا معنی سمجھ میں آجاتا۔ اور بڑھاپے میں یہ ذلت نہ اٹھانی پڑتی۔

سینے جناب من! تواضع کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام خدا کے علم کی عظمتوں کے مقابلہ میں اپنے علم کی نفی فرما رہے ہیں۔ کہ اے بار اللہ تیرے علم کی وسعتوں کے مقابلہ میں میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ یہ کہ فی نفسہ میرا علم کچھ بھی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آپ کو اسے جھوٹ کہنے کی جرأت ہو۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ میں اپنے آپ..... تو کسی عیب کو بھی نہیں جانتا اللہ یہ کہ اللہ تعالیٰ میری رہنمائی فرمائے۔ اور یہی معنی علامہ خازن نے بیان کیا ہے کہیے! اب سمجھ میں آیا آپ کو! تواضع کس کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ اور ہدایت عطا فرمائے۔ ہم تو ہر حال میں آپ کے دعا گو ہیں۔



منافقین کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم

قرآن کریم اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(اعلیٰ حضرت اس کے ترجمہ میں فرماتے ہیں) اور کچھ مدینہ والے ان کو خو ہو گئی ہے نفاق کی تم انہیں نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

ومن اهل المدينة مردوا
على النفاق لا تعلمهم نحن
نعلمهم۔ الآیۃ

چونکہ مبتدعین و یوں بند اس آیت سے بھی سادہ لوح لوگوں کو یہ کہہ کر گمراہ کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہ تھا۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے ان کے شبہات کو نرایل کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہو۔ وہ ہمارا جاننا ہے کہ ہم انہیں عذاب کریں گے یا حضور سے منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ماسبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے ولتصرفنہم فی لحن القول (جیل) کلبی وسدی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کے لئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔ اس سے بھی ہوتا ہے کہ حضور کو اس کے بعد منافقین کے حال کا علم عطا فرمایا گیا۔

اس تفسیر پر سرفراز لکھتے ہیں۔

نہ معلوم ایسا جاننا جس کا اثر انہیں معلوم ہوا۔ یہ کس لفظ کا معنی اور تفسیر ہے۔ اور انہیں معلوم ہوئے سے کون مراد ہے۔ الفاظ تو بالکل واضح ہیں۔ کہ مدینہ کے کچھ لوگ نفاق کے ایسے خوگر ہیں جن کو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ نہیں۔ ہم ہی جانتے ہیں

جو اپنے مفہوم میں قطعی الدلالت ہے۔ اس میں کوئی احتمال پیدا نہیں ہوتا۔

البتہ خواہ مخواہ کی باتیں بنانے کا اس دنیا میں کوئی علاج نہیں ہے۔

(تنقید متین ص ۲۰۲)

صدر الافاضل کے جواب کی توضیح

صدر الافاضل کی اس تفسیر کا مطلب حقیقت پسندوں پر تو بالکل واضح

ہے۔ عرف میں مجرموں اور بدکاروں کے لئے کہا جاتا ہے کہ ہم نہیں جانتے

ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ تمہیں تمہاری بدکاریوں پر سزا دیں گے۔ پس منافقوں کا

علم اللہ تعالیٰ کے رسول کو بھی حاصل تھا لیکن اس علم وہ ثمرہ ان پر مرتب نہیں

ہوا۔ جس سے ان کو دوسرا عذاب دیا گیا ہو چنانچہ اس آیت کا معنی ہے۔ ان

منافقین کو آپ نہیں جانتے۔ انہیں ہم جانتے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو دو مرتبہ

دیں گے اور نحن نعلمہم کے بعد سعد ہم مرتین کا ذکر اس پر قرینہ ہے

کہ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے جس کا اثر ان منافقین پر دوسرے عذاب کی

صورت میں نازل ہو۔ پس جس علم کی نفی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کی

گئی ہے۔ وہ اس خاص قسم کا علم ہے۔ نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے

مطلقاً منافقین کے علم کی نفی مراد ہے۔ حتیٰ کہ عظمت رسالت کے منکرین اس

آیت کو تنقیص نبوی کا نشان بنالیں اہل فہم کے لئے ان چند سطور میں ایضاح

حق کے لئے وافر روشنی موجود ہے۔ اور مبتدعین دیوبند بھی اگر آنکھیں بالکل ہی بند

نہ کریں۔ تو ان سطور سے انہیں بھی کافی فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ اس کی ترویج و وضاحت

کے لئے ملاحظہ فرمائیں علامہ آلوسی نے وما جعلنا القبلة التي كنت عليها الا

لنعلمون عن اتباع الرسول الخ (ہم نے قبلہ کو نہیں بدلا مگر اس لئے تاکہ اپنے اس علم

کو ظاہر کریں کہ کون شخص رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون نہیں) کی تفسیر میں تحریر یہ

فرمایا ہے۔ ان المراد به الجزاء ای النجاری الطالع والعاصی وکثیرا ما یفتح التہدید فی

القرآن بالعلم (روح المعانی ج ۲ ص ۲۶) علم سے یہاں مراد دینا مراد ہے اور

قرآن کریم میں بکثرت علم کو ڈرانے نے اور سزا دینے کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔
 ارباب بدعت کو اس آیت سے تنقیص علم نبوی کا جو شبہ لاحق ہوتا ہے۔
 اس کا دوسرا جواب صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اس طرح دیا ہے۔ یا حضور سے
 منافقین کے حال جاننے کی نفی باعتبار ما سبق کے ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا
 جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ ولتعرفہم فی لحن القول (جملہ)
صدر الافاضل کے دوسرے جواب کی توضیح | جملہ کے حوالہ سے
 صدر الافاضل رحمہ اللہ

نے جو جواب دیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ اس آیت میں اگرچہ حضور سے
 منافقین کے علم کی نفی کی گئی ہے۔ لیکن دوسری آیت ولتعرفہم فی لحن
 القول میں منافقین کے علم کو ثابت کیا گیا ہے پس منکرین عظمت رسول اور جو بیان
 نقص کو اس آیت سے اپنے فاسد عقیدہ پر کوئی مدد نہیں مل سکتی۔ کیونکہ نبی علیہ السلام
 کا علم تدریجاً ہے اور اگر منافقین کا علم پہلے حاصل نہ تھا۔ تو کوئی ضرر نہیں جب کہ
 بعد میں اس علم کا حصول دلیل سے ثابت ہو گیا۔

سرفراز صاحب نے صدر الافاضل کے دوسرے جواب پر اس طرح تنقید کی

ہے۔

مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ نکتہ کہ۔ یا حضور کے منافقین کے حال
 جاننے کی نفی باعتبار ما سبق ہے اور اس کا علم بعد کو عطا ہوا۔ تو یہ
 محض نص قطعی کے رد کرنے کا ایک بے سود اور مردود بہانہ ہے
 کیونکہ ولتعرفہم فی لحن القول سورہ محمد کی ایک آیت کا
 حصہ ہے۔ اور یہ سورت پہلے نازل ہوئی ہے ومن اهل المدینۃ
 الایتا۔ سورہ توبہ کی ایک آیت کا حصہ ہے جو قرآن کریم کی سب
 سے آخری سورت ہے۔ آگے چل کر سمجھتے ہیں۔ مولوی نعیم الدین
 صاحب کے علم و دیانت پر انتہائی حیرت ہوئی ہے کہ وہ بعد

میں نازل ہونے والی سورت کے ایک حصہ کو پہلے نازل ہونے والی سورت کے ایک فرمان سے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ اس عبارت پر آخری تبرا ملاحظہ فرمائیں۔ مستزاد براں یہ یاد رہے کہ لا تعلمہم خبر ہے اور نسخ کا وقوع اخبار میں ہوتا ہی نہیں۔ تو پھر اس کے نسخ کا کیا مطلب (تنقید منین ص ۲۰۶)

سرفراز صاحب کے اس عبارت کئی وجوہ سے کلام ہے
اولا اس لئے کہ صدر الافاضل نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ تفسیر جمل کے حوالہ سے
کہا ہے۔ اس میں ایک لفظ بھی ان کا اپنا نہیں ہے اور یہ تمام تبرا حقیقت میں
تفسیر جمل کی طرف راجح ہوتا ہے۔

ثانیا یہ کہ فن مناظرہ کا قانون ہے کہ ناقل سے نصیح نقل کا مطالبہ ہوتا ہے
اور نقل پر جرح کا ذمہ دار ناقل نہیں ہوتا۔

سرفراز صاحب کو چاہئے تھا کہ یا تو صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب
مراد آبادی رحمہ اللہ کے ذکر کردہ حوالہ کو تسلیم کرتے یا بصورت دیگر اس کا صحیح محل
بیان کرتے۔ دیکھئے سرفراز صاحب مصنف راہ جنت سے اس طرح شکایت
کرتے ہیں۔

” مفتی صاحب آپ کے انتہائی شرمناک خیانت سے کام لیا ہے آپ کا

فرض تھا کہ راہ جنت میں میرے درج کردہ حوالے ذکر کرتے یا بصورت

دیگر ان عبارات کا صحیح محل بیان کرتے کہ ان کا مطلب تو یہ ہے مگر

سرفراز نے یوں سمجھا ہے۔ مگر آپ کی بلا سے۔ آپ نے ان تمام حوالوں

کو گیارہویں کا حلوہ سمجھ کر ہضم کر لیا ہے۔ (باب جنت ص ۳۱)

اب بتلایئے سرفراز صاحب آپ نے صدر الافاضل کے ذکر کردہ حوالے

کو کوٹے کا فورسہ سمجھ کر کیوں ہضم کر لیا۔ اور اس کی کوئی توجیہ کیوں نہ کی۔

اب ہم قارئین کے سامنے جمل کی اصل عبارت پیش کرتے ہیں تاکہ یہ سچت

پوری روشنی میں آسکے ملاحظہ فرمائیے۔ جمل ج ۲ ص ۳۱۳ پر ہے۔

فان قلت کیف نفی عنہ
علمہ بحال المنافقین ہرہنا و
واثبت فی قولہ ولتعرفہم فی
لحن القول فالجواب انہ ایئنا
النفی نزلت قبل ایۃ الاثبات
فلا تنافی الا کرخی۔

پس اگر تو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
منافقین کے علم کی نفی کس طرح صحیح ہو سکتی ہے
حالانکہ ولتعرفہم فی لحن القول میں اس علم
کو ثابت کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سوہ تو بہ
کی مذکور آیت پہلے نازل ہوئی جس وقت آپ کو
منافقین کا علم (تفصیلی) نہ تھا۔ بعد میں ولتعرفہم فی
لحن القول نازل ہوئی جس سے انکے علم (تفصیلی)

کا اثبات کیا گیا ہے۔ (کرخی)

(جمل ج ۲ ص ۳۱۳)

فسخ کا افترا اور اس کا جواب

جمل تمہا نہیں۔ کرخی بھی ان کے ساتھ ہیں۔

مثلاً یہ کہ جمل کے قول کی حکایت کرتے ہوئے صدر الافاضل صاحب نے کہیں
بھی یہ نہیں فرمایا کہ لا تعلمہم کے حکم کو یا اس آیت کو لتعرفہم نے منسوخ کر دیا۔ سرفراز
صاحب نے اپنی تحریف و تلبیس کا بدترین مظاہرہ کر کے خود ہی صدر الافاضل پر فسخ
کا افترا باندھا اور پھر اس پر یہ کہہ کر تبرک کیا کہ فسخ اخبار میں نہیں۔ انشا میں ہوتا ہے
رابعاً یہ قاعدہ ہے کہ جب دو کلام باہم متعارض ہوں۔ مثلاً ایک میں علم کا اثبات
اور دوسرے میں نفی ہو۔ ثواب میں معلوم کریں گے کہ مؤخر کون ہے اور مقدم کون
اور جب کسی ایک کا مؤخر ہونا ثابت ہو جائے تو اب اگر وہ کلام انشا ہے۔ تو مؤخر
مقدم کے لئے ناسخ ہو جائے گا۔ اور اگر خبر ہو تو ان دو متعارض خبروں کے درمیان
تطبیق کی جاتی ہے اور تطبیق کو فسخ نہیں کہا جاتا لیکن علم کے یہ جھوٹے مدعی آیات
کے نسخ اور تطبیق کے فرق سے بھی بے خبر ہیں۔ اور صدر الافاضل نے آیات میں
جو تطبیق بیان کی ہے۔ اسے نسخ کا معنی پہنا کر اس طرح بے لگام ہو رہے ہیں

کہ بد زبان نبی بھی ان کا منہ تک رہی ہے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بحوالہ جبل بیان کر دیا ہے کہ لا تعلمہم میں نفی علم کی خبر ہے اور یہ مقدم ہے۔ اور لتعر فنہم میں اثبات علم کی خبر ہے اور یہ مؤخر ہے۔ پس نفی اور اثبات کے محل علیحدہ علیحدہ ہو گئے اور کوئی تعارض اور تناقص نہ رہا۔

خامسا یہ کہ سرفراز صاحب نے بغیر کسی دلیل کے یہ فرض کر لیا کہ لتعر فنہم سورا نعلمہم پر مقدم ہے اور ایک فاسد بناء قائم کر کے اس پر فاسد عمارت کی تعمیر کر دی لتعر فنہم سورہ ۵ محمد کی ایک آیت ہے۔ اور اس سورت کے مکی یا مدنی ہونے میں اختلاف ہے۔ بہر حال محققین کی رائے یہ ہے کہ یہ مدنی ہے۔ جلالین میں ہے سورہ القتال مذنبہ اور سرفراز کے شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی دیوبند اپنی تفسیر کے ص ۶۴۳ پر لکھتے ہیں کہ سورہ محمد مدنی ہے بعض تفاسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی آیات حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد تک نازل ہوتی رہی ہیں۔ بہر حال جب ثابت ہو گیا کہ سورہ محمد اور سورہ توبہ دونوں مدنی ہیں۔ تو اب اس میں کوئی استبعاد نہ رہا کہ سورہ محمد کی ایک آیت سورہ توبہ کی ایک آیت کے بعد نازل ہوئی ہو۔ جبکہ اس امر پر جبل اور کرخی کی شہادت بھی موجود ہے۔

سادسا یہ کہ سرفراز صاحب کہتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی سب سے آخر میں نازل ہوئی والی سورت توبہ ہے۔ (تنقید متین ص ۲۰۲)

بجائے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ باقی تمام سورتوں کا نزول سورہ توبہ سے پہلے مکمل ہو چکا تھا۔ گھڑ کے محقق کو شاید یہ بھی معلوم نہیں کہ ایک وقت میں کئی سورتوں کی آیات نازل ہوتی رہتی تھیں۔ دلائل سے ثابت ہے کہ سورہ توبہ سے پہلے جن سورتوں کا نزول شروع ہو چکا تھا۔ ان کی آیات سورہ توبہ کے شروع ہونے کے بعد بھی نازل ہوتی رہیں۔ بلکہ قرآن کریم کی جو آخری آیت نازل ہوئی۔ وہ سورہ توبہ کی نہیں بلکہ سورہ بقرہ کی آیت ہے (تفسیر جبل ص ۲۲۹ ج ۱) یہ سورہ بقرہ کی آیت واتقوا یوما ترجعون کی تفسیر میں علامہ بیضاوی فرماتے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا۔ کہ یہ وہ آخری آیت ہے جس کو جبرائیل لے کر نازل ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس کو سورہ بقرہ کے دو سو اسی نمبر کی آیت پر رکھ دیجئے اور اس آیت کے نزول کے اکیس دن بعد آپ کا وصال ہو گیا۔ اور بعض روایات میں اکیاسی دن بعد اور بعض میں ہے سات دن بعد اور بعض میں تین گھنٹے بعد۔

قال ابن عباس وهذه آخذ آیت نزل بها جبرائیل وقال للبنی صلی اللہ علیہ وسلم صنعها فی س اس الماتین والتمانین من سورۃ البقرہ وعاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعدها احدا وعشرین یوما وقیل احدا وثمانین وقیل سبعة ایام وقیل ثلاث ساعات اہ

(انوار التنزیل)

اور سورہ مائدہ کی آیت الیوم اکملت لکم الخ کے بارے میں علامہ سیوطی نے جلالین میں فرمایا کہ یہ حلال و حرام کے بارے میں آخری آیت ہے۔ اس کی شرح صاحب جمل فرماتے ہیں۔

یعنی حلال و حرام کے آیتوں کے بارے میں آخری آیت الیوم اکملت لکم دینکم ہے اور یہ اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد نصیحت کے طور پر و اتقوا یوما ترجعون فیہ نازل ہوئی ہے۔

ای آیت حلال و حرام و هذا لا ینافی انما نزل بعدها آیت موعظة و هو قولہ تعالیٰ و اتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ۔

تفسیر جمل ج ۲ ص ۴۶۲

ان حوالوں سے ثابت ہو گیا کہ سورہ توبہ کا بحیثیت مجموعی آخری ہونا اس کے منافی نہیں کہ اس کے بعد پہلے سے شروع کردہ سورتوں کی آیتیں نازل ہوتی رہی ہوں۔ ہم نے با دلائل ثابت کر دیا ہے کہ بقرہ اور مائدہ کی آیتیں بہر حال سورہ توبہ کے مکمل ہونے کے بعد نازل ہوئیں کیونکہ انہیں قرآن کی آخری آیتوں میں سے شامل کیا گیا ہے۔ جس اسی طرح سورہ محمد کی آیت و لتعرفنہو فی لحن القول

کا سورہ توبہ کی ایک آیت لا تعلمہم کے بعد نازل ہونا قطعاً بعید نہیں ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حق و صواب ہے جیسا کہ جبل اور کمرخی کے حوالوں سے ثابت ہو چکا ہے اور سرفراز صاحب نے جو بلا دلیل یہ کہا ہے کہ لتحر فہمہم مقدم ہے۔ اور لا تعلمہم مؤخر ہے۔ یہ حقائق کی روشنی میں باطل و مردود ہے۔

سابعاً یہ کہ دیوبندیوں کے شیخ الاسلام نے ولتحر فہمہم فی لحن القول کی تفسیر میں اقرار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافقین کی تفصیل و تعیین سے مطلع کر دیا تھا۔ اور لا تعلمہم میں اس علم کی نفی کی گئی ہے (حوالہ آگے آرہا ہے) اب اگر لا تعلمہم کو مؤخر کیا جائے۔ تو قرآن کی دو آیتوں میں تضاد لازم آئے گا کہ علم کو ثابت بھی کیا اور اس کی نفی بھی کی پس لامحالہ ماننا پڑے گا کہ لا تعلمہم پہلے واقعہ کی خبر ہے۔ جب منافقین کا علم نہیں عطا کیا اور لتحر فہم بعد کی خبر ہے۔ جب یہ علم عطا فرما دیا فلشہ الحمد علی ذالک۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

ولتحر فہمہم فی لحن القول۔ سے علم کا اثبات مراد نہیں۔ بلکہ محض علامت اور نشانی کے طور پر تجربہ کی بنا پر چہرے بشرے سے اندازہ لگانا ہے۔ (تقید متین ص ۲۰۳)

نوٹ۔ سرفراز صاحب نے اس آیت کو ولتحر فہمہم فی لحن القول لکھا ہے، حالانکہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں۔ اصل میں ولتحر فہمہم فی لحن القول ہے۔ انہوں نے عمدتاً یا سہواً حضرت صدر الافاضل صاحب کی جو تفسیر نقل کی ہے۔ اس میں بھی ولتحر فہمہم فی لحن القول لکھا ہے۔ حالانکہ ان کی تفسیر میں صحیح آیت ولتحر فہمہم فی لحن القول لکھی ہوئی ہے۔ مزہ آباد کے قدیم مطبوعہ، نسخہ تاج کمپنی کے بڑے سائز کے نسخہ اور جمائل شریف کے تمام نسخوں میں یہ آیت اسی طرح لکھی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں کہ کھڑے کے محرف کس وجہ کے پیش نظر تحریف خالص کا یہ کارنامہ انجام دیا ہے (دیوبند کے شیخ الاسلام

شبیر احمد صاحب عثمانی پہلے تو دیوبندی فطرت سے مجبور ہو کر ولتعا فقہہ
فی لحن القول کو اندازہ اور قیافہ پر محمول کرتے رہے۔ لیکن بالآخر حق ان کی
زبان پر غالب آ گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں۔ بعض احادیث سے
ثابت ہے کہ حضور نے بہت سے منافقین کو نام بنام پکارا اور اپنی مجلس سے
اٹھا دیا اور ممکن ہے وہ شناخت ”لحن القول“ اور ”سیما“ وغیرہ سے حاصل ہوئی
ہو یا آیت ہذا کے بعد حق تعالیٰ نے آپ کو بعض منافقین کے اسماء پر تفصیل و
تعیین کے ساتھ مطلع فرما دیا ہو۔ والله اعلم (ص ۶۷)

مرتے مرتے بھی عثمانی صاحب کی زبان پر کلمہ حق یقین کے ساتھ جاری نہ
ہوا۔ اور اپنے قول میں احتمال اور امکان کا رنگ پیدا کر کے حق نفاق ادا کر ہی
دیا۔ عثمانی صاحب کو اس بات میں تردد ہے کہ حضور کو منافقین کا علم تھا یا
نہیں اور ان کے معنوی فرزند سر فراز صاحب نے صاف اور صریح الفاظ
کے ساتھ حضور کے علم منافقین کا انکار کر دیا حالانکہ حضور کے علم کا مرتبہ تو عقل
و ادراک سے باہر ہے۔ آپ کے غلاموں کو بھی منافقین کا علم تھا۔ دیکھئے
حضرت خلیفہ بن یمان کی سوانح پیشخ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

خدیفہ بن یمان صحابی	خدیفہ بن یمان عظیم الشان
کبیر عظیم الشان است صاحب	صحابی تھے۔ ان کے پاس منافقین
سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نزد	کا علم تھا۔ وروہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ
اوبودعلم منافقین رضی اللہ عنہ	وسلم کے صاحب راز تھے۔

(اشعہ اللغات ج ۱ ص ۷۶)

اس عبارت سے جس طرح یہ معلوم ہوا کہ حضرت خلیفہ بن یمان کو منافقین
کا علم تھا یہ بھی پتہ چلا کہ علم منافقین از قبیل راز ہے اور راز کی باتیں ہر ایک
پر منکشف نہیں کی جاتیں اور نہ اسے برسر عام آشکارا کیا جاتا ہے پس بتدوین
دیوبند کا یہ کہنا کہ اگر حضور منافقین کو جانتے تھے تو انہیں ظاہر کیوں نہ کیا محض

حماقت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ نبی علیہ السلام کا راز تھا۔ جب آپ نے مناسب سمجھا تو منافقین کے نفاق کو ظاہر کر دیا اور انہیں نام بنام پکار کر مسجد سے نکال دیا۔ جس طرح صدر الافاضل علیہ الرحمہ نے اس کو تفصیل سے بیان فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ بکلی وسد ہی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روز جمعہ خطبہ کے لئے قیام کر کے نام بنام فرمایا۔ نکل اے فلاں۔ تو منافق ہے۔ نکل اے فلاں تو منافق ہے۔ تو مسجد سے چند لوگوں کو رسوا کر کے نکالا۔

سرفراز صاحب | **اخراج منافقین کی حدیث پر جرح اور اس کا جواب** | اس حدیث کے

رواۃ پر جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”یہ وہ شیر ہیں جن کی روایات سے (جب کے سند کی اوپر کی کڑیوں کا ذکر تک نہیں کیا) مولوی نعیم الدین صاحب اور ان کے لائق استاذ اور پوری جماعت قرآن کریم کی قطعی الدلالة اور قطعی الثبوت آیت کو منسوخ قرار دے رہے ہیں۔ معاذ اللہ۔ علمی دنیا میں اس سے بدترین جہالت یا خیانت اور کیا ہو سکتی؟ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ کچھ سطر بعد لکھتے ہیں۔ اور قرآن کریم کی نص قطعی کے مقابلہ میں اگر حدیث صحیح بھی ہو مگر خبر واحد تو اس کا پیش کرنا بھی محض ہرزہ بافی ہے تو بے سرو پا اور جعلی روایتوں کو کون مانتا ہے“ (تنقید متین ص ۲۰۶)

بدترین جاہل اور خائن تو وہ شخص ہے۔ جسے تطبیق میں الاخبار اور نسخ میں بھی تمیز نہیں۔ جو تطبیق کو نسخ سمجھتا ہے۔ باقی سند کے مجروح ہونے سے کسی حدیث کو غیر معتبر قرار دے دینا سرفراز صاحب کی جہالت پر واضح دلیل ہے۔ ارباب فہم سے مخفی نہیں کہ جس حدیث پر اہل علم حضرات نے اعتماد کیا ہو وہ حدیث معتبر تسلیم کی جاتی ہے۔ اگرچہ سند کے لحاظ سے بالکل مجروح کیوں نہ ہو۔ دیکھئے مسج رکبتہ والی حدیث کا ضعف مشہور ہے۔ لیکن چونکہ اہل علم

نے اس پر اعتماد کیا۔ اس لئے اس کو آج تک تسلیم کیا جاتا ہے۔ اہلسنت خفیہ
کا مسلک ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز جائز ہے۔
علامہ نقتازانی فرماتے ہیں۔

و یجوز الصلوة خلف کل بدو فاجر لقولہ علیہ الصلوۃ
والسلام صلوا خلف کل بدو فاجر (شرح عقائد)
اور اس حدیث کی سند پر ناقدین حدیث نے شدید جرح کی ہے۔
علامہ پرہاروی فرماتے ہیں۔

و ذکر السنخاوی طرق هذا الحدیث و اھیة کلھا صرح
بہ غیر واحد من العلماء۔ (نبراس ص ۲۲۵)

امام سخاوی نے ذکر کیا ہے کہ یہ حدیث جتنے طریقوں سے مروی ہے وہ
کل کے کل و اھیات ہیں۔ حاشیہ نبراس میں ہے کہ اس حدیث کی ایک سند میں
عثمان بن عبد الرحمن ہے۔ اس کو یحییٰ بن معین نے کاذب قرار دیا ہے۔ دوسری
سند میں خالد بن اسماعیل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ ایک اور سند میں ابو
الولید مخزومی ہے۔ اور وہ مجہول الحال ہے اور بعض لوگوں نے اس کو کذاب
قرار دیا۔ ایک اور سند میں محمد بن فضل ہے اور وہ متروک الحدیث ہے۔ اسی
طرح امام ابن حجر عسقلانی نے دار یہ فی تخریج احادیث الہدایہ میں بھی اسکی اسناد
پر دل کھول کر جرح کی ہے۔ اسی طرح اہلسنت خفیہ کا مسلک ہے کہ مہر میں کم
از کم دس درہم کی مقدار معتبر ہے۔

۲۱ قلہ عشرة دراهم هذا عندنا (شرح وقایہ ج ۲ ص ۳۲)

اور جن تمام احادیث سے مہر کی اقل مقدار دس درہم ثابت ہے۔ ان پر
جرح کرتے ہوئے مولوی عبدالحی لکھنوی لکھتے ہیں۔

ان هذا الاحادیث کلھا ان تمام احادیث کی اسناد مجروح ہیں

اور احتجاج و استدلال کے لائق نہیں اور علامہ بدر الدین عینی شارح ہدایہ نے بنایہ اس کے جواب میں کہا کہ جب کوئی حدیث طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ حسن ہو جاتی ہے اگرچہ ہر طریقہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو میں عینی کے د میں یہ کہتا ہوں کہ کثرت طرق سے حدیث حسن تب ہوتی ہے جب ضعف کم ہو پس کیفیت کے ضعف کی تلافی افراد کی قوت سے جاتی ہے لیکن جب ضعف بہت شدید ہو باقی طور کہ کوئی سند بھی کاذب یا مستہم بالکذب راوی سے خالی نہ ہو۔ پھر حدیث حسن کے درجہ کو نہیں پہنچتی اور ہماری بحث جس حدیث میں ہے وہ ایسی ہی ہے۔

اسانیدھا کجرحا غیر قابلہ لان یجتہم بها و اجاب عنہ العینی فی البناية انه اذا روى الحديث من طرق مفرادتها ضعيفة تصير حسنا و یجتہم به اقول لا یغنی ما فیہ فان بکثرة الطرق انما یصیر الحديث حسنا اذا کان الضعف فیہا یسیرا فینجبر بالتعدد لا اذا كانت شديدة الضعف بان لا یخلوا واحد منها عن کذاب او متهم و الامر فیہا نحن فیہا کذا لک۔

(عمدة الرعاية علی شرح وقایہ ۲۶ ص ۳۲)

ملاحظہ فرمایا آپ نے اگر سرفراز صاحب کے قاعدہ کو مان لیا جائے کہ مجروح السنہ حدیث کا بالکل اعتبار نہیں ہوتا تو کسی مذہب کا کوئی ضابطہ باقی نہیں رہے گا۔ حقیقت میں جس خطرناک راستہ کی سرفراز صاحب نشانہ ہی کر رہے ہیں۔ وہ غیر مقلدوں کے اس اندھے کنوئیں کی طرف لے جاتا ہے جس میں گرنے کے بعد انسان ہوائے نفسانی کا تابع ہو جاتا ہے اور ہر قسم کے ضابطوں اور قیود سے آزاد ہو کر شتر بے مہار ہو جاتا ہے آپ کو ائمہ اربعہ کے مذاہب میں بے شمار ایسے مسالک مل جائیں گے جو ان احادیث پر مبنی ہیں جو سند کے لحاظ سے مجروح ہیں۔ بلکہ خود غیر مقلدوں کے ان گنت مسالک ایسی احادیث پر مبنی ہیں جو سند کے لحاظ سے شدید ضعیف بلکہ موضوع ہیں۔ اس لئے ائمہ حدیث نے حجیت حدیث کے ضوابط میں سے ایک یہ ضابطہ بھی بیان فرمایا ہے کہ جس حدیث پر اہل علم اعتماد

کریں اسے تسلیم کیا جائے گا۔ ملاحظہ فرمائیے۔
امام جلال الدین سیوطی فرماتے ہیں۔

اشاربذالك الى ان الحديث اعتضد بقول اهل العلم وقد
صرح غير واحد بان من دليل صحة الحديث قول اهل العلم و
ان لم يكن له اسناد يعتمد على مثله (التعقبات على الموضوعات)

یعنی امام ترمذی نے اس سے اشارہ فرمایا کہ اس حدیث کو قول علماء سے قوت
مل گئی اور بے شک متعدد ائمہ نے تصریح فرمائی ہے کہ اہل علم کی موافقت بھی صحت
حدیث کی دلیل ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے لئے کوئی سند قابل اعتماد نہ ہو۔ اس مختصر
سی تہید کے بعد جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ اہل علم کی موافقت بھی حدیث کے صحیح ہونے

کی دلیل ہوتی ہے۔ اب ہم آپ کی خدمت میں ان اہل علم کے اسماء اور ان
کی کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں۔ جن میں انہوں نے اس حدیث کی موافقت
کی ہے۔ امام فخر الدین رازی اسی آیت کریمہ میں سنعدہم مرتین کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

روى السدای عن انس بن
مالک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم
قام خطیبا یوم الجمعة فقال اخرج
یا فلاں انک منافق الحدیث۔
سدی نے حضرت انس سے روایت کیا
کہ نبی علیہ السلام نے جمعہ کے دن خطبہ دیا فرمایا
نکل اے منافق۔

الحدیث

ابوسعود نے اپنی تفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں فرمایا۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما
ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قام
خطیبا یوم الجمعة فقال اخرج
فلاں فانک منافق الحدیث
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے
روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
جمعہ کے دن کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا

نکل اے منافق (الحدیث)

اسی طرح درمنثور میں علامہ سیوطی نے اس آیت کے تحت حضرت ابن عباس
کی اس روایت کو ذکر کیا۔ سراج المینیر۔ معالم التنزیل۔ خازن۔ ابن جریر۔ جبل اور

صاوی ان سب تفسیروں میں اسی آیت کے تحت سدی کی یہ روایت ذکر کی گئی ہے۔ ان کے علاوہ اور بہت سی جلیل القدر علماء فن نے بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور سب کو چھوڑے دیوبند کے مستند اور سرفراز صاحب کے مسلم شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس حدیث کو دو جگہ ذکر کیا ہے ایک ص ۶۷ پر و لتحصن فنہو فی لحن القول کی تفسیر میں جس کو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ اور دوسری جگہ سنعدن بھو مردقین کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ مثلاً ابن عباس کی ایک روایت کے موافق حضور نے جمعہ کے روز ممبر پر کھڑے ہو کر تقریباً چھتیس آدمیوں کو نام بنام پکار کر فرمایا۔ اخذ ج فانك منافق۔ یعنی تو منافق ہے مسجد سے نکل جا۔ (ص ۲۶۶)

ملاحظہ فرمایا۔ آپ نے یہ وہی سرفراز صاحب کی اقرار کردہ جعلی اور بے سرو پار روایت ہے۔ جس کو باقی مفسرین نے تو اپنی کتابوں میں ایک جگہ ذکر کیا ہے۔ اور عثمانی صاحب نے اپنی تفسیر میں اس کو دو جگہ کا ذکر کیا ہے۔ اور اگر آپ میں واقعی دیانت اور انصاف ہے۔ تو اب اپنے شیخ الاسلام پر دو مرتبہ وہی تبرادہرائیں جو آپ نے صدر الافاضل رحمہ اللہ پر اپنی رسول دشمنی کی وجہ تنقید متین میں محض اس حدیث سے استدلال کی بنا پر کیا۔

صدر الافاضل رحمہ اللہ کو وصال پائے ہوئے برسوں گذر چکے ہیں۔ لیکن وہ عظمت رسالت کے ایسے عظیم نشان ظاہر کر گئے ہیں جن کی تبت و تاب آج تک اہل تنقیص کی نکاہوں کو خیرہ کر رہی ہیں اور یہ نشان ان کی جان پر ایسا عذاب بن گئے ہیں کہ وہ اس سے کسی طرح چھٹکارا نہیں پاسکتے جب کچھ بس نہیں چلتا تو صدر الافاضل کی شان میں نازیبا کلمات کہتے ہیں اور انہیں سب و شتم کر کے اپنے نفس کو تسکین دے لیتے ہیں۔ تنقید متین کے تقریباً ہر صفحہ کو سرفراز صاحب نے حضرت صدر الافاضل پر تبراک کے سیاہ کیا ہے مبتدعین دیوبند عموماً اور سرفراز صاحب خصوصاً اعلیٰ حضرت

۱۔ اصل تفسیر میں یہ لفظ اسی طرح لکھا ہے اور صحیح منبر ہے۔

قدس سرہ اور صدر الافاضل کو اپنی تضحیک کا نشانہ بناتا ہے۔ آخر ان لوگوں کا جرم
 کیا ہے کیا یہی کہ انہوں کو اس شخص نے علم اقدس کو بہائم سے تشبیہ دینے والے کو
 مسلمان مانتے سے انکار کر دیا کیا ان کا قصور یہی ہے کہ انہوں نے کہا کہ ہم اس شخص
 کو رسول کا امتی تسلیم نہیں کر سکتے جو آپ کے علم کو ابلیس کے علم سے کم سمجھتا ہو۔ بلا ریب
 یہ حضرات اس دین سے باغی تھے جس میں کمالات رسالت کے انکار کو توحید اور عظمت
 نبوت میں تنقیص کو عبادت سمجھا جاتا تھا۔ جس دین نے ایسی بدعات پیدا کیں جن کی
 وجہ سے اللہ کا نہ وجود واجب رہا نہ تعلیم ممتنع رہا۔ جنہوں نے خدا کے لئے جھوٹ
 جہالت اور تمام امور قبیحہ کو جائز قرار دے دیا۔ وہی دین آج اپنے آپ کو سنت
 کا علمبردار کہلاتا ہے۔ ہم نے اس کتاب میں واشکاف الفاظ سے اس حقیقت
 کو بے نقاب کر دیا ہے کہ بدعت کس کا دین ہے اور سنت کس کا مذہب ہے اور
 اب کھون لگانے والی نگاہوں کے لئے یہ امر مخفی نہیں رہے گا کہ اس دنیا میں اگر
 کوئی بدترین بدعت ہو سکتی ہے تو وہ دیوبند کا احتراع کردہ مذہب ہے۔



اباحتِ اصلیہ

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ وقد فضل لکوما حد مر علیکم
کی تفسیر میں فرماتے ہیں -

مسئلہ اس سے ثابت ہوا کہ حرام چیزوں کا مفصل ذکر ہوتا ہے اور ثبوت
حرمت کے لئے حکم حرمت درکار ہے اور جس چیز پر شریعت میں حرمت کا حکم نہ ہو
و مباح ہے - اور ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ میں فرمایا ہے فرمایا ہے کہ (آیتہ) قل
من حرم زینۃ الیٰ اخرج لعیادہ والطیبت من الدرق (الایۃ)
میں دلیل ہے کہ کھانے اور پینے کی تمام چیزیں حلال ہیں۔ سوائے ان کے جن پر
شریعت میں دلیل حرمت قائم ہو۔ کیونکہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام
اشیا میں اباحت ہے۔ مگر جس پر شارح نے ممانعت فرمائی ہو۔ اور اس کی حرمت
دلیل مستقل سے ثابت ہو۔

نیز لکھا ہے کہ کھانے پینے کی لذیذ چیزیں مسئلہ آیت اپنے عموم پر ہے۔ ہر
کھانے کی چیز اس میں داخل ہے جس کی حرمت پر نص وارد نہ ہو۔ (خازن) تو جو لوگ
توشہ گیارہویں میلاد شریف۔ بزرگوں کی فاتحہ عرس۔ مجالس شہادت وغیرہ کی
شرینی سبیل کے شربت کو ممنوع کہتے ہیں۔ وہ اس آیت کا خلاف کر کے گنہگار ہوئے
ہیں۔ اور اس کو ممنوع کہنا اپنی رائے کو دین میں داخل کرنا ہے اور یہی بدعت ضلالت
ہے۔ (ص ۲۶)

صدر الافاضل رحمہ اللہ نے اپنی اس تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ حلال
اشیاء کو حرام کہنے کی بدعت دیوبند نے اختراع کی ہے اور مبتدعین دیوبند

لہ اباحت کے معنی ہیں کسی کام کا جائز ہونا۔

کے فریب کی انتہا یہ ہے کہ انہوں نے اپنی بدعتوں کو سنت کا نام دے دیا اور اس طرح بزرگم خولش محاسبہ سے بری ہو گئے۔ اور اپنی بدعات کی پردہ پوشی کے لئے اہل سنت کو بدعتی کہنا شروع کر دیا۔ اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ سرفراز نے کیا ہے۔ سمجھتے ہیں۔

اہل بدعت اپنے حلوے۔ مانڈے کے لئے آئے دن جو نئی نئی بدعات ایجاد کرتے رہتے ہیں۔ ان پر ان کے پاس کوئی شرعی دلیل تو موجود نہیں بلکہ دلائل شرعیہ۔ ان تمام اختراعات کا قلع قمع کرنے کیلئے کافی اور وافی ہیں۔ جب اہل بدعت ان اختراعات پر براہین سے قاصر رہے۔ تو انہوں نے پہلوانوں کی طرح پیٹرا بدل کر اس مسلک کی تائید و اشاعت شروع کر دی کہ کھانے اور پینے کی چیزوں میں اصل تو ہے ہی اباحت۔ لہذا گیارہویں ہو یا تو شہر شربت کی سبیل ہو یا مجالس شہادت وغیرہ کے لذیذ کھانے یہ سب حلال ہیں اور عوام کو یہ باور کرانے کے لئے اس تحریر سے بھی کوئی گویز نہ کیا۔ کہ یہ قاعدہ مقررہ مسلمہ ہے کہ اصل تمام اشیاء میں اباحت ہے۔ اور اس لئے ہم بھی ذرا وضاحت سے یہ بیان کرنا چاہتے ہیں کہ ان کے یہ تمام دعوے بے حقیقت اور صرف نمائشی ہیں (تفقیدین ص ۲۰۸)

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے۔ وہ سب حق و صواب ہے۔ تفاسیر

معتبرہ کے مطابق ہے۔ اور جن آیتوں سے حضرت نے اباحہ اصلیہ کا استنباط کیا ہے۔ ان سے باقی مفسرین بھی اباحت کا استنباط کرتے ہیں۔ پھر سرفراز صاحب نے اگر اس پر تبرا کرنا تھا۔ تو تمام اکابر مفسرین پر کرتے۔ حضرت صدر الافاضل کو سب و شتم کے ساتھ کیوں خاص کیا ہے۔ ہمیں اس کی وجہ اس کے سوا اور کوئی سمجھ نہیں آتی کہ چونکہ صدر الافاضل نے دیوبندی بدعات اور توہین رسول پر مشتمل عبارتوں کا محاسبہ کیا ہے۔ اس لئے ان کا قلم رگ و ہابیت میں نشتر کی طرح چبھتا ہے۔ ورنہ یہ سب کچھ تو دوسرے مفسرین نے بھی بیان فرمایا ہے۔

امام رازی متوفی ۶۰۶ھ فرماتے ہیں -

واعلم ان قولہ کلوا و شربوا مطلق
یتناول الاوقات والاحوال و
یتناول جمیع المطعومات والمشروبات
فوجب ان یکون الاصل فیہا هو
الحل فی کل الاوقات و فی کل
المطعومات والمشروبات الا
ما خصه الدلیل المنفصل و
العقل ایضاً مریداً لان الاصل
فی المنافع الحل والاباحتا -

جان لو کہ اللہ تعالیٰ کا قول کلوا و شربوا -
(کھاؤ پیو) مطلق ہے۔ جو تمام اوقات
اور احوال کو شامل ہے اور اسی طرح
تمام کھانے پینے کی چیزوں کو محیط ہے
پس چاہئے کہ تمام چیزوں کو ہر وقت
اور ہر حال میں کھانا جائز ہو۔ مگر جس
کو کسی دلیل شرعی نے حرام کر دیا ہو
اور عقل بھی اس کی مؤید ہے کیونکہ اصل تمام
منافع میں حلت اور اباحت ہے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۲۰۱)

غور فرمائیے۔ صدر الافاضل رحمہ اللہ کو سرفراز صاحب اس لئے کوس رہے
تھے کہ انہوں نے اباحتِ اصلیہ سے گیارہویں وغیرہ کی اباحت پر استدلال کیا
تھا۔ لیکن اب امام رازی کے بارے میں کیا ارشاد ہوگا۔ جنہوں نے اس اباحت
اصلیہ کے قانون سے کھانے پینے کی ہر چیز کو جائز قرار دیا ہے اور یہ صرف
امام رازی کی انفرادیت نہیں بلکہ تمام آئمہ اور مفسرین کا یہی حال ہے کیا آپ
کے خیال میں یہ تمام کے تمام پیٹو اور کھانے پینے کے رسیا ہیں کاش آپ نے اپنے
گریبان میں بھی جھانکا ہوتا۔ آپ کے پیٹ میں تو دنیا کی ہر حرام چیز پہنچ چکی
ہے۔ خواہ دیوالی کی پوریاں ہوں یا زراغ معروف حیرت ہے کہ جو لوگ کوڑوں
تک کو نہیں چھوڑتے۔ ہندو جن کے برتنوں کو کتے چاٹتے ہیں۔ ان کے ہاتھ کا
پکا ہوا بھی معاف نہیں کرتے وہ دوسروں کو کھانے پینے کا طعنہ دیتے ہیں۔ باقی
رہا آپ کا یہ کہنا کہ گیارہویں وغیرہ پر کوئی دلیل شرعی نہیں۔ تو کاش اصول التالشی
اور نور الانوار ہی آپ نے پڑھا ہوتا تو آپ کو پتہ چلتا کہ اباحتِ اصلیہ خود

دلیل شرعی ہے۔ اس کے علاوہ بھی علماء اہلسنت نے اس مسئلہ پر اپنی تصنیفات میں وافر دلائل پیش کئے ہیں اور ہم نے بھی اس کتاب کے تیسرے باب میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔

علامہ بیضاوی قل من حرم زینۃ اللہ الیہا کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

وفیہ دلیل علی ان الاصل فی المطاع والملا بس وانواع التجملات الاباحۃ۔ اور اس آیت میں اس پر دلیل ہے کہ کھانے پینے کی اچھی چیزوں میں اباحت اصل ہے۔

اب آپ کس کس کو کوسے گا؟ یاد رکھئے کہ میدان استدلال میں صرف دلائل کام آتے ہیں۔ عورتوں کی طرح کوسنے سے کام نہیں چلتا۔

سرفراز صاحب نے تفسیر احمدی اور درمختار اور تفسیر احمدی کے حوالے | درمختار کے حوالے سے کریم خورشید

یہ ثابت کیا ہے۔ کہ اباحت اشیاء ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اور جمہور فقہاء اصل میں اشیاء کی حرمت کے قائل ہیں۔ اور معتزلہ اباحت کے۔ چنانچہ سمجھتے ہیں۔ الغرض یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ اور جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں اور اباحت معتزلہ کا قول ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۰)

اور اس عبارت سے سرفراز صاحب عوام کو یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اباحت صرف معتزلہ کا قول ہے اور اہل سنت خصوصاً احناف کا یہ مسلک نہیں ہے۔ اس کے بعد سمجھتے ہیں۔

” اور کوفیوں کا جن میں حضرت امام ابوحنیفہ بھی ہیں یہ مسلک ہے کہ

اصل اشیاء میں حرمت ہے۔ (تنقید متین ص ۲۰۹)

سرفراز صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ محض جھوٹ اور افتراء ہے چونکہ دیوبندی مذہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر ہے۔ اس لئے وہ بغیر خوف آخرت کے جھوٹ

بولتے ہیں اور بے تحاشا بولتے ہیں۔ ان کے اس کلام میں جھوٹ کے علاوہ خیانت کا بھی بڑا حصہ موجود ہے۔ دیکھئے تفسیر احمدی کے جس حوالہ سے انہوں نے اباحت کو ایک فرقہ کا مسلک ظاہر کیا ہے۔ اسی صفحہ پر اسی عبارت سے متصل یہ عبارت ہے۔ جو ان کی خان نگاہ نظر نہ آئی۔

ملا جیوں فرماتے ہیں۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کا ثمرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا کہ طعام کو نہ بیجو۔ مگر برابر برابر پس ہم احسان اہلسنت کے نزدیک سود میں اصل اباحت ہے حتیٰ کہ جب قدر اور جنس نہ ہوں تو زیادتی جائز ہوگی اور حرمت تب ثابت ہوگی جب تمام شرائط پائی جائیں اور امام شافعی کے نزدیک ہر حال میں اصل حرمت ہے۔

ولا یظہر ثمرتہ الا فی قولہ
علیہ السلام لا تبیعوا الطعام
الاسواء لبوا فان عندنا الاصل
هو اباحة الربوا حتی یعفوا
عنه عدم القدر والعجنس و
انما ثبت الحرمة اذا وکل
جميع الشرائط وعند الشافعی
الاصل هو الحرمة فی کل
حال فی باب الربوا۔

(تفسیر احمدی ص ۱۳)

اس حوالہ کے سامنے آجانے سے یہ ظاہر ہو گیا کہ احناف اہلسنت کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے اور ساتھ ہی سرفراز صاحب کی خیانت کا راز بھی فاش ہو گیا۔

اس کے بعد ہم سرفراز صاحب کے تحریر کردہ حوالہ درمختار کو بھی قارئین کی عدالت میں پیش کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا صحیح مذہب یہ ہے کہ اصل اشیاء میں توقف ہے اور اباحت معتزلہ کا قول اور رائی ہے۔

الصحیح من مذہب اہل
السنت ان الاصل فی الاشیاء
التوقف والاباحتہ رای المعتزلتہ۔

(تنقید متین ص ۲۱۰)

در مختار کی یہ عبارت قطعاً باطل اور مردود ہے۔ علامہ شامی نے رد المختار میں اس کو چار وجوہ سے رد کر دیا ہے۔ اور پٹے ہوئے مہروں کو میدان استدلال میں پیش کرنا گکھڑ کے غازیوں سے ہی متصور ہو سکتا ہے۔ ہم ذیل میں اس عبارت کے بطلان کی چوتھی وجہ پیش کر رہے ہیں۔

چوتھی وجہ یہ ہے کہ اباحت کی نسبت معتزلہ کی طرف کرنا کتب اصول کے مخالف ہے۔ کیونکہ امام ابن ہمام تحریر میں فرماتے ہیں۔
 جمهور حنفیہ اور شافعیہ کا مسلک اباحت ہے اور علامہ اکمل نے اصول بزودی کی شرح میں فرمایا۔ ہمارے اکثر اصحاب (احناف) اور اکثر اصحاب شافعی کا مذہب ہے کہ اشیاء میں ورود شرع سے پہلے اباحت تھی اور یہی ان میں اصل ہے۔ یہاں تک کہ جس شخص تک شریعت نہیں پہنچتی تو اس کے لئے جو وہ چاہے کھانا مباح ہے اور اسی بات کی طرف امام محمد نے اکراہ میں اشارہ جہاں وہ

الرابع ان نسبة الاباحۃ
 الی المعتزلتہ یخالف لہما فی
 کتب الاصول ففی تحریر ابن
 الہمام المختار الاباحتہ
 عند جمهور الحنفیہ و
 الشافعیۃ اذ فی شرح اصول
 البزودی للعلامۃ الاکمل اکثر
 اصحابنا و اکثر اصحاب الشافعی
 ان الاشیاء التی یجوز ان یراد
 الشرع باباحتہا و حرمتہا قبل
 ورودہ علی علی الاباحتہ
 وہی الاصل فیہا حتی اسیح
 لمن لو یبلغہ الشرع ان
 یا کل ما شاء والیہ اشاد
 محمد فی الاکراہ حیث
 قال اکل المیت و شرب
 الخمر لو یجر ما الا بالذہی

فرماتے ہیں مردار اور شراب کو نہی نے
حرام کر دیا۔ پس انہوں نے اباحت کو
اصل قرار دیا۔ اور حرمت کو نہی سے معارض
ٹھہرایا۔ اور جبائی۔ ابو ہاشم اور غیر
مقلدین کا بھی یہی قول ہے۔ البتہ بعض
حنفیہ، بعض شوافع اور معتزلہ بغداد کا
مسک یہ ہے کہ اصل اشیاء میں حرمت
ہے۔ اور اشعریہ اور عام محدثین کا مسک
توقف ہے۔

فجعل الاباحۃ اصلا و
المحرمة بعارض النهی وهو قول
الجبائی وابی ہاشم و اصحاب
الظاهر و قال بعض اصحابنا
و بعض اصحاب الشافعی و
معتزلت بغداد انھا علی
الحظر و قال الاشعریون
و عاتتا اهل الحدیث
انھا علی الوقف۔

دیوبندی مسک کا فریب اب کسی شخص سے بھی مخفی نہیں رہا۔
مردود اور باطل قول پر اپنے مسک کی عمارت قائم کر کے سرفراز صاحب
نے ارباب فہم کے لئے یہ روشنائی بہم پہنچائی ہے۔ کہ ان کا مذہب
بھی ایسا ہی باطل ہے جس طرح وہ قول مردود ہے۔ جس کی بنیاد پر
انہوں نے جھوٹ کا یہ مینار کھڑا کیا ہے۔

بہر نوع علامہ شامی کی اس تحقیق سے یہ امر واضح ہو گیا کہ اکثر اہل
سنت اور اکثر شافعیہ کے نزدیک اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ البتہ
بعض حنفیہ اور بعض شافعیہ اس طرف گئے ہیں کہ اصل حرمت ہے اور
سرفراز صاحب نے ان بعض کے قول کو جہور اہل سنت احناف کے
سرمندہ کی ناپاک کوشش کی ہے۔ اننا للہ وانا الیہ
سراجعون۔

علامہ محب اللہ بہاری فرماتے ہیں۔

اصل افعال میں اباحت ہے
جس طرح اکثر احناف اور

ان اصل الافعال
الاباحتہ کما ہو مختار اکثر

الحنفية و الشافعية
او الحظر كما ذهب
اليه غيرهم۔
شوافع کا مسلک ہے یا حرمت
جو بعض دوسرے لوگوں کا
مذہب ہے۔

(مسلم الثبوت ص ۲۱)

لیجئے اب ہم خود سرفراز صاحب کے کلام سے منوائے دیتے ہیں
کہ اکثر احناف و شوافع کا مسلک اباحتِ اصلیہ ہے۔
دیکھئے وہ دیکھتے ہیں۔

”اس حوالہ سے معلوم ہوا کہ اباحت کا قول صرف اکثر احناف
و شوافع کا قول ہی نہیں بلکہ بصرہ کے معتزلہ کا قول بھی ہے اور
حرمت کا مذہب بعض احناف اور شوافع اور بغداد کے معتزلہ
کا قول ہے۔“ (باب جنت ص ۹۰)

شکر ہے کہ آپ نے قبول تو کیا کہ اباحتِ اصلیہ اکثر احناف و شوافع
کا مذہب ہے ورنہ اب تک تو آپ تنقید متین میں یہی ڈفلی بجا رہے
تھے کہ جمہور حرمت اور توقف کے قائل ہیں۔ اور اباحت صرف معتزلہ
کا قول ہے۔

رہا یہ امر کہ بعض معتزلہ نے بھی اباحت کا قول کیا ہے انہوں نے کیا کریں
اب کیا ہم خدا کو ایک ماننا اس لئے چھوڑ دیں کہ معتزلہ بھی خدا کو وحدہ
لا شریک مانتے ہیں؟

سرفراز صاحب کی دوسری تحریف
ورودِ شرع سے قبل کی تحقیق

ملاحظہ فرمائیے۔

لکھتے ہیں۔

”و ثانیاً اشیا کی اباحت و حرمت وغیرہ کا یہ اختلاف ورودِ شرع
کے بعد سے متعلق نہیں بلکہ قبل سے ہے۔ یعنی زمانہ فترت اور

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جب کہ اصل شریعت
حتمت چکی تھی اور صحیح دلائل لوگوں کے پیش نظر نہ تھے۔ تو اس
دور کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت
تھی یا حرمت یا توقف الی ان قال لهذا آنحضرت صلی اللہ علیہ
وسلم کی بعثت کے بعد اباحت وغیرہ کے اس مختلف فیہا قاعد
سے استدلال کرنا خالص جہالت اور نری خیانت ہے۔

(تنقید متین ص ۲۱۰)

راہ سنت سرفراز صاحب نے فواح الرحموت کی جو عبارت اس
موضوع پر نقل کی ہے۔ اسے بھی ہم پیش کئے دیتے ہیں۔

وانما هذا ای القول
بالاباحة الاصلية على زمان
الفترة قبل شريعتها یعنی اذلا
اباحة حقيقة بل بمعنى نفی
الحدج ولعل المراد من الافعال
ما عدا الكفر ونحوه
فان حرمتها في كل شرع بين
ظهورها تماما۔

اور یہ بات یعنی اباحت اصلیہ کا قول
ہماری شریعت سے قبل زمانہ فترت
پر محمول ہے۔ اور اباحت بھی باہیں معنی
کہ حرج کوئی نہ ہوگا۔ اور شاید کہ مراد
افعال سے کفر وغیرہ کے علاوہ ہے کیونکہ
کفر وغیرہ کی حرمت پر ایک شریعت
میں واضح اور غیر مبہم طور پر بیان
کی گئی ہے۔

(راہ سنت ص ۱۰۶)

نبی علیہ السلام کی بعثت سے پہلے زمانہ فترت میں اشیاء کے بارے
میں علماء اہل سنت کا اختلاف ہے کہ وہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع
ان میں اصل توقف ہے اور اس کی توضیح علامہ عبدالعلی کے کلام سے ہو گئی
ہے لیکن اس اختلاف کے باوجود علماء اہل سنت نے زمانہ فترت میں ورود
شرع سے قبل کسی قسم کے حکم کو نہیں مانا۔ پس علماء اہل سنت کا اس میں اختلاف

ہے کہ اشیاء اصل میں مباح تھیں یا ممنوع۔ لیکن وہ اس زمانہ کے لوگوں کو اباحت یا حرمت کے حکم سے مکلف نہیں کرتے بخلاف معتزلہ کے کیونکہ وہ زمانہ فترت میں بھی اباحت وغیرہ کا حکم مانتے ہیں اور اس دور کے لوگوں کو اس حکم کا مکلف سمجھتے ہیں۔ سرفراز صاحب نے اپنی کم فہمی یا کج فہمی سے جو کچھ سمجھا ہے وہ خالص معتزلہ کا مذہب ہے۔ علماء اہل سنت میں سے اکثر احناف اور شوافع کا مسلک یہ ہے۔ کہ ورود شرع سے قبل اشیاء میں اصل اباحت تھی۔ لیکن اباحت کا حکم ورود شرع کے بعد ہوگا۔ یعنی ورود شرع کے بعد جب کسی شئی پر وجوب یا حرمت کی دلیل نہ پائی جائے۔ تو اس کا نہ پایا جانا ہی اس شئی کے مباح ہونے کی شرعی دلیل قرار پائے گا۔ اور اب شرعاً اباحت کا حکم ثابت ہو جائے گا۔ فواتح الرحموت کا جو حوالہ پیش کر کے سرفراز صاحب نے اپنی فطری کم فہمی کی وجہ سے یہ سمجھا تھا۔ کہ اباحت اصلیت کا حکم ورود شرع سے پہلے ثابت ہوتا ہے۔ اسی فواتح الرحموت میں اس امر کی تصریح ہے کہ اباحت اصلیت کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا ہے ورود شرع سے قبل اباحت کا حکم ثابت کرنا معتزلہ کا مذہب ہے۔

دیکھئے مولانا عبدالعلی بصر العلوم فرماتے ہیں۔

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ وہ	الاباحت حکم شرعی لانه
شرع کا ایسا خطاب ہے جس میں	خطاب الشرع تخییراً والخطاب
کرنے نہ کرنے کا اختیار ہے اور	هو الحکم الشرعی (والاباحت
اباحت اصلیت اسی خطاب اختیاری	الاصلیة نوع منه) ای من
کی ایک قسم ہے کیونکہ وہ ہر شے	الخطاب بالتخییر ولانه
جس میں فعل یا ترک پر ضرر کی کوئی	کل ما عدم فیہ المدرك
شرعی دلیل نہ پائی تو نہ لایا جاتا ہی	الشرعی للحدج فی فعله

وتركه فذالك) ای عدم المدرك
الشرعی (مدرك شرعی بحکم الشرع
بالتخییر) والاباحۃ الاصلیة
لا یكون الا فی موضع عدم المدرك
الشرعی للحدج فی الفعل او الترك
بل لحکم بخصوصه اصلا فهناك
مدرك شرعی للحکم بالتخییر
فالاباحۃ الاصلیة فیها حکم
بالتخییر رفی لا تكون الا بعد
الشرع خلا للمحتزلة) فانهم
یقولون بالاباحۃ وغیرها من
الاحکام قبل الشرع -

مانتے ہیں۔

(فواتح الرحموت ص ۵۶)

مسلم الثبوت اور اس کے شارح بحر العلوم کے کلام سے یہ
حقیقت روشن ہو گئی۔ کہ اباحتہ اصلیتہ کا حکم ورود شرع کے بعد ثابت ہوتا
ہے۔ اور سرفراز صاحب جس مذہب کو پیش کر رہے ہیں۔ کہ یہ حکم ورود
شرع سے پہلے ثابت تھا۔ یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہم شروع کتاب
سے یہ کہتے چلے آ رہے ہیں۔ کہ دیوبندی مذہب معتزلہ سے ماخوذ ہے۔
اور سرفراز صاحب نے اپنے اس قول سے اس حقیقت پر ایک اور
تائید پیش کر دی ہے۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”حافظ عبدالرحمن بن رجب الحنبلی (المتوفی ۹۵، ۷ھ) وغیرہ نے
اس کی تصریح کی ہے کہ ورود شرع سے پہلے اشیاء کی اباحت

و حرمت وغیرہ کا اختلاف اور ہے اور بعد کا اختلاف جدا ہے
اور دونوں کو ایک قرار دینا بالکل غلط ہے۔ (جامع العلوم و

الحکم ص ۲۴۹ (باب جنت ص ۹۳)

اور یہی بات ہم کہنا چاہتے ہیں کہ ورود شرع سے پہلے کا اختلاف
اور چیز ہے اور اس میں نہ ہماری گفتگو ہے اور نہ ہماری بحث۔ ہماری
گفتگو تو ورود شرع کے بعد ہے کہ جب بالخصوص کسی چیز پر حلت و حرمت
کی دلیل نہ پائی جائے تو اس کا نہ پایا جانا ہی اس کے مباح ہونے کی دلیل
شرعی ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی مسلم الثبوت اور فوارح الرحموت کی عبارات اس
کے ثبوت میں پیش کر چکے ہیں اور یہی صدر الافاضل رحمہ اللہ کا بھی مطلب ہے
جسے آپ نے اپنی خواہش نفسانی کی بھینٹ چڑھانے کی ناکام کوشش کی
ہے۔ اس سے پہلے ہم نے جن مفسرین کے حوالے پیش کئے تھے ان کا
بھی مطلب یہی ہے۔ لیکن اس کو سمجھنے کے لئے علم کی ضرورت ہے اور
افسوس ہے کہ یہی چیز آپ کے پاس نہیں ہے۔

اب ہم اس حقیقت
ورود شرع کے بعد اباحت پر دلائل | کو مزید دلائل سے

ثابت کرتے ہیں۔ کہ جس چیز کی حرمت وغیرہ پر حکم نہ لگایا ہو اس میں اصل
اباحت ہے۔ اور دلیل کا نہ پایا جانا ہی حکم اباحت کی دلیل شرعی ہے۔

ملاحظہ فرمائیے حدیث شریف میں ہے۔

عن ابی ثعلبۃ الخشنی قال قال	ابو ثعلبہ خشنی سے مروی ہے کہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
وسلم ان اللہ فرض فرائض	نے فرمایا کہ اللہ نے چند چیزوں
فلا تضیعوها وحرم حرمانات	کو فرض کیا۔ پس ان فرائض کو
فلا تنتھکوا	مت صنائع کرو۔ اور کچھ چیزیں حرام کر

دیں پس ان محرمات کی پردہ دری مت کرو۔ اور بعض چیزوں کی حدود مقرر فرمائیں پس ان حدود سے تجاوز مت کرو اور باقی اشیاء سے اللہ تعالیٰ نے بغیر نسیان کے سکوت فرمایا پس ان میں بحث مت کرو۔

وحد حدودها فلا تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنہا۔

(مشکوٰۃ ص ۳۲)

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

نبی علیہ السلام کا ارشاد "باقی چیزوں سے بحث مت کرو" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔

ای لا تفتشوا عن تلك الاشياء دل علی ان الاصل فی الاشياء الاباحۃ کقولہ تعالیٰ هو الذی خلقکم ما فی الارض

(مرقاۃ ج ۱ ص ۲۶۳)

جمیعا۔

نیز فرماتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کچھ چیزیں کھاتے اور کچھ کراہت سے چھوڑ دیتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث فرمایا اور اپنی کتاب نازل فرمائی جس نے حلال کو حلال کر دیا اور حرام کو حرام۔ پس جسے اللہ نے حلال کیا وہ حلال ہے۔ جسے حرام کیا وہ حرام ہے اور جس سے اللہ نے سکوت فرمایا وہ معاف ہے

عن ابن عباس قال کان اهل الجاہلیۃ یا کلون اشیاء ویترکون اشیاء تقدرا فبعث اللہ نبیہ وانزل کتابہ واحل حلالہ وحرم حرامہ فما حل فهو حلال وما حرم فهو حرام وما سکت عنہ فهو عفو

(مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۲)

اس حدیث کی شرح میں شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

از بیجا معلوم ہے شوکہ اصل در اشیا
اباحت است۔
اس جگہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل
اشیا میں اباحت ہے۔

(اشعة اللمعات ج ۳ ص ۴۹)

ایک اور حدیث اس طرح ہے!

عن سلمان قال سئل رسول
الله صلی الله علیہ وسلم
عن السمّن والجبن والفرو
فقال الحلال ما احل
الله فی کتابہ والحرام ما حرم
الله فی کتابہ وما سکت
عنه فهو مما عفا عنه

(رواہ ابن ماجہ و الترمذی)

(مشکوٰۃ ص ۳۶۷)

سلمان سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام
سے روغن پنیر اور پوستین یا زبیرت
کے بارے میں پوچھا گیا۔ آیا حلال ہیں
پس آپ نے فرمایا کہ حلال وہ ہے جس کے حلال
ہونے کا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں
بیان فرمایا اور حرام وہ ہے جس کے حرام
ہونے کا اللہ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا
دیا اور جس چیز سے اللہ نے سکوت فرمایا پس وہ حلال
ہے۔

اس کی شرح میں شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
و این دلیل است بر آنکہ اصل در اشیا
اباحت است۔
یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ اشیا
میں اصل اباحت ہے۔

(اشعة اللمعات ج ۳ ص ۵۰۶)

مذکورہ بالا دلائل سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ اباحت کا حکم بعثت
کے بعد ہوگا اور حرمت وغیرہ کی دلیل کا نہ ہونا ہی اباحت کی شرعی دلیل
ہے۔ اور اسی اباحت شرعیہ سے اصولین اور فقہاء نے استدلال کیا
ہے۔ اب ہم آپ کے سامنے علماء اصولین کے سربراہ امام فخر الاسلام
کی عبارت پیش کرتے ہیں۔ جسے ملا جیون رحمہ اللہ نے تفسیرات احمدیہ
میں نقل کیا ہے۔

وانما جعلنا المبیح اصلاً
والمحرمنا سخائباً علی
زمان الفترة بین عیسیٰ
ومحمد علیہ السلام
قبل شریعتنا فانما کان الایاحتا
اصلاً حیث انشئت نبینا علیہ
السلام یبیین الاشیاء المحرمة و
بقی ما سواها حلالاً مباحاً۔

(تفسیر احمدی ص ۱۲)

ہم نے مبیح کو اصل اور محرم کو ناسخ
اس وجہ سے قرار دیا ہے کہ
حضرت عیسیٰ اور حضور علیہ السلام
کے درمیانی زمانہ فترت میں اشیاء کی
اصل اباحت تھی۔ پھر نبی علیہ السلام مبعوث
ہوئے اور آپ نے بعض اشیاء کی حرمت
بیان فرمائی اور باقی اشیاء اپنی اصل پر
مباح رہیں یعنی اب ان کے لئے اباحت
کا حکم ثابت ہو گیا۔

نبی علیہ السلام کی بعثت کے بعد اباحت اصلیت سے استدلال کرنے
کو سرفراز صاحب نے نری خیانت اور خالص جہالت قرار دیا ہے۔
آئیے اب ہم آپ کے سامنے ان حضرات کی عبارات پیش کریں جنہوں
نے بعثت کے بعد اباحت اصلیت سے استدلال کیا ہے اور یہ وہ ستون ہیں
جن کے کندھوں پر حنفی عمارت قائم ہے۔ یہ اور بات ہے کہ سرفراز صاحب
انہیں نرا خائن اور خالص جاہل سمجھتے ہوں۔ امام فخر الاسلام کی عبارت ہم پہلے
پیش کر چکے ہیں۔ اب خود ملا جیوں کی عبارت ملاحظہ فرمائیے۔

اور اصل میں اباحت یا حرمت کے اختلافات
کا ثمرہ نبی علیہ السلام کے اس ارشاد
پر مرتب ہوتا ہے جس میں آپ نے فرمایا
کہ طعام کو نہ بیچو مگر برابر برابر پس
ہمارے نزدیک اصل میں زیادتی مباح ہے
یہاں تک کہ قدر اور جنس متحد نہ ہونے پر زیادتی
معا ہوگی اور حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب

ولا یظہر ثمرته الا فی
قولہ علیہ السلام لا تبعوا
الطعام الا سواء بسواء فان
عندنا الاصل هو اباحتہ الربوا
حتى یعفو عنہ عدم القدر
الجنس وانما ثبت الحرمة اذا
وجد جمیع الشرائط۔

(تفسیر احمدی ص ۱۳)

اس کی جمیع شرائط پائی جائیں۔

اس استدلال کی وضاحت یہ ہے کہ سود میں حرمت کا سبب احناف کے نزدیک اتحاد قدر اور جنس ہے۔ مثلاً ایک صاع چاول کی بیع ایک صاع چاول کے بدلے میں جائز ہے۔ اور اگر کوئی شخص صاع سے قدر زائد لے گا۔ تو یہ سود ہوگا۔ لیکن اگر ایک صاع چاول کے بدلے میں وہ گندم بیچتا ہے تو اب گندم صاع سے زیادہ دے تو یہ جائز ہے یا نہیں۔

پس فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ اصل میں بیع کے اندر زیادتی جائز تھی۔ شارع نے صرف اتحاد جنس کی صورت میں زیادتی حرام کی ہے۔ پس جنس نہ ہونے کی صورت میں زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اسی طرح اتحاد قدر بھی حرمت میں شرط ہے اور قدر سے مراد معروف اور مقرر قدر ہے۔ لہذا صاع کے بدلے صاع میں تو زیادتی حرام ہے لیکن اگر قدر معروف نہ ہو۔ اور ایک مٹھی کے بدلے دو مٹھیاں لی جائیں۔ تو یہ زیادتی جائز ہے۔ کیونکہ زیادتی اصل میں مباح تھی شارع علیہ السلام نے قدر مخصوص میں زیادتی حرام کی۔ پس یہ زیادتی اپنی اصل پر مباح رہے گی۔ اب آپ غور فرمائیے کہ اباحت اصلیہ سے یہ استدلال بحت سے قبل ہے یا بعد۔

ملا جیون رحمہ اللہ اس حدیث کے بیان میں فرماتے ہیں۔

اور ہم احناف اہل سنت اس حدیث کو اس طرح بیان کرتے ہیں کہ طعام کی طعام کے ساتھ کسی حال میں بیع نہ کرو مگر حال مساواة میں اور کل تین حال ہیں۔ ایک بغیر پیمائش کے اندازے سے بیچنا دوسرا

ونقدر هكذالاتباعو
الطعام بالطعام في حال من
الاحوال الا في حال المساواة
والاحوال ثلثه وهي
المساواة والمفاضلة
والمجازفة وكلها احوال

زیادتی سے بیچنا تیسرا مساواة سے
پس پہلے دو حرام ہیں اور آخری
حلال ہے اور طعام قلیل کا ذکر نہ
مستثنیٰ میں ہے، نہ مستثنیٰ منہ میں۔ پس
قیل اپنی اصل پر رہا۔ اور وہ اباحت
اصلیہ ہے پس ایک مٹھی کی بیع ایک مٹھی
اور دو مٹھی دونوں کے ساتھ ہو سکتی ہے

الکثیر فتحل منه المساواة
وتحرر المفاضلة والمجازفة
والقیل غیر متعرض به اصلا
لان فی المستثنی ولا فی المستثنی
منه فبقی علی الاصل الذی هو
الاباحتہ فیجوز بیع الحفنة
وکذا بالحفنتین۔

(نور الانوار ص ۲۳۲)

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

جب نصال کفارہ کو جمع کر لیا جائے
تو ماموریہ کا حصول تو صرف ایک صورت
میں ہوگا اور باقی نصال کا جائز ہونا اباحت
اصلیہ کی بنا پر ہے۔ حتیٰ کہ اگر اباحت
اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

اذا جمع بین نصال الکفارة
فان الاتیان بالماموریه انما
یکون فی واحدہ منہما و
جو از غیرہا انما ہو بحد اباحتہ
الاصلیة حتی لو لو یکن لم یجذ۔

(تلویح ص ۳۰۲)

اس استدلال کی توضیح یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قسم کے کفارہ میں فرمایا
کہ دس مساکین کو کھانا کھلایا جائے یا انہیں کپڑے پہنائے جائیں یا غلام
آزاد کیا جائے اب ان تین میں سے کسی ایک پر عمل کر لیا جائے تو کفارہ
ادا ہو جائے گا۔ لیکن اگر کوئی باقی دو پر بھی عمل کرنا چاہے تو جائز ہے یا نہیں
علامہ تفتازانی فرماتے ہیں۔

چونکہ اشبار میں اصل اباحت ہے۔ اس لئے باقی پر عمل کرنا بھی جائز
ہے۔ اور اگر اباحتہ اصلیہ نہ ہوتی تو جائز نہ ہوتا۔

دیوبندی شہادت | اور سب کو چھوڑیے۔ سرفراز صاحب کے حکیم

الامت صاحب لکھتے ہیں۔

”اصول شرعیہ میں سے اور تیز قواعد عقلیہ میں سے یہ امر مسلم ہے کہ جو فعل نہ مامور بہ ہو نہ منہی عنہ یعنی نصوص شرعیہ میں نہ ان کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ہو ایسا امر مباح ہوتا ہے۔“ (بحوالہ باب جنت ص ۱۲۲) (طریقہ مولود ص ۱۲)

اب بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اہلیہ ورود شرع سے پہلے کی ہے یا بعد کی۔ ورود شرع کے بعد جن مخصوص اشیاء کا نہ امر کیا گیا ہو نہ ان سے روکا گیا ہو۔ ان میں اصل اباحت اور محتانوی صاحب کے نزدیک یہ اباحت مسلم ہے اور عقلی و نقلی دلیل سے ثابت ہے اب یا تو محتانوی صاحب کو جاہل بنائیے۔ اور اس امر مسلم کا انکار کیجئے یا اپنی جہالت کا اعتراف کر کے حق کی طرف رجوع کیجئے اور سرفراز صاحب کا یہ کہنا کہ اہل سنت کے معمولات کی نصوص شرعیہ سے ممانعت ثابت ہے۔ تو گذارش ہے کہ گیارہویں کے ایصال طلب۔ سوئم۔ اور عرس اور میلاد وغیرہ کسی ایک کی ممانعت پر ہی آپ نصوص شرعیہ تو الگ ہے۔ ایک ہی نص شرعی پیش کر دیجئے۔ چشم مارو شن دل ماشاد۔ اس کے برخلاف ہم ان میں سے ہر ایک کے نفس نبوت پر نصوص شرعیہ پیش کر چکے اور شرعی کلمہ کے افراد کو بدعات میں داخل کرنا انتہائی جہالت اور گمراہی ہے۔

مختانوی صاحب لکھتے ہیں۔

”عمل مولود شریف بہ ہیئت و قیود مخصوصہ ظاہر ہے کہ نہ کسی دلیل شرعی سے مامور بہ ہے اور نہ کسی دلیل شرعی سے

ممنوع تو فی حد ذاتہ مباح ٹھہرا۔ (طریقہ مولود ص ۱۳)

اس پر سرفراز صاحب کہتے ہیں۔

حضرت تھانوی نے کیا صرف عمل مولود خریف کو بقیود مخصوصہ مباح کہا ہے یا سب چیزوں کو مفتی صاحب ایک آدھ چیز کے مباح ہونے سے اشیاء کی اباحت جو۔ آپ کا مدعی ہے کیسے ثابت ہوا۔ (باب جنت ص ۲۵)

شکر ہے سرفراز صاحب۔

کہ آپ نے ورود شرع کے بعد ایک آدھ چیز میں تو اباحت مان لی۔ ورنہ پہلے تو آپ مطلقاً انکار کئے جا رہے تھے۔ اگرچہ آپ کو تھانوی صاحب کی عبارت میں اباحت اصلیبہ کا کلیہ سمجھ میں نہیں آیا بہر حال ہم سمجھائے دیتے ہیں۔ ہمارا مدعا یہ ہے کہ ورود شرع کے بعد جن اشیاء مخصوصہ کا حکم ہو۔ نہ ان سے ممانعت ہو۔ تو ان میں اصل اباحت ہے اور اسی کلیہ کو تھانوی صاحب نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے کہ جو فعل نہ مامور ہو نہ منہی عنہ ہو۔ نصوص شرعیہ میں نہ اس کے کرنے کی ترغیب اور نہ اس کے کرنے کی ممانعت ایسا امر مباح ہوتا ہے۔ (طریقہ مولود ص ۱۴)

بتلائیے سرفراز صاحب۔ یہ ایک آدھ امر کی اباحت ہے یا اباحت

کا قاعدہ کلیہ ہے۔ اور اسی کلیہ سے تھانوی صاحب نے عمل مولود کی اباحت پر استدلال کیا ہے۔ کہیے سرفراز صاحب اب بھی آپ کی سمجھ میں اباحت اصلیبہ آئی یا کیا کچھ کسر باقی رہ گئی ہے۔ اور یہ ہیں سرفراز صاحب کے شیخ الاسلام مولوی شبیر احمد عثمانی۔ یا ایہا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء کی تفسیر میں نکھتے ہیں!

جو چیزیں شارع نے تصریحاً بیان نہیں فرمائیں۔ ان کے متعلق فضول

اور دور از کار سوالات مت کیا کرو۔ جس طرح تحلیل و تحریم کے سلسلہ میں شارع کا بیان موجب ہدایت و بصیرت ہے۔ اس کا سکوت بھی ذریعہ رحمت و سہولت ہے۔ خدا نے جس چیز کو کمال حکمت و عدل سے حلال و حرام کر دیا۔ وہ حلال یا حرام ہو گئی اور جس سے سکوت کیا اس میں گنجائش اور توسیع رہی۔ مجتہدین کو اجتہاد کا موقعہ ملا۔ عمل کرنے والے اس کے فعل و ترک میں آزاد رہے۔
اس کے بعد لکھتے ہیں۔

چنانچہ اسی سے بعض علماء اصول نے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ (حاشیہ قرآن ص ۱۶۱)

بتلائیے سرفراز صاحب کہ یہ اباحت اصلیه و رواد شرع سے پہلے ہے یا بعد؟ آنکھیں کھول کر غور و فکر سے اس عبارت کو پڑھیں کہ عثمانی صاحب اس چیز کو اباحت اصلیه میں شامل کر رہے ہیں۔ جس کا شارع نے خصوصاً بیان نہیں کیا اور اس میں عمل کرنے والوں کو فعل و ترک میں آزاد قرار دے رہے ہیں۔

اب آپ کی مرضی ہے کہ خود جاہل بنیں یا اپنے اکابر کو جاہل بنائیں ہم نے ہر حال مسئلہ کی تمام پہلوؤں سے تحقیق کر کے اسے واضح کر دیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (امین)
سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

» ثالثاً مولوی نعیم الدین صاحب کا یہ کہنا کہ وہی چیزیں حرام ہیں جن پر دلیل حرمت قائم ہو۔ بجا ہے۔ مگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ جن امور کی اباحت کا دعویٰ کیا جائے گا۔ ان کی اباحت پر بھی دلیل شرعی درکار ہے۔ نرے لفظوں کی تشبیہ بازی سے اباحت بھی ہرگز ثابت نہیں ہوتی اور نہ ہو سکتی ہے و رواد شرع کے بعد مباح کے بارے میں یہ نظریہ اور خیال رکھنا

کہ وہ بلا کسی شرعی دلیل کے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے اور اباحتِ اصلیہ اس کے لئے سہارا اور ٹیک ہے۔ نری خام خیالی اور شیخ چلی کا پلاؤ ہے علماء اسلام نے اس کی تصریح کی ہے۔ کہ مباح کے اثبات کے لئے بھی دلیل شرعی درکار ہے۔

چنانچہ مشہور اصولی ملاحظہ اللہ بہاری الحنفی لکھتے ہیں۔

الاباحۃ حکم شرعی لانہ
خطاب الشرع تخییراً۔
(مسلم الثبوت ص ۲۵) (تنقید متین ص ۲۱۱)

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ اباحت شرع
کا خطاب ہے جس کے کرنے نہ کرنے
کا حکم دیا ہے۔

مسلم الثبوت ص ۲۵ کی جو عبارت

سرفراز صاحب نے پیش کی ہے۔

سرفراز صاحب کی خیانت

اس کے بعد متصلاً جو عبارت تھی۔ اس کو سرفراز صاحب صاف ہضم کر گئے کیونکہ اگر اس عبارت کو پیش کر دیتے تو ساری دیوبندیت پیوند زمین ہو جاتی اور اہل سنت کو سب و شتم کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا اب ہم مسلم الثبوت کی پوری عبارت کو قارئین کی عدالت میں پیش کئے دیتے ہیں۔

اباحت حکم شرعی ہے کیونکہ یہ شرع کا تخییری

خطاب ہے اور اباحتِ اصلیہ اس خطاب کی ایک

قسم ہے اس لئے کہ وہ ہر چیز جس میں فعل یا ترک

پر ضرر کی دلیل شرعی نہ پائی جائے پس اس

کا نہ پایا جانا ہی شارع کے حکم اباحت

پر دلیل شرعی ہے پس اباحتِ اصلیہ کا یہ

حکم ثابت نہیں ہوگا مگر درود شرع کے

بعد بخلاف بعض معتزلہ کے۔

الاباحۃ حکم شرعی لانہ خطاب الشرع

تخییراً والاباحۃ الاصلیۃ نوع

منہ لان کل ما عدم فیہ

المدراء الشرعی للحدج فی

فعلہ وترکہ فذالک مدرک

شرعی لحکم الشارع بالتخییر

فی لاتکون الابحد الشرع

خلا ما لبعض المعتزلہ۔

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ محب اللہ بہاری کی عبارت میں خیانت کر کے

سرفراز صاحب نے اپنی جان پر کس قدر ظلم کیا ہے۔ محب اللہ بہاری کی عبارت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ مباح کے لئے علیحدہ دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس اباحت کی دلیل شرعی ہے۔ اور سرفراز صاحب اس عبارت میں خیانت کر کے یہ ثابت کر رہے ہیں کہ مباح کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہوتی ہے اور پھر اسے بنیاد قرار دے کر اہل حق پر سب و شتم کرتے ہیں۔

چہ دلا اور است و زد دے کہ بکف چراغ دارد

اس کے بعد سرفراز صاحب کھتے ہیں۔

رابعاً گیارہویں میلاد۔ تیجہ اور ساتواں کے بارے میں باحوالہ بحث

پہلے عرض کی جا چکی ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۳)

الجواب۔ آپ کی عرض پر بہار اقلیم بہت کچھ کر چکا ہے۔ اب یہ ضد

جانے بھی دیجئے۔ پھر کھتے ہیں۔

اگر خیر القرون میں یہ امور ہوئے ہیں۔ تو صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے

چشم ماروش دل ماشاد۔

صحیح اور صریح حوالے کے بارے میں ہم اس کتاب میں دھار ذقنہم

ینفقون کے تحت کافی گفتگو کر چکے ہیں۔ اب آپ نہیں مانتے تو مزید

سنئے کہ ہم ان امور کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اور گذشتہ سطور میں ثابت کر چکے

ہیں کہ مباح کے لئے مستقل دلیل کی ضرورت نہیں۔ محرم وغیرہ کا نہ پایا جانا ہی اس

کی اباحت کی شرعی دلیل ہے۔ اور آپ جو ان امور کو حرام کہتے ہیں تو حرمت

تو بغیر دلیل شرعی کے ثابت نہیں ہوتی۔ صحیح اور صریح حوالہ درکار ہے

کہ خیر القرون میں ان امور کو حرام قرار دیا گیا ہو اور آپ کی تو خیر

جثیت ہی کیا ہے۔ آپ کے جفاوری قسم کے اجبار بھی ان امور مخصوصہ

کی حرمت پر دلیل شرعی نہ لاسکے۔ اور نہ انشاء اللہ تا قیامت

لا سکیں گے۔ تو پھر یہ فرمائیے کہ آپ نے ان امور کو بغیر دلیل شرعی کے حرام کر کے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب پر کیسے غاصبانہ قبضہ کر لیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلال کردہ کو حرام قرار دے کر گویا خدا اور رسول سے بھی بڑھ گئے۔

پھر لکھتے ہیں۔ ان بدعات کو مباح قرار دینا اور قرآن کریم کی آیات سے ان کو کشید کرنا نہ صرف یہ کہ گمراہی اور گناہ ہے۔ بلکہ تحریف ہے۔ اللہ تعالیٰ بچائے۔

بیشک اللہ تعالیٰ جھوٹوں سے بچائے۔ تحریف کون کرتا ہے۔ یہ بات ان گنت مرتبہ قارئین پر واضح ہو چکی ہے۔ غیر مقلد و مقلدین کا سے آپ کے چچا ہوتے ہیں اور انہوں نے بھی آپ کو رئیس المحرفین کا لقب دیا ہے۔ اب جب کہ آپ کا کنبہ ہی آپ کو محرف کے بجائے رئیس المحرفین کا لقب دے چکا ہے۔ تو آپ اپنی اس جاؤاد کو اس طرح بے قدری سے نہ لٹائیں۔ بزرگوں کے عطیات کی قدر کیا کرتے ہیں۔ انہیں اس طرح پامال نہیں کرتے۔ مھلا ہم تحریف کیا کریں گے۔ ہم تو آئمہ اور سلف کے تابع اور مقلد ہیں۔ ہم نے تو اپنے آپ کو شریعت کے ایک ایک لفظ کا پابند بنا لیا ہے۔ یہ تو آپ کا اور آپ کے آباء کا حصہ ہے۔ مطمئن رہیں۔ ہماری طرف سے آپ کی حق تلفی کبھی نہیں ہوگی

انشاء اللہ!

ایاحت اسلیبہ کی تردید پر عقلی ڈھکوسلے اور ان کے جوابات

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”فرض کیجئے کہ کوئی بدعت پسند پانچ نمازوں کے علاوہ ایک چھٹی نماز ایجاد کرے اور اس کی ہر رکعت میں دو دور کو ع اور

چار چار سجدے ایجاد کرے۔ تو کیا اس اباحتِ اہلیہ کے قانون سے اس نو ایجاد نماز کو بھی جائز کہا جائے گا؟

(راہ سنت ص ۱۰۴)

سرفراز صاحب کی جہالت اور بے خبری حیرت انگیز ہے۔ کئی بار بیان کر دیا گیا کہ اباحتِ اہلیہ سے اس چیز کی اباحت پر استدلال ہوگا جس کی حلت یا حرمت دوسرے دلائل سے ثابت نہ ہو۔ چھٹی نماز کو اباحتِ اہلیہ کی مدد میں لانا نری شعبہ بازی اور مخالطہ آفرینی ہے۔ اولاً اس لئے کہ اسم عدد لفظ خاص ہے۔ اور لفظ خاص اپنے مفہوم میں قطعی ہوتا ہے۔ نہ اس سے کم جائز نہ زیادہ۔ لہذا جب پانچ نمازیں فرض ہو گئیں۔ تو صرف چار نمازوں کو فرض سمجھنا جس طرح باطل ہے اسی طرح چھٹی نماز کو فرض سمجھنا بھی باطل ہوگا۔ ورنہ عدد خاص کی خصوصیت باطل ہو جائے گی۔

ثانیاً اباحتِ اہلیہ سے اگر کچھ ثابت ہوگا تو مباح ثابت ہوگا فرض کیسے ثابت ہو جائے گا۔ کیا یہ حماقت خیزی کی انتہا نہیں ہے کہ آپ اباحتِ اہلیہ سے چھٹی نماز کی فرضیت ثابت کر کے معارضہ کر رہے ہیں۔

ثالثاً اگر چھٹی نماز سے مراد مباح ہے۔ یعنی کوئی اباحت کے درجہ میں چھٹی نماز پڑھے تو گزارش ہے کہ چھٹی تو اپنی جگہ پر ہے۔ کوئی نفلی طور پر چھ سو نمازیں بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ باقی آپ کے نماز میں دو دور کوع اور چار چار سجدہ کو جو اباحت کی مدد میں شامل کیا ہے تو یہ بھی محض جہالت ہے۔ سرفراز صاحب اباحتِ اہلیہ سے استدلال اس چیز پر کیا جائے گا جہاں شارع کا کوئی مخصوص حکم نہ ہو نماز کی مخصوص ہیئت پر تو شارع کے مخصوص احکام موجود ہیں۔ جن میں کسی ترمیم اور تبدیلی کی گنجائش نہیں ہے۔ نماز خواہ نفلی ہو یا واجب اس کے اجزاء ترکیبی اور ہیئت کو شارع نے معین فرما دیا ہے

لہذا جو نماز بھی ہوگی وہ اپنے طریقہ پر ہوگی۔ آپ آخر اس قدر بوکھلا کیوں گئے ہیں۔
سرفراز صاحب کو یہ بھی شکوہ ہے کہ اباحتِ اصلیہ جیبِ مدرکِ شرعی نہ ہونے سے ثابت
ہوتی ہے تو اباحتِ اصلیہ پر آیات و احادیث سے استدلال کیوں کیا جاتا ہے کیا یہ آیات و احادیث
مدرکِ شرک نہیں ہیں؟ یہاں پر بھی آپ نے حسبِ عادت جھک ماری ہے۔ سرفراز صاحب! اباحتِ اصلیہ
کے قاعدہ کلیہ کا حجت ہونا ایک اور چیز ہے اور اس اباحت سے کسی مخصوص چیز پر استدلال کرنا اور
بات سے آیات و احادیث سے اباحتِ اصلیہ کے قاعدہ کے حجت ہونے پر استدلال کیا گیا ہے اور
اس قاعدہ سے اباحت وہیں ثابت ہوگی۔ جہاں مدرکِ شرعی نہ ہو۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت کا جواب | سرفراز صاحب! اباحتِ اصلیہ پر ایک اعتراض

کرتے ہوئے سکتے ہیں۔ یہی ارشاد فرمائیے کہ حضرت امام ابو حنیفہ دریا کے کس جانور کو حلال اور
کس جانور کو حرام فرماتے ہیں؟ مفتی صاحب! احناف تو خیر احناف ہیں دیگر مسالک کے علماء کو بھی یہ امر مسلم
ہے چنانچہ حضرت امام نووی ابو ذکریا یحییٰ بن شرف الشافعی المتوفی ۶۷۶ھ فرماتے ہیں۔
وقال ابو حنیفہ لا یحل غیر السمک (نودی ج ۲ ص ۱۴۸ شرح مسلم)
امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ مچھلی کے بغیر کوئی
دریائی جانور حلال نہیں ہے۔

مفتی صاحب ہی فرمائیں کہ کیا دریائی جانور تمام اشیاء اور چیزوں کی فہرست
میں داخل نہیں ہیں؟ یا یہ قاعدہ ہی امام موصوف کو معلوم نہیں کہ اصل اشیاء ہیں یا حجت۔ (باجنت ص ۱۵)
سرفراز صاحب کا یہ لغو اعتراض کئی وجہ سے مردود ہے۔ اولاً اس لئے کہ امام موصوف
نے ان دریائی جانوروں کو کس دلیل سے حرام کیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان اشیاء کی حرمت
پر کوئی دلیل شرعی ہے یا نہیں۔ اگر ان کی حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود ہے تو ان کا اباحت
اصلیہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ کیونکہ جن چیزوں پر حلت یا حرمت وغیرہ کا شرعی حکم نہ ہو وہ
اباحتِ اصلیہ کے تحت آتی ہیں۔ نہ کہ وہ جن کی حرمت پر دلیل شرعی موجود ہو اور اگر ان کی
حرمت پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں۔ تو امام موصوف نے بغیر کسی دلیل شرعی کے ان دریائی
جانوروں کو کیسے حرام کر دیا؟ کیا حرمتِ اصلیہ سے؟ لیکن وہ تو آپ کے نزدیک ورود

شرع سے پہلے ہے۔ ثانیاً دریائی جانوروں میں امام صاحب کا مذہب معلوم کرنے کے لئے آپ کو کوئی حنفی کتاب نہیں ملی تھی۔ جو آپ کے اس مسئلہ کو کتب شافیہ میں دیکھا ہے۔ ثالثاً آئیے اب ہم آپ کو احناف کی کتب سے اس مسئلہ پر مطلع کرتے ہیں۔

علامہ برہان الدین فرغانی متوفی ۵۹۳ھ فرماتے ہیں۔

ولنا قولنا تعالیٰ و یحرم علیہم
الخبائث وما سوا السمک
نجیث وھی رسول اللہ علیہ
السلام عن دوا ویتخذ فیہ
الضفدع۔

مچھلی کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر
احناف کی دلیل یہ ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ
فرماتا ہے۔ نبی علیہ السلام اشیا نجیثہ کو حرام
کرتے ہیں اور مچھلی کے سوا باقی جانور نجیث
ہیں پس وہ بھی حرام قرار پائے اور اس کی تائید اس سے
بھی ہوتی ہے کہ حضور نے اس کو کھانے سے منع
فرمایا جو مینڈک سے بنائی جاتی ہے۔

ہدایہ ج ۲ ص ۲۲۰

کاش سرفراز صاحب آپ مکتبہ فکر بریلی کے کسی طالب سے ہی ہدایہ پڑھ
لیتے۔ تو یہ رسوائی آپ کا مقدر نہ بنتی۔ مذکورہ عبارت سے واضح ہو گیا کہ مچھلی
کے سوا دریائی جانوروں کی حرمت پر دلیل شرعی موجود اور جس کی حرمت پر
دلیل شرعی موجود ہو۔ اس کو اباحت اصلیہ کا فرد بنا کر اس کی حرمت سے اباحت
پر اعتراض کرنا پرلے درجے کی جہالت ہے۔

بھدا اللہ تعالیٰ ہم نے اباحت اصلیہ کے مسئلہ پر تنقید متین۔ راہ سنت
اور باب جنت سے چین چین کر سرفراز صاحب کے بشہات کا ازالہ کر دیا
ہے۔ کاش انہیں بھی ہدایت نصیب ہو!



کائنات میں تصرف

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے - قل لا املك لنفسی نقعا ولا منرا الا ما شاء الله - اس آیت کے ترجمہ میں علامت حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں - تم فرماؤ میں اپنی جان کے بھلے برے کا خود مختار نہیں - مگر جو اللہ چاہے اور اس تفسیر میں حضرت صدر الافاضل سید مولانا نعیم الدین صاحب نے فرمایا - حضرت مترجم قدس سرہ العزیز نے فرمایا بھلائی جمع کرنا اور برائی نہ پہنچنا اسی کے اختیار میں ہو - جو ذاتی قدرت رکھے - اور ذاتی قدرت وہی رکھے گا - جس کا علم بھی ذاتی ہو - کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہے - اس کے تمام صفات ذاتی تو معنی یہ ہوئے کہ اگر مجھے غیب کا علم ذاتی ہوتا تو قدرت بھی ذاتی ہوتی - اور میں بھلائی جمع کر لیتا اور برائی نہ پہنچنے دیتا - بھلائی سے مراد راحتیں اور کامیابیاں اور دشمنوں پر غلبہ ہے - اور برائیوں سے تنگی تکلیف اور دشمنوں کا غالب آنا ہے - یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بھلائی سے مراد سرکشوں کا مطیع اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کر لینا ہو - اور برائی سے بد سجت لوگوں کا باوجود دعوت کے محروم رہ جانا تو حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر میں نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا - تو اے منافقین و کافرین تمہیں سب کو مومن کر ڈالتا - اور تمہاری کفری حالت دیکھنے کی تکلیف مجھے نہ پہنچتی -

حضرت صدر الافاضل رحمہ اللہ کی اس تفسیر میں منصف مزاج حضرات کی ہدایت کا وافر سامان موجود ہے - اور انہوں نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے - وہ تمام معتبر تفسیر کے مطابق ہے لاعلم الغیب کے تحت ہم اس کی تائید میں مفسرین کی شہادت پیش کر چکے ہیں - البتہ مبتدعین دیوبند جن کے مذہب کی بنیاد ہی عداوت پر ہے - انہیں یہ تفسیر وارا نہیں کھاتی - صدر الافاضل نے یہاں

قدرت ذاتیہ کی نفی کی ہے۔ اس پر سرفراز صاحب کو اعتراض ہے کہ ذاتی قدرت تو ویسے بھی منتفی ہے۔ پس اس آیت میں عطائی قدرت کی نفی کی گئی ہے۔ یعنی سرفراز صاحب کے نزدیک رسول ایسا بے بس اور مجبور ہے۔ جو کسی امر پر نہ ذاتی قدرت رکھتا ہے نہ عطائی۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ کی بے بسی ثابت کرنے کے لئے اپنی پورھی قدرت صرف کی ہے۔ اور اللہ کے نبی کے اختیار کو روکنے کے لئے تمام زور قلم خرچ کر دیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دوسروں کے باسے میں نفع و ضرر کا اختیار تھا اور نہ خود اپنی ذات بابرکات کیلئے جن میں ایک دلیل قل لا املک لنفسی الا یہ ہے۔ تو اس سے گلو خلاصی کے لئے خان صاحب بریلوی اور ان کے شاگرد رشید مولوی نعیم الدین صاحب نے یہ طریقہ اختراع اور اختیار کیا ہے کہ آیت کا معنی یوں کر ڈالے کہ میں از خود اختیار نہیں رکھتا اور میں ذاتی قدرت نہیں رکھتا۔ لہذا لفظ از خود اور ذاتی کی قید اپنی طرف سے لگا کر آیت کے قطع معنی کے جواب سے عہدہ برآ ہونا چاہتے ہیں۔ (تنقید تین ص ۲۱۵)

سرفراز صاحب نے قرآن کریم کے معنی متعین کرنے کا ایک ضابطہ بیان کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

”اگر انصاف خدا خونی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے کہ آخر یہی قرآن و حدیث حضرات صحابہ کرام۔ تابعین عظام اور ائمہ دین و بزرگان صالحین کے سامنے بھی تھے۔ ان کا جو مطلب و معنی اور جو تفسیر و مراد انہوں نے سمجھی وہی حق اور صواب ہے۔ باقی سب غلط و باطل ہے پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو۔ آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے۔ اگر ہے

توضیح اور صریح حوالہ بتاؤ۔ چشم ماروش دل ماشاد۔ ورنہ یہ
مراد جو تم بیان کر رہے ہو۔ اس قابل ہے کہ اسے تم اٹھا
کر پھینک دو باہر گلی میں۔ (تنقید متین ص ۲۲۲)

تنقید متین کے صفحات میں جو سرفراز صاحب نے قرآن کریم کی
من مافی تفسیر کی ہے۔ اور جس طرح انہوں آیات کو اپنی خواہش نفسانی
کا تابع بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔ وہ ہم قارئین پر واضح کر چکے ہیں
مثلاً سرفراز صاحب نے اس کتاب میں ایسا کئی نکتوں کی تفسیر میں یہ سمجھانا
چاہا ہے۔ کہ ذاتی اور عطائی ہر قسم کی استعانت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے
غیر المغضوب کے تحت لکھا ہے کہ حق کو طار کے مخرج سے پرٹھنا اہل حق کا
طریقہ ہے و مہازرقنا ہم ینفقون کے تحت لکھا ہے کہ گیارہویں وغیرہ کرنا
جائز نہیں۔ ولئن شئنا لنذہبن بالذی اوجینا الیک کی امکان کذب
کے ساتھ تفسیر کی ہے لا اعلم الغیب کو غیب عطائی کی نفی پر محمول کیا ہے
اور قد لا املک لنفسی نفعا کی تفسیر عطائی قدرت کی نفی کے ساتھ کی
ہے۔ کیا ان تمام تفسیروں میں سلف نے آپ کا ساتھ دیا ہے۔ پس اب ہم
سرفراز صاحب کے بیان کردہ قاعدہ اور ان کی اجازت سے یہ پوچھنے
کا حق رکھتے ہیں۔ کہ آیات قرآنیہ کی جو تفسیر اور مراد آپ نے تنقید متین
میں بیان کی ہے۔ اور اس پر آپ سلف صالحین کی تفاسیر سے کوئی ایک
شہادت بھی نہیں پیش کر سکے۔ تو پھر کیا آپ کی یہ تفسیر بلکہ پوری کتاب
اس قابل نہیں ہے۔ کہ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں۔

بخلاف آپ کے ہم نے اپنی کتاب میں آیات قرآنیہ کے تحت جو
کچھ بیان کیا۔ اسے احادیث، اقوال سلف اور تفاسیر سے مزین کر دیا ہے
بلکہ دیوبند کے اکابر علماء کے اقوال پیش کر کے اس کی مزید تائید کر دی ہے
اور اب متلاشیان حق کے لئے یہ امر کوئی مشکل نہیں رہا کہ حق کس

جماعت کے ساتھ ہے۔

بہر حال سرفراز صاحب قد
لا املک لنفسی نفعاً کی تفسیر

قدرت ذاتیہ کی نفی پر دلائل

میں لکھتے ہیں کہ یہاں قدرت ذاتیہ کی نفی نہیں ہے۔ اور یہ ان کا خود ساختہ اور مذہوم دعویٰ ہے۔ جس پر وہ کسی تفسیر کو پیش نہیں کر سکتے۔ اور مجدد شہم اس بات پر مفسرین کی شہادت پیش کریں گے کہ اس آیت میں ذاتی اور مستقل قدرت ہی کی نفی مراد ہے۔

پس اولاً ملاحظہ فرمائیے، امام رازی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
والقدرة الكاملة والعلم المحيط
ليس إلا الله تعالى
قدرت کاملہ اور علم محیط نہیں ہے مگر
اللہ تعالیٰ کے لئے۔

(تفسیر کبیر ج ۲ ص ۳۳۱)

اور اہل فہم پر روشن ہے کہ قدرت کاملہ وہی ہے جس میں کسی وجہ سے کمی نہ آسکے۔ یعنی جو قدرت قدیم ہو۔ ممتنع الزوال ہو مستقل ہو۔ اور اسی کو قدرت ذاتیہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور علم محیط وہ علم ہے جو معلوماً غیر متناہیہ کو شامل ہو۔ قدیم ہو مستقل ہو۔ اور اس کو علم ذاتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس ظاہر ہو گیا جس طرح صدر الافاضل نے اس آیت کو علم ذاتی اور قدرت ذاتیہ کی نفی پر محمول کیا ہے۔ امام رازی کی بھی یہی تحقیق ہے اور اس کی مزید وضاحت انہوں نے لا اعلو الغیب کے تحت کی ہے جس کو ہم اس بحث میں پیش کر چکے ہیں۔ ثنائیہ کہ احادیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نفع کی نسبت کرنا ثابت ہے۔ دیکھئے حدیث شریف میں ہے۔

عن العیاس بن عبد المطلب
انما قال یا رسول اللہ صلی
عباس بن عبد المطلب سے مروی ہے کہ
انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض
کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے ابو طالب کو

کچھ نفع پہنچایا۔ وہ آپ کی رعایت کرتے تھے آپ کیلئے غضب ناک مہتے تھے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہاں میں نے اسے نفع پہنچایا ہے، اب اس کی صرف اٹریاں آگ میں ہیں اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے آخری طبقہ میں ہوتا۔

اباطالب بشی فانہ کان
یحولک ویغضب لک قال
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نحو ہونی ضحضا ح من نار و
لولا انا لکان فی الدارک
الاسفل من الناس۔

اب ہم سرفراز صاحب سے پوچھتے ہیں کہ حضور نے ابوطالب کو جو نفع پہنچایا یہ ذاتی ہے یا عطائی یہی صورت خود شرک ہے۔ اور دوسری صورت میں آپ کا قاعدہ صحیح نہ رہا۔

ثالثاً یہ کہ حدیث شریف میں ہے۔

عابس بن ربیعہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا کہ وہ حجر اسود کو بوسہ دے رہے تھے اور فرمایا ہے تھے کہ میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے اور نہ نفع دیتا ہے اور نہ نقصان۔ یعنی وہ پتھر کسی کو ذاتی طور پر نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

عن عابس بن ربیعہ

قال ما یت عمر یقبل
الحجر ویقول انی لا علم
انک حجر ما تنفع ولا
تضر الحدیث۔

(مشکوٰۃ ص ۲۲۸)

ملا علی قاری لا تضر کی شرح میں فرماتے ہیں۔ ای فی الذات (مرقاۃ ج ۵

ص ۳۲۵) اعلیٰ حضرت یا صدر الافاضل اگر حضور کے نفع و ضرر کے حکم پر ذاتی کی نفی کر کے اس کے لئے عطائی نفع ثابت کریں تو آپ بگڑ جاتے ہیں اور ملا علی قاری اس عبارت میں پتھر کے لئے عطائی نفع ثابت کر رہے ہیں اور اس پر آپ کے کوئی اعتراض نہیں کیا افسوس آپ بے جان پتھر کے لئے نفع مان سکتے ہیں اور کائنات کے محسن اعظم کے لئے یہ فضیلت بھی آپ کی نگاہوں میں کھٹکتی ہے۔

رابعاً۔ سرفراز صاحب کے شبیر احمد عثمانی اور دیوبند کے شیخ الاسلام اس آیت

کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

”اس آیت میں بتلایا گیا ہے کہ کوئی بندہ خواہ کتنا ہی بڑا کیوں ہو نہ اپنے اندر

اختیار مستقل رکھتا ہے۔ نہ علم محیط۔ (حاشیہ عثمانی برقرآن ص ۲۳۱)

لیجئے۔ اب تو دیوبند کی شہادت سے بھی ثابت ہو گیا کہ یہاں اختیار مستقل

یعنی قدرت ذاتیہ اور علم ذاتی کی نفی ہے۔ صدر الافاضل اگر قدرت ذاتیہ کی

نفی کریں۔ تو آپ اسے احتراع، تحریف، چور دروازہ نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں۔ اب

اپنے عثمانی صاحب پر کیا فتویٰ لگائیے گا۔ مدینہ کے دیوبندیوں کی طرح کہ جو بات

ان کے احبار و رہبان کہتے وہ سب حق و صواب ہوتی۔ اور اگر وہی بات حضور

صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے، تو سر دھڑکی بازی لگا کر اس کی تکذیب کرتے۔ آپ نے

بھی یہی شعار بنا رکھا ہے۔ کہ جو بات آپ کے احبار و رہبان کہیں وہ سب

دین و ایمان اور جب وہی بات علماء اہل سنت کہیں۔ تو آپ کو اس میں شرک و

بدعت کا چور دروازہ نظر آجاتا ہے۔ آپ ہی سوچیں کہ آپ کی اس روش

سے لوگوں پر کیا اثر پڑے گا۔

خامسا۔ لیجئے۔ اب ہم خود سرفراز صاحب کی عبارت سے منوائے دیتے ہیں

کہ حضور کو عطائی قدرت و اختیار حاصل تھا۔ لکھتے ہیں۔

”الغرض جو افعال بندے کے اختیار اور کسب سے تعلق رکھتے ہیں ان میں اس

کو جو قدرت اور طاقت حاصل ہو۔ وہی بس ہوتی ہے (تفہیم ص ۲۱۷)

اب یہ تو بہر حال آپ نے مان لیا کہ نبی کو قدرت اور اختیار حاصل ہے اور اس قدرت

کا ذاتی ہونا تو بدایت باطل ہے۔ پس متعین ہو گیا کہ یہ قدرت عطائی ہے اور جب

حضور کے لئے قدرت عطائی ثابت ہو گئی۔ تو اس آیت میں جس قدرت کی نفی کی گئی

ہے۔ اس کو لامحالہ ذاتی پر محمول کرنا پڑے گا۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں کیا

سرفراز صاحب کے شبہات اور ان کے جوابات | حضرات صحابہ کرام

اور سلف صالحین کی قدرت ذاتی تھی یا عطائی۔ اگر ذاتی تھی تو کس
دلیل سے اور اگر عطائی تھی تو انہوں نے بھلائی کیسے جمع کر لی اور برائی
سے کیوں کر بچ گئے۔ (تنقید متین ص ۲۱۶)

الجواب۔ صحابہ کرام کی قدرت عطا کردہ تھی اور انہوں نے جو کچھ نفع حاصل
کیا۔ ضرر سے بچے وہ سب اسی عطائی قدرت کا ثمرہ تھا۔ یہ کس نے کہا ہے کہ
عطائی قدرت سے کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں عطائی قدرت سے ذاتی
طور پر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ بات بالکل واضح ہے اور یہی صدر الافاضل رحمہ اللہ
کا مطلب ہے۔ اسی طرح سمجھتے ہیں۔

آپ نے متعدد ازواج مطہرات سے اور خصوصاً حضرت عائشہ سے
جو نکاح کیا ہے۔ اس میں بھی آپ کے لئے کوئی راحت تھی یا نہیں۔ اگر
راحت تھی تو جب آپ کو قدرت ذاتی نہ تھی یہ راحت کہاں سے آگئی۔

(تنقید متین ص ۲۱۷)

اس کا جواب بھی پہلے کی طرح واضح ہے کہ چونکہ قدرت ذاتی نہ تھی اس لئے اس
راحت کا حصول بھی بابتہ نہ تھا۔ قدرت عطائی تھی اس لئے اس پر یہ ثمرات بھی عطائی
طور پر مرتب ہوئے۔
سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

”اہل بدعت حضرات کا یہ فاسد خیال ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکوینی
اور تشریحی احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے سپرد کر دیئے گئے ہیں اس لئے آپ تمام
جہان میں تصرف کرتے ہیں رزق تقسیم کرتے ہیں اور نفع و ضرر دینے کے مجاز
ہیں، معاذ اللہ اور یہ بے بنیاد عقیدہ روح اسلام کے سراسر خلاف اور عبثیت
کی ہو ہو نقل و تقلید ہے اور توحید پر کاری ضرب ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۵)
اور پھر اس کے بعد لکھتے ہیں۔

”عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کی طرف

سے اختیارات مرحمت ہوئے ہیں۔ کیا بریلوی حضرات کے نزدیک

یہ نظریہ ٹھیک ہے۔ (تنقید متین ص ۲۱۸)

الجواب۔ سرفراز صاحب نے جو کچھ کہا ہے۔ وہ خلاف واقع کہا ہے اہلسنت
 علماء بریلی کا یہ ہرگز عقیدہ نہیں ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تمام اختیارات حضور کو دے کر
 معاذ اللہ معطل ہو بیٹھا ہے۔ ہمارا ایمان ہے۔ اس عالم آب و گل میں کوئی ذرہ بھی
 اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر ادھر سے ادھر نہیں ہو سکتا۔ وہ فعال
 مطلق ہے اور اس پر کسی کا اجارہ نہیں اور نہ وہ کسی کی بات ماننے پر مجبور ہے
 البتہ اس نے اپنے کمال فضل سے اپنے مقربین کو یہ مرتبہ عطا فرمایا ہے کہ اگر وہ
 اس سے دعا مانگیں تو وہ بے پناہ عنایت سے اس کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے۔

ولوئن سئدنی لا عطينہ
 اگر میرا مقرب بندہ مجھ سے سوال کرے تو میں اس کو ضرور
 بضرور عطا کروں گا۔ (مشکوٰۃ ص ۱۹۷)

بیز حدیث شریف میں ہے۔

لو اقسام علی اللہ لا بدہ
 اگر بندہ مقرب کسی کام کو کرنے کے لئے اللہ کی قسم تو اللہ تعالیٰ
 قسم کو ضرور سچا کرے گا۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۲۶)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں۔

معناہ لو سال اللہ شیئا
 کہ اگر وہ اللہ سے سوال کرے اور قسم کھائے
 واقسم علیہ ان یفعلہ لفعلہ
 کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کریگا تو البتہ اللہ تعالیٰ ویسا ہی کریگا
 ولو یخیب (لمعات)
 اور اپنے بندے کو یا یوس نہیں کرے گا۔

نیز حدیث شریف میں ہے۔

کل نبی یجاب (مشکوٰۃ ص ۲۲)
 (ہر نبی مستجب الدعوات ہوتا ہے)
 اور جب عام اولیاء و انبیاء کا خدا کی بارگاہ میں یہ مقام ہے تو حضور صلی اللہ
 علیہ وسلم جو سید الانبیاء والمرسلین ہیں۔ ان کے مرتبہ کا کیا عالم ہوگا اور آپ

جس کے حق میں دعاء فرمادیں وہ کیوں مقبول نہ ہوگی۔ پس اگر رزق یا اولاد کے حصول کے لئے نبی علیہ السلام سے عرض کی جائے کہ حضور آپ اللہ تعالیٰ سے دعاء فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں رزق یا اولاد عطا فرمائے۔ تو یہ قطعاً جائز اور دلائل صحیحہ سے ثابت ہے۔

دیکھئے حدیث شریف میں ہے۔

ام سلیم رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، انس آپکا خادم ہے آپ اللہ سے اس کے لئے دعاء فرمائیے پس آپ نے دعاء فرمائی کہ اللہ انس کے مال اور اولاد میں برکت اور کثرت عطا فرمائے۔ حضرت انس کہتے ہیں خدا کی قسم آج میرا مال بہت کثیر ہے اور میری اولاد کا عدد نشتو ہو چکا ہے۔

عن ام سلیم انها قالت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انس خادمک ادع اللہ لک قال اللهم اکثر مالہ وولدہ وبارک لہ فیما اعطیتہ قال انس فواللہ ان مالی لکثیر وان ولدی وولدہ وولدی یتعادون علی نحو المائۃ الیوم متفق علیہ (مشکوٰۃ ص ۵۷۵)

اس کے تحت ملا علی قاری رحمہ اللہ ابن حجر کے حوالے سے ذکر کرتے ہیں۔

روایت ہے کہ حضرت انس نے فرمایا کہ میری صلبی اولاد سے ایک سو تیس بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں اور میری زمین سال میں دو بار پھل لاتی ہے۔

روی انه قال رزقت من صلبی سوی ولدی مائۃ وخمسہ وعشرین ذکوراً الا بنتین علی ما قبل وان ارضی یشرفی السنۃ مرتین۔

اسناد مجازی | مبتدعین و پو بند کو اس مقام پر یہ شبہ لاحق ہوتا ہے کہ جب دینا حقیقت میں اللہ ہی ہے اور انبیاء و اولیاء کا کام دعا کرنا ہے اور وہ محض واسطہ ہوتے ہیں۔ تو پھر یہ کیوں کہا جاتا ہے کہ غوث پاک نے بیٹا دیا۔ اور حضرت علی مشکلی کشا کیسے ہو گئے اور پھر حضور حاجت روا یا مددگار کیوں کہا جاتا ہے۔ ان تمام باتوں کا جواب انہیں

بارہا دیا جا چکا ہے۔ کہ یہ سب اسناد مجازی کے قبیل سے ہیں کاش انہوں نے تلخیص المفتاح پڑھ لی ہوتی۔ تو ان کی سمجھ میں آجاتا۔ کہ اسناد الی السبب اسناد مجازی کی ایک قسم ہے۔

علامہ تفتازانی فرماتے ہیں!

ونبی الامیر مدینہ فی السبب (مختصر معانی ص ۸۹) یعنی یہ کہا جاتا ہے کہ امیر نے بنایا حالانکہ یہ کام تو امیر کے ملازم کرتے ہیں۔ اس کا جواب یہی ہے چونکہ امیر کے حکم سے شہر بنایا گیا۔ پس وہ شہر بنانے کا سبب ہے اور اس کی طرف اسناد کر کے مجازاً (نبی الامیر المدینہ) امیر نے شہر بنایا۔ اسی طرح سے چونکہ انبیاء اولیاء کی دعاء سے اللہ تعالیٰ رزق یا اولاد عطا فرماتا ہے۔ اور وہ اس عطا میں سبب قرار پاتے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیاء یا اولیاء نے رزق یا اولاد دی۔ اور اسناد مجازی خود قرآن کریم سے ثابت ہے سورہ توبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما نقموا الا ان اغناهم اللہ ورسولہ من فضلہ داوران منافقین کو نہ برا لگا۔ مگر یہ کہ مومنین کو اللہ اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اس آیت کریمہ میں غنی کرنے کا اسناد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف کیا گیا ہے حالانکہ اغناء اللہ تعالیٰ کی صفت ہے پس ثابت ہوا کہ یہ اسناد مجازی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

ما ینقم ابن جمیل الا انما کان فقیرا فاغناه اللہ تعالیٰ ورسولہ
ابن جمیل کو برا نہ لگا مگر یہ کہ وہ فقیر تھا
پس اللہ اور اس کے رسول نے اسے غنی کر دیا۔

مشکوٰۃ ص

اس کی شرح میں شیخ محقق فرماتے ہیں۔

وغنا بحقیقت از خدا است و ذکر رسول بجمت آلت کہ وے
غنا بحقیقت میں اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ اور رسول اللہ صلی

صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ است در
افاضت خیرات و وصول نعمات
از جناب حق۔ (اشعۃ المتعاجز ۲ ص ۸)

اللہ علیہ وسلم کا ذکر اس جہ سے ہے
آپ اللہ کی طرف سے تمام نعمتوں
اور خیرات کے پہنچنے میں واسطہ ہیں۔

اسی طرح سورہ مریم میں ہے۔ لاهب لك غلاما زکيا۔ فرشتہ نے حضرت
مریم سے کہا۔ تاکہ میں تم کو ایک پاکیزہ لڑکا دوں۔ اور لڑکا دینا اللہ تعالیٰ کی
صفت اور اس کا خاصہ ہے۔ مگر اس آیت کریمہ میں اس کا اسناد فرشتہ
کی طرف کیا گیا ہے۔ پس اسناد مجازی پر یہ قرآن کریم کی دوسری شہادت
ہے۔ مزید تفصیل اور توضیح کے لئے مختصر معانی مطول اور دیگر کتب بلاغت
کی طرف رجوع فرمائیں۔

مبتدعین دیوبند کا ایک جیلہ یہ بھی ہے کہ اسناد مجازی ایک علمی اصطلاح
ہے۔ عوام اس پر مطلع نہیں ہیں۔ اس لئے عوام کا یہ کہنا کہ غوث پاک نے بیٹا
دیا۔ بہر صورت شرک ہے یہ ایک پرفریب مغالطہ ہے۔ عوام اسناد مجازی کے
مفہوم سے واقف ہیں۔ اگرچہ اس کی تعبیر اور اصطلاح پر مطلع نہیں ہیں۔ مثلاً
سب جانتے ہیں کہ عوام اپنے عرف میں کہتے ہیں۔ کہ تاج محل شاہجہاں نے بنایا ہے
حالانکہ وہ بھی سمجھتے ہیں کہ شاہجہان تو اس کے بنانے کا سبب تھا۔ حقیقت میں تاج محل
مزدوروں نے بنایا تھا۔ اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ حضرت غوث پاک نے بیٹا دیا
حالانکہ وہ خوب جانتے ہیں کہ اولاد غوث پاک کی دعاء سے یا ان کے
توسل سے ملی اور دینے والا حقیقت میں اللہ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ پس
اس مفہوم کو وہ اسناد مجازی کی اصطلاح سے تعبیر کرنے پر اگرچہ قادر
نہیں ہیں مگر اس کی حقیقت سے وہ واقف ہیں۔

بحمد اللہ ہم نے قرآن و حدیث۔ شہادت سلف اور عوام کے عرف سے
ثابت کر دیا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں سے سب کچھ مل
سکتا ہے۔ اور مجازاً یہ کہنا صحیح ہے۔ کہ حضور نواز تے ہیں۔ عطاء فرماتے ہیں۔

سرفراز صاحب لکھتے ہیں۔

” احکام کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مفوض نہ ہونے کی باحوالہ بحث ہم نے پہلے عرض کر دی ہے پس احکام جن کی تبلیغ کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مبعوث فرمایا ہے آپ کو مفوض نہیں تو نفع اور ضرر اور امور تکوینی کی تفویض اور عطاء کہاں سے (تنقید تین ص ۲۱۹)

احکام کی تفویض کا کیا مطلب ہے۔ اس کو ہم سابقہ اوراق میں مدلل بیان کر چکے ہیں اور رہا امور تکوینیہ میں تصرف تو وہ اللہ کی عطا سے آپ کی امت کے اولیاء کو بھی حاصل ہے۔ آپ کا مقام تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے چنانچہ ابن عابدین شامی پر سیدی محمد شاذلی کے حالات میں تحریر فرماتے ہیں۔

اور اولیاء حنفیہ میں سے ائمه ولایت کے خاتم سیدی محمد شاذلی بکری حنفی ہیں۔ اور یہ ان اولیاء میں سے ایک ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے کائنات میں تصرف عطا کیا تھا۔ اور انہیں حالات پر قابو دے دیا تھا انہوں نے غیب کی خبریں دیں۔ اور بے شمار امور خارقہ للعادات ان کے ہاتھ پر ظاہر ہوئے۔

ومنہم خاتم دائرة الولايتا
قطب الوجود سيدى محمد
الشاذلى البكرى الشهير بالحنفى
الفقيه الواعظ۔ احد من صرفه
الله تعالى فى الكون ومكته من
الاحوال ونطق بالمخبيات وخرق
لما العوائد وقلب لما الاعيان -
(رد المحتار ج ۱ ص ۲۲)

اور شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں۔

” واولیاء را کرامات و تصرف دراکوان حاصل است۔ اشعة المعاجز ص ۱۶

اولیاء اللہ کو کرامات اور کائنات میں تصرف حاصل ہوتا ہے۔“

اس تحقیق سے ظاہر ہو گیا کہ بعض امور میں انبیاء و اولیاء عطا و ایزوی سے خود تصرف کرتے ہیں۔ جیسا کہ بکثرت احادیث صحیحہ سے ثابت ہے جن میں سے بعض کو ہم نے آیات نستعین کی بحث میں ذکر کیا ہے اور بعض امور

میں فقط اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں۔ ہر حال ہر دو باتوں کو ہم دلائل سے بیان کر چکے ہیں۔

سرفراز صاحب نے مزید لکھا ہے کہ۔

”اگر بھلائی سے بقول مولوی نعیم الدین صاحب سرکشوں کا مطیع اور اور نافرمانوں کا فرمانبردار اور کافروں کا مومن کرنا مراد ہو تو اس میں بھی ذاتی کی قید بالکل سینہ زوری ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عطائی نبوت اور عطائی رسالت کی بدولت بھی باذن اللہ تعالیٰ بہت سے نافرمانوں کو فرمانبردار اور کافروں کو مومن اور سرکشوں کو مطیع بنایا۔ اگر مولوی نعیم الدین صاحب کی خانہ ساز منطق کا خیال ملحوظ رکھا جائے تو

کسی کافر و مشرک کو کبھی ہدایت نہیں ہوتی۔ (تنقید متین ص ۲۱۹)

الجواب۔ ذاتی کی قید بالکل بجا اور بر محل ہے۔ البتہ سرفراز صاحب کی کم فہمی کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں۔ غور فرمائیے کہ اگر عطائی قدرت کافروں کو مومن بنانے میں کافی ہوتی تو کیا وجہ تھی کہ آپ کی بسیار کوشش کے باوجود ابولہب اور ابو جہل نے اسلام قبول نہیں کیا اور بے شمار کفار زمانہ نبوت میں آپ کی سعی بسیار کے باوجود کفر کی حالت پر مر گئے۔ پس اگر بقول سرفراز صاحب عطائی قدرت کافی تھی تو آخر یہ لوگ کیوں نہ ایمان لائے۔ پس اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں جس طرح حضرت صدر الاقاضی نے فرمایا ہے، کہ جس کو چاہیں مسلمان بنا دیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ذاتیہ سے ہی ممکن ہے۔ جس کی قدرت اور اختیار ذاتی ہو وہ جسے چاہے مشرک بہ اسلام کر سکتا ہے اور چونکہ یہ قدرت ذاتیہ اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے اس لئے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہا، وہ اسلام لے آئے اور جن کا اسلام اللہ تعالیٰ کی مشیت میں نہ تھا، وہ کفر پر مر گئے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطائی قدرت و اختیار کے مالک تھے۔ پس آپ کی تبلیغ کی وجہ سے جن لوگوں کے دلوں میں اللہ تعالیٰ نے قبولیت پیدا کی

وہ مسلمان ہو گئے۔ اور جن کے دلوں میں اللہ نے یہ وصف پیدا نہ کیا وہ مسلمان نہ ہوئے۔ اگر اللہ کی طرح حضور بھی (معاذ اللہ) ذاتی قدرت کے مالک ہوتے۔ تو جس طرح اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے مسلمان بنا دیتا ہے اسی طرح حضور کو بھی یہ وصف حاصل ہوتا۔ اور پھر یہ ممکن ہی نہ تھا۔ کہ مکہ کا کوئی شخص اسلام لائے بغیر مر جاتا۔ کیونکہ آپ ان سب کے اسلام پر حریض تھے۔ اور ان سب کا اسلام لانا چاہتے تھے۔ جس پر آپ کی شب و روز کی تبلیغ شاید ہے۔ چنانچہ صدر الافاضل رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ "پس نفع و ضرر کا ذاتی اختیار رکھتا۔ تو اسے منافقین و کافرین تم سب کو مومن کر ڈالنا"

پس ثابت ہوا کہ چونکہ آپ کی قدرت ذاتی نہ تھی۔ اس وجہ سے سب لوگ اسلام نہ لاسکے۔ جن کا اسلام اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ کی عطائی قدرت سے مسلمان ہو گئے۔ اور یہی بات صدر الافاضل نے بھی تحریر فرمائی ہے جسے سمجھنے کے لئے سرفراز صاحب نے اس قدر ہنگامہ آرائی کی تھی اور اب بہر حال ہم نے انہیں سمجھا دیا۔ اللہ ہماری اس سعی کو قبول فرمائے۔ اور اسے ابتداء بدعت کی ہدایت کا سبب بنا دے (آمین)

سرفراز صاحب نے کتاب کے آخر میں ص ۲۲۲

حرف آخر

پر حقیقت کا یہ معیار مقرر کیا ہے۔ کہ قرآن و حدیث کا جو معنی سلف کی تفسیر کے مطابق ہو وہ مقبول ہے۔ ورنہ مردود ہے۔ ہمیں سرفراز صاحب کا معیار بسرو چشم منظور ہے۔ اور آپ نے ملاحظہ کر لیا ہو گا کہ ہم نے اپنی اس کتاب میں شروع سے آخر تک اس معیار کو برقرار رکھا ہے۔ قرآن کریم کی جس آیت سے استدلال کیا ہے۔ اسے مفسرین کی عبارات سے مزین کیا ہے۔ بلکہ فریق مخالف کے مسلم اکابر کے اقوال سے اتمام حجت بھی کی ہے۔ اس کے برخلاف

آپ تنقید متین کو دیکھیں جس میں سرفراز صاحب نے آیات الہیہ کو باز چھوڑا اطفال بنایا ہے۔ اور اکثر مقامات پر من مانی تفسیر کی ہے۔ اور خانہ ساز تاویلوں سے قرآن کی اصل روح کو ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور اب جو بیان حق کے لئے مشکل نہیں رہا کہ وہ سرفراز صاحب کے بیان کردہ معیار پر ان کی کتاب اور اس پر ہمارے اس تبصرہ کو ملاحظہ فرمائیں اور فیصلہ کر لیں کہ حق کس کے ساتھ ہے۔ اور باطل کی پرستش کون کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا بے حد کرم ہے اور اس کے رسول کریم کی بے پناہ عنایت ہے جس کی وجہ سے ہمیں یہ توفیق حاصل ہوئی۔ کہ ہم نے اعلاء کلمۃ الحق کی خاطر یہ سب کچھ دیکھا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیزہ کا ترجمہ اور صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر وہ بجز خار ہے۔ جس کی عظمتوں کا اندازہ کرنے کے لئے بھی ایک عظیم علم کی ضرورت ہے۔ ورنہ جہالت کی عینک سے دیکھنے والوں کا وہی حشر ہوتا ہے۔ جو تنقید متین میں سرفراز صاحب کا ہوا ہے۔ ہم نے اپنی اس کتاب میں سرفراز کا کوئی شبہ اور کوئی وسوسہ نہیں چھوڑا۔ مگر اس کا ازالہ کر دیا۔ اور ان کی من گھڑت بدعات اور خانہ ساز قواعد پر ایسے اعتراضات قائم کئے ہیں۔ جو جان و ہابیت پر قیامت تک کے لئے پہاڑ بن گئے ہیں۔ جن کے بوجھ سے وہ انشاء اللہ کبھی سر نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بمطابق ملا آں با شد کہ چپ نہ شود۔ اس کے بعد بھی سرفراز صاحب سلسلہ خرافات شروع کر دیں۔ لیکن جہاں تک اصولی مباحث کا تعلق ہے۔ ہم نے دیوبندی بدعت کا کلیتہً خاتمہ کر دیا ہے۔ اور صدر الافاضل رحمہ اللہ کی تفسیر اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیزہ کے ترجمہ پر سرفراز صاحب نے جہالت عداوت کی بنیاد پر جو کچھ چڑا چھالی تھی۔ اسے ہم نے ان کے چہرے کی طرف واپس لوٹا دیا ہے۔ اور ثابت کر دیا ہے۔ کہ یہ ترجمہ

و تفسیر اہل سنت کے عقائد کا صحیح اور مدلل ترجمان ہے۔ اللہ تعالیٰ
 ہمیں اس کے فیض سے بہرہ مند فرمائے۔ اپنے حبیب اکرم کے مدد سے
 سے اس سعی قلیل کو قبول فرما کر مقبول عام بنائے۔ ہمیں اسلام پر زندہ
 رکھے اور ایمان پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔ امین رب العالمین۔

وَأُخِذَ عَوانِنا ان الحمد لله رب العالمین وصلی اللہ تعالیٰ
 علی حبیبہ محمد و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

مطلب

طالب الدعاء غلام رسول سعید ری غفرلہ۔

کتاب مستطاب دلائل و براہین سے مرصع اور نہایت ہی عرق ریزی سے لکھی
 گئی ہے۔

اہل محبت کے لئے نعمت عظمیٰ اور شاتمان رسول انام کے لئے ایٹم بم۔
 دعا ہے اللہ تعالیٰ بجاہ حبیبہ الاعلیٰ حضرت مصنف مدظلہ کو دارین کی نعمتوں
 سے سرفراز فرمائے اور ہر منصف مزاج کے لئے مشعل راہ بنائے۔

(تالش تصوری مصحح کتاب ہذا)

تذقیۃ علماء منصفی محمد رسول قاری ابن ابی عمیر

روشنی بہشتی از پورا اول تا ہنرم

سبع سنابل اردو

ہماری کنساز

فیصدہ مفت مسئلہ ایمینت و ایمان

حکایات رضویہ

روشنی کی طرف

ہمارا اسلام

اصول

تفسیر سورہ نور و نور محمدی

نور و غم

دس عقبت

عقبات اسلام

فہرست کتب و رسائل
۳۸۔ از دو بازار لاہور

تذقیۃ علماء منصفی محمد رسول اللہ ﷺ

روشنی بہشتی از پورا اول تا ہنرم

سبع سنابل اردو

ہماری کنساز

فیصدہ منفت مسئلہ ایمینت و یقین

حکایات رضویہ

روشنی کی طرف

ہمارا اسلام

اصول

تفسیر سورہ نور و نور

نور و غم

دس عقبت

عقبات اسلام

فہرست کتب و رسائل
۳۸۔ از دو بازار لاہور